

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ○ ان شہروں میں اردو مروج ● ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

یونین سٹیم پریس لاہور میں چھپا اور مولوی غلام رسول صاحب تحصیلدار پنشنر نے شائع کیا

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

مقامات خلافت - مولفہ شیخ عبدالقادر بی - اے - بیرسٹر ایٹ لا - ۸ر

رسوم دہلی - مؤلفہ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ قیمت ۱۲/۱

اقبال دلہن - مصنفہ مولوی بشیر الدین احمد خانصاحب، قسم اول عار قیمت ۸ر

ابو مسلم خراسانی - رسالہ الہلال مصری کے فاضل اڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف کا ترجمہ عہ ۸ر

دردو جانستان - مصنفہ مولوی سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی (دہلی کی زبان ٹکسالی کا سچا ذخیرہ) ۸ر

خیالستان - سید سجاد حیدر صاحب بی - اے کے معنفہ قصوں کا مجموعہ عار

انتخاب مخزن - مخزن کی سابقہ ۹ جلدوں کا انتخاب عہ ر

مثنویات میر حسن - مثنوی بے نظیر و بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کر دی گئی ہے - عہ ر

سیر تبت - انگریزی کتاب فور اِن تبت کا بامحاورہ ترجمہ ملک تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ - ۱۰ر

حکمت عملی - فلسفہ عملی مبسوط اور جامع کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی - عار

الانسان - علم الانسان میں بے نظیر کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی - عار

النحل - شہد کی مکھی کے تاریخی حالات اور پرورش کے متعلق دلچسپ کتاب مولفہ سید احسن صاحب بی اے - ایل ایل بی ۸ر

صبح زندگی - اول عار - دوم ۸ر ؛ خواب ہستی قیمت ۸ر ؛ تیر نشتر قیمت ۱۰ر ؛

اجرت اشتہارات

	سالم صفحہ سرورق پر	نصف صفحہ سرورق پر	سالم صفحہ اندرونی	نصف صفحہ اندرونی
سالانہ	سہ	ہعہ	عہ	عہ
ششماہی	ہعہ	عہ	ہعہ	معہر

یکدفعہ کیلئے سرورق پر (صہر) کسی اندرونی صفحہ پر (للعہ ر)



(حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی)

مخزن

فلسفۂ زندگی

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

دنیا خرابیست کش عدم تعمیر است
صید اجل است گر جوان و پیر است

ہم پشت زمین است و ہم زیر زمیں
ایں صفحۂ خاک ہر دو رو تصویر است

(از مسٹر عبد القوی فانی بی اے پروفیسر مارس کالج ناگپور)

درحقیقت یہ مسئلہ نہایت غور و فکر کے لائق ہے کہ جب موت زندگی کا خاتمہ ہے تو زندگی کیوں خطرات مصائب اور تکالیف سے لبریز ہو۔ ایک دانشمند دل سوال کر سکتا ہے کہ جب انسان کو فنا ہونا ہے وہ اس دنیا میں کیوں محنت و مشقت کرے۔ جب انجام موت ہے وہ اپنی زندگی کو مصائب و آلام

کاشتکار کیوں بنائے۔ جب انسان کی ہستی کا آخر کار عدم ہے وہ اپنی ہستی کو اس مٹنے والی دنیا کے چند روزہ کاروبار میں پڑکر کیوں خراب کرے۔ یہ وہ ادق مسئلہ ہے جس نے ہمیشہ کل حکما کو اپنی انوکھی نوعیت، حالت اور کیفیت سے سرگردان و حیران کیا ہے اور جس کا آجتک کوئی قطعی اور فیصلہ کن تصفیہ نہ ہو سکا جو کسی انسان کے قلب کو مطمئن کر سکتا۔ گو دنیا کی موجودہ روش اس مسئلے کے معانی اور مطالب کے خلاف ہے۔ مگر حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مسئلہ بہت کچھ راستی اور عمدہ اصولوں پر مبنی ہے اور اس میں بہتیرے عمدہ قوانین اور حکمت کے نکات پنہاں ہیں۔

ہر بات کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ ایک روشن اور دوسرا تاریک۔ مگر یہ مسئلہ جو زیر بحث ہے اپنے معانی اور الفاظ کے لحاظ سے دونوں سے الگ، نہایت معنی خیز اور مغالطہ انگیز ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی تہ تک پہنچنے کے لئے نہایت غور و فکر اور عقل رسا کی ضرورت ہے۔ یہ ایک مسلم امر ہے۔ کہ کیسی ہی عمدہ، زریں اور قابل قدر کوئی بات کیوں نہ ہو جب افراط و تفریط کا رنگ اختیار کرتی ہے اپنے حُسن و خوبی سے گِرجاتی ہے۔ بعینہ یہی حالت اس مسئلہ کی ہے۔

اس مسئلہ کے یہ معنی نہیں کہ انسان اپنی زندگی ہاتھ پر ہاتھ رکھکر محض بیکاری میں گذارے۔ کیونکہ اگر وہ ایسی زندگی بسر کریگا اس کا ہر لمحہ، اس کا ہر نفس اسکے اوپر وبال جان ہو جائیگا۔ شگفتگی، زندہ دلی اور مسرت پژمردگی، افسردہ دلی اور حزن سے بدل جائیگی اور اس کو اپنی زندگی دوبھر ہو جائیگی جو اس مسئلہ کے مقاصد اور معانی کے خلاف ہے۔ جو کچھ

اس مسئلہ کا ماحصل ہے۔ وہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بخوبی واضح اور روشن ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔

مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا

یعنی مرجاؤ قبل اس کے کہ تمہیں موت آئے۔ اب اگر اس سے کوئی یہ سمجھے کہ قبل اسکے کہ تمہاری موت کا وقت آئے تم اپنے ہاتھ سے خود اپنی موت کا سامان کرو۔ خواہ زہر کھا کر خواہ کسی اور طریقہ سے۔ یہ درحقیقت اس کی سمجھ اور فہم کا قصور ہے کہ وہ حدیث کے اصل مطلب کو نہ سمجھا۔ ایشیا کے مشہور فلاسفر شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس مطلب کو یوں ادا کیا ہے ؎

اے برادر چو عاقبت خاک است
خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی

انسان میں دو طرح کی بیماریاں پائی جاتی ہیں۔ ایک جسمانی اور دوسرے روحانی۔ یہ مسئلہ جو ہمارے پیش نظر ہے گو دونوں جسمانی اور روحانی امراض کے روکنے اور معالج ہونے کا دعوے کرتا ہے مگر درحقیقت یہ روحانی امراض کے سدباب کرنے اور روکنے کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انسان جو ایک محدود زمانہ تک اس دنیا میں رہتا ہے۔ دنیا میں زیادہ منہمک ہو جاتا ہے۔ گو اس کا ظاہری جسم تندرست و توانا رہتا ہے مگر اس کی روح طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے انسان عموماً اپنے جسم کی آراستگی صحت و تندرستی پر زیادہ توجہ کرتا ہے اور روح کی طرف سے بالکل غافل ہو جاتا ہے۔ وہ اس بات کو دنیا کے دام تزویر میں پھنس کر قطعی بھول جاتا ہے کہ ایک روز اس کو فنا ہے اور اس عالم کو چھوڑتا ہے۔ بڑے بڑے خودبین بڑے بڑے اجلا

ترقی کو اصلی ترقی سمجھتا ہے جو درحقیقت اس کے کل مصائب و آلام، افکار و ترددات کا سرچشمہ ہے۔ کاش وہ سمجھتے ؎

دنیا خوابیست زندگانی دروے
خوابیست کہ در خواب ببینی آنرا

اگر ہم فرض کرلیں کہ انسان ایسی ترقی کرگیا جو ممکن سے ممکن ہوسکتی ہے اور کرہ ارض و باد و آب و آتش کا ہر سربستہ راز اس کے قبضۂ قدرت میں آگیا۔ کیا ممکن ہے کہ باوجود ایسی قدرت و طاقت کے اس کے مصایب، آلام اور تکالیف میں جن سے اس کو ہمیشہ رات دن سابقہ رہتا ہے کمی آسکے۔ نہیں! ہرگز نہیں۔ جس قدر قدرت و طاقت بڑھتی جائیگی، جس قدر تہذیب و شائستگی ترقی کرتی جائیگی اسی قدر زیادہ اس کی تکلیفیں، اس کی ضرورتیں اور اس کی رنج و محنت زیادہ ہوتی جائیگی۔ ذوق مرحوم فرماتے ہیں۔ ؎

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
گر حریصوں کو خدا ساری خدائی دیتا

ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر پیغمبر، خدا کے برگزیدہ اور اس کے مقبول بندے دنیا میں ہدایت کرنے اور راستی کا راستہ دکھانے اس دنیا میں آئے، کسی نے دنیا حاصل کرنے اور اسی کو اپنا معیار ترقی سمجھنے اور اپنی پوری زندگی اسی دوڑ دھوپ میں گذارنے اور اس میں نام آوری پیدا کرنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ اس سے بچنے، سادہ زندگی بسر کرنے اور خدا کے یاد کرنے اور اس کی عبادت بجالانے کی ہدایت کی جو زندگی کے خوشگوار بنانے اور اس کے آرام و آسائش سے گذارنے کے بہتر... وسائل

ہیں۔ ؎

غافلو! یادِ الٰہی چاہیئے
ہے بکھیڑا زندگی کا چندروز

دنیا درحقیقت ایک کتب ہے جس میں انسان واقعات و حوادث کے ہوش ربا کتب خانہ کی اوراق گردانی کرتا ہے اور روزمرہ ایسے عبرت انگیز منظروں کا مشاہدہ کرتا ہے جو اگر وہ ذرا بھی بنظر تعمق دیکھے اور غور کرے، اس دنیا اور اس کی سراب سی شان و شوکت اور اپنی حباب سی زندگی کی کنہ کو بہت جلد سمجھ لے۔ مگر انسان کا قلب کچھ ایسا تاریک ہوگیا ہے کہ اس پر قدرت کے ان عملی سبقوں کا بہت کم اثر ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ کل جو نہایت خدم و حشم، نخوت و کبر سے رہتے تھے، جن کی امارت، طاقت اور جاہ و دبدبہ کا ڈنکہ بجتا تھا۔ آج دو گز کفن میں لپٹے، منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ جن کے دربار میں کل تک رسائی مشکل تھی، دربان اور حاجبوں کا ڈیوڑھی پہ پہرہ تھا آج ان کی قبر پر بجز حسرت و یاس کچھ نہیں ؎

عجب طرح کے حوادث ہیں بحرِ ہستی میں
ہر اک کا حال یہاں مثلِ نقش آب رہا

حیات و ممات قدرت کے وہ دو راز ہیں جن کے سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہے۔ کوئی مخلوق ایسی موجود نہیں جو ان دو سے جدا ہو۔ جو پیدا ہوا اس کو فنا ضرور ہے۔ اگر انسان غور کرتا اور اپنے انجام کو دیکھتا ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی اس ہستی کو جس کا نعم البدل ممکن نہیں دنیا کی اس چند روزہ محنت و مشقت اور رنج و مصیبت میں برباد کرتا۔ فنا

مسلمانوں نے کیونکر ترقی کی تھی؟

یاد باد آں کہ سرِ علم و ہنر منزل بود
دیدہ را روشنی از خاکِ درش حاصل بود

(از مسٹر عبدالقوی خانی بی۔ اے پروفیسر پارس کالج ناگپور)

یہ مضمون جس پر آج میں نے قلم اُٹھایا ہے کوئی انوکھا اور نیا مضمون نہیں۔ اس پر اکثر طبع آزمائیاں ہو چکی ہیں اور زورِ تحریر دکھایا جا چکا ہے مگر باوجود اس قدر پامال ہونے کے بھی اس کی دلچسپی، نوعیت اور اہمیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کو آج بھی ہم اسی قدر دلچسپ اور قابلِ توجہ پاتے ہیں جیسا کہ اوائل میں یہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔

اگر ہم دنیا کی تاریخ کی اوراق گردانی کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اسلام نے دنیا میں کیسے کیسے عظیم الشان کام کئے ہیں اور جو قوم دائرہ اسلام میں داخل ہوئی اس نے کیسے کیسے جلیل القدر کام انجام دیئے ہیں جن کے احسان سے دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم صرف دنیوی ہی باتوں کو لیں اور حقائق و معارف اور روحانیت سے قطع نظر

کریں تو بھی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ اسلام نے جو کچھ بنی نوع انسان کے لئے کیا ہے اور جو جو فوائد اور منافع اس سے اس دنیا کو پہنچے ہیں اس کی نظیر نہیں۔

دنیا کے اس جیتے جاگتے مرقع میں جس قدر زندہ یادگاریں مسلمانوں نے چھوڑی ہیں وہ خود ہی اپنی یادگار ہیں اور زبان حال سے ہر گذرنے والے کو اپنے بانیوں کی گذشتہ شان و شوکت کے افسانے سناتی اور ان کو چار چار آنسو رلاتی ہیں۔ وہ کونسی آنکھ ہے جو غرناطہ، قرطبہ اور طلیطلہ کے اسلامی کھنڈروں کی زیارت کرے اور پرنم نہ ہو؟ - وہ کونسی آنکھ ہے جو بغداد کا نظارہ کرے اور پُرآب نہ ہو؟ وہ کونسا جگر ہے جو خاک پاک دہلی کے اُجڑے، خستہ اور شکستہ حال قلعہ معلے، دیوان خاص اور دیوان عام کو دیکھکر پاش پاش نہ ہو جائے؟ وہ کونسا انسان اس روئے زمین پر موجود ہے جو اکبر آباد کے سنگین قلعے اور تاج محل کو دیکھنے کے بعد مبہوت نہ ہو جائے اور ایک آہ پُر درد نہ کھینچے کہ یہ مسلمان جو آج نان شبینہ کو محتاج ہو رہے ہیں کبھی ان یادگاروں کے بانی تھے اور دنیا میں انہیں کا ڈنکا بجتا تھا۔ یہ یادگاریں ہمیں نہ صرف ان کے ایک کمال یعنے فن تعمیرات کے نمونے دکھلاتی ہیں۔ بلکہ ان کے ہر کمال کا اس گئی گذری حالت میں بھی اعتراف کراتی ہیں۔ یہ ان کے پرانے کھنڈر نہ صرف اینٹوں، پتھروں اور چونہ کا مجموعہ ہیں بلکہ اس زندہ تاریخ کے اوراق پریشاں کا ایک خاکہ ہیں جس میں ان کی تہذیب شائستگی اور تمدن کا ایک دھندلا جلوہ نظر آتا ہے اور پہلی ہی نظر میں انسان پکار اٹھتا ہے کہ آہ وہ قوم جسکی یہ نشانیاں

تھے اور اپنے قدیم تہذیب وتمدن کی گذشتہ عظمت پر مٹے ہوئے تھے۔ لیکن حالت کیا تھی۔ علامہ لاروس لکھتا ہے "رومیوں کا نظام بالکل وحشت اور قساوت پر مبنی تھا۔ ان کے اخلاقی فضایل مثل شجاعت، مکر اور دور اندیشی وغیرہ کے رہزنوں اور چوروں کے مانند تھے، جس میں سوائے حرص وطمع، عداوت اور کینہ کے کوئی چیز نہ تھی۔ ان کی عظمت اور فضیلت طرح طرح کے ظلموں اور ہتھکنڈوں کے بل قائم تھی۔" یہ حالت تھی کہ آفتاب رسالت نے طلوع کیا اور دنیا کو انصاف، نیکی، راستی، رحم اور شفقت سے بھر دیا۔

اس لکھنے سے ہمارا یہ مطلب ہے کہ علم اخلاق میں مذہب اسلام کے برگزیدہ اصول کسی قوم وملت سے ماخوذ نہیں۔ مسلمان جہاں جاتے تھے اپنے اصول ساتھ لے جاتے تھے۔ یہ عموماً مذہبی عقائد تھے جو اخلاق کے زمرہ میں شامل کئے جا سکتے ہیں۔ یہی وہ اسلامی تعلیم تھی جس نے کل دنیا کو مسخر کر لیا تھا۔ اسی اسلامی تعلیم کی آج بھی عیسائی دنیا شاکی ہے۔ ہم برابر اخباروں میں مشنریز کے مضامین دیکھتے ہیں جس میں وہ لکھتے ہیں "اسلام کے اصول اس قدر دلاویز، سہل اور سادہ ہیں۔ کہ جہاں افریقہ کی کسی قوم میں ان کا ایک مرتبہ گذر ہوا وہ مہذب اور شائستہ ہو گئی۔ افریقہ میں اسلام محض اپنی سادگی، صفائی اور پاکیزگی کی بدولت بسرعت قبائل میں پھیل رہا ہے اور ہماری کل کوششیں ان کو عیسائیت میں لانے کی باوجود ہزاروں پونڈ صرف کرنے اور سینکڑوں واعظ روانہ کرنے کے بے سود سی معلوم ہوتی ہیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ نہ تو اسلامی مشنریز کہیں نظر آتے ہیں اور نہ ہماری طرح

کوئی روپیہ پانی کی طرح بہاتا ہے پھر کیوں اسلام کو اس قدر کامیابی ہو رہی ہے"۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام ترقی کا منافی ہے مگر تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ اسلام مانع ترقی نہیں۔ البتہ جب سے مسلمانوں نے اسلام کی پیروی چھوڑ دی ہے وہ خود جہالت و تاریکی کے گہرے غار میں جا گرے ہیں اور شاہراہ ترقی سے کہیں دور۔ جب تک وہ خالص اسلامی اصولوں کے سچے پیرو اور عامل رہے کامیابی، فیروزی اور نصرت ان کے ہمرکاب رہی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب اسلامی فتوحات کا سیلاب شمالی افریقہ اور مشرقی ایشیا سے گذر چکا انہوں نے علوم کی طرف توجہ کی۔ یہ انہیں کی سرپرستی اور قدردانی کا طفیل ہے جو یورپ آج اس طرح علوم سے مستفید ہو کر علمی معراج کے اوج کمال پر پہنچا ہوا ہے۔ اگر مسلمان اسوقت عیسائیوں سے علمی خزائن اپنی سرپرستی میں نہ لیتے تو آج دنیا ان سے یقیناً محروم رہتی۔ یورپ کی جس کو آج اپنے اوپر ناز ہے اس زمانہ میں علامہ لاروس اپنی دائرۃ المعارف میں لکھتا ہے یہ حالت تھی "ان کا خیال تھا کہ علم ادب ایک ایسا ملعون درخت ہے جو اپنے زہریلے پھلوں سے بنی آدم کو ہلاک کرتا ہے"۔ جہالت و تاریکی و تعصب کی کوئی حد نہ رہ گئی تھی۔ علم کا نام تک لینا جرم میں داخل تھا۔ مقتدایان دین کا دور دورہ تھا جو اپنی خواہش کے موافق مذہب کی آڑ میں دینی اور دنیوی احکام صادر کرتے تھے اور جس کا ایک ادنےٰ نمونہ انکو یکویزیشن تھا جس کے ذریعے اشاعہ میں سینکڑوں بیگناہ طرح طرح کی

وہ اظہر من الشمس ہے۔ یورپ باوجود اس ترقی اور مرتبہ کے ابتک مسلمانوں کی شاگردی پر فخر کرتا ہے اور ان کا ممنون ہے۔ اگر مسلمان یورپ سے جسکے کبھی وہ اُستاد تھے کچھ سیکھیں تو کوئی چیز مانع نہیں۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "حکمت کو لے لو۔ یہ امر تمہارے لئے مضر نہیں کہ کس برتن سے نکلی ہے"۔ پس ہم کو ضروری نہیں کہ ہم مذہب، قوم اور رنگ کا خیال کریں۔ ہم کو جہاں سے اور جس سے بھی جو کچھ علم میں مل سکے اسکے حاصل کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہئے۔ ہم کو اپنے اسلاف کے کارناموں پر نظر رکھنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے تحصیل علم میں کیا کچھ جدوجہد نہیں کی تھی اور کہاں کہاں کی خاک نہیں چھانی تھی۔ ان سب باتوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کبھی مانع تعلیم نہیں تھا اور نہ اب ہے خواہ تعلیم مشرقی ہو یا مغربی۔ چونکہ مضمون کا عنوان مغربی تعلیم سے متعلق ہے لہذا ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اسلام مغربی تعلیم کا مانع نہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ رفتار زمانہ کا مقابلہ کرنا اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان کرنا ہے۔ ہم کو اس بات کو ہرگز نہ بھولنا چاہئے۔ کہ علاوہ متذکرہ بالا باتوں کے مسلمانوں میں ایک بات اور بھی تھی جسپر ان کی کل ترقیوں کا انحصار تھا۔ وہ کیا؟ اتفاق۔ اب اتفاق کی جگہ مسلمانوں میں نفاق نے گھر گھر گھر کر لیا ہے اور مسلمانوں کی طاقت وقوت کو بہت ضعیف کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی بربادی کا باعث دو ہی چیزیں ہیں۔ جہالت اور نفاق۔ ہم کو ہر ممکن ذریعہ سے کوشش کرنا چاہئے کہ ان دونوں کا کلیۃً استیصال ہو جائے اور ہمارا سابقہ عروج پھر عود

کرائے خواہ تعلیم مغربی ہو یا مشرقی، جنوبی ہو یا شمالی ہمیں اس کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اسلام کبھی مانع تعلیم نہیں۔

از قرنہا تا قرنہا اسلام را شمس ہدے
پرتو فگن بر ہر کجا بر تیگس و گنگ و جمن
تا کہ نفاق جانستاں بشکست تا رحب شاں
آمد غرض اندر میاں بکشادہ شد باب فتن
شیرازہ امت گسست آں قوت ملت شکست
دولت زبون و پس گشتہ پست از اختلاف و از محن
اسلام بودہ در شباب چوں آفتاب عالمتاب
یا کوہ یخ بر روئے آب ہر سو رواں ہر سد شکن
اکنوں شدہ افرادش جدا از ہم چو ریگ کربلا
گویا بظاہر تو دہا لیکن بباطن پرو ہن
اسلام بد اول یکے اکنوں ندانم چند کے
ہر فرقہ را شد مسلکے ہر یک برغمے مفتتن

ہوالناصر

شادی مرگ

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اوتھر در اصل سیدزادہ تھا اور فصاحت بلاغت سیدوں کی گھٹی میں پڑی ہے کیونکہ علموں کا دروازہ مسلمانوں کے نزدیک حضرت علی تھے اور یہی سیدوں کے باپ کہلاتے ہیں جب بنی عباس کی چڑھ بنی تو سیدوں کے جدھر سینگ سمائے عرب سے نکل کر چلے گئے۔ اوتھر کا مورث اعلیٰ بھی واسط۔بغداد۔ایران ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا ہندوستان جنت نشان کہلاتا ہے یہاں آکر اس خاندان نے دم لیا اور یہ سمجھے کہ ہم بسم اللہ کے گنبد میں آگئے یہ لوگ تلوار کے بھی دھنی تھے اسلئے مسلمان بادشاہوں کیساتھ شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے اور بڑے بڑے منصب اور عہدے پائے اور رسول ہاشمی کی یہ پاک عزت غالب پور بارہ دلی بلگرام بارہ بنکی وغیرہ مقامات میں چنبیلی کی خوشبودار لنبی ٹہنیوں کی طرح پھیل گئی مگر ان سب میں سے اوتھر کے جد اعلیٰ خاص دلی میں بسے اور تین سو برس کے بعد ۱۹ ویں صدی عیسوی کی آخر میں جب اوتھر نے دلی کی اچھوتی زمین پر جنم لیا۔ تو فولاد ہندی کی جوہر دار تلواریں جو اس کے بڑوں کی کمر میں بندھا کرتی تھیں

انگریزی اقبال کے تیزاب میں گُھل کر گذشتہ ہو چکی تھیں اوتھر نے آنکھ کھول کر نہ سکیلا دیکھا نہ سرُوہی نہ کھانڈا نہ سوسن پٹہ نہ پیش قبض اوتھر نے سُنا بھی تھیں کہ تلوار کا گھاٹ کیسا ہوتا ہے باڑ کسے کہتے ہیں کوتھی سے کیا مراد ہے بیڑا کیا چیز ہے اُسے ہوش آیا تو اُس نے گھر میں عربی علوم فنون کا چرچا فارسی زبان کا مشغلہ اردو زبان کی چھان بین اردو زبان کی اصلاح اردو زبان کا سنوارنا اردو نظم نثر کا شوق دیکھا مردوں کا ذکر ہے دادی پھوپھی خالہ نانی ماں بہن اور گھر کی ماما اور لونڈیوں کو بھی شعرگوئی اور شعرخوانی میں ڈوبا ہوا پایا۔ اوتھر ۱۵ ویں برس ہی مذہبی علوم اور فن طب کی سند حاصل کر کے فارغ ہو گیا اور اپنی خاندانی کمالات کی طرف جھکا نظم و نثر کی مشق کرنے لگا اور ایک پری جمال نازنین کے عشق نے اس موقع پر خضر اور الیاس کا کام دیا عشق کی گرمی نے اوتھر کے دل کو آتشکدہ بنا دیا اور اُس کے نظم و نثر میں لوچ اور مزہ پیدا ہو گیا اُس کا کلام پڑھ کر نوجوان کلیجہ پکڑ لیتے بوڑھے رو دیتے بچے کھل کھلا کر ہنس دیتے عورتیں کہتیں الٰہی تیری پناہ شعر کا ہے کو ہیں زہر کی پوڑیاں ہیں کلیجہ میں چٹکیاں لیتے ہیں کھوجڑے پٹے نے عورتوں کی ساری بولیاں سیکھ لی ہیں شاید زینت محل بیگم بہادر شاہ سے اس انداز کے ساتھ بات نہ کرتی ہونگی جو یہ ناشدنی اوتھر اپنی غزلوں میں ادا کرتا ہے کوئی رحمدل بول اٹھتی تھیں برا اپنے کلیجہ پر ہاتھ دھرو آخر وہ بھی تو کسی ماں کا پوت ہے اُس کی ماں یہ کوسنے سُن لے تو ہمیں تمہیں کیا کہے میں نے سُنا ہے اوتھر کوئی بڑا شاعر نہیں ہے بیس برس کی عمر کا لڑکا ہے۔ اوتھر اگرچہ امیرزادہ نہ تھا مگر اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا اُس کے قابل

بلانے اور لکھوانے پڑھوانے میں اُنھوں نے ہزاروں روپیہ خرچ کر دیا
تھا وہ لگاتار تیس برس تک طب اور نظم و نثر کی پریکٹس میں مشغول رہا
اور بقول شیخ سعدی

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

آخر اُس کے نظم و نثر کی خوبیاں ہندوستان کے اہل کمال نے مان لیں اور
کوئی یونیورسٹی اور لائبریری ایسی نہ رہی جس میں اس نوجوان کا نام زندہ
Outhor اوتھرس میں شامل نہ کیا گیا ہو اسی وجہ سے اُس کا لقب اوتھر
پڑ گیا ورنہ خاندانی نام اُس کا کچھ اور ہی تھا اوتھر انگریزی میں اُس لایق
مصنف کو کہتے ہیں جو اپنی تصنیف کو جدت اور تازہ ایجاد کے ساتھ آراستہ
کر سکے اس کا مرادف انگریزی ڈکشنری میں بگنر فارمر اور تجنبٹر وغیرہ بھی
آیا ہے اوتھر کے مضامین کا اثر خاصکر عورتوں کے دل پر پڑتا تھا وہ اسکے
پاس دوڑی دوڑی آتیں اور زمان نہ مان میں تیرا مہمان" کر دکھاتیں۔
طبابت کی آڑ اس راز کو کھلنے نہ دیتی لوگ جانتے بیمار آتے ہیں اسلئے
وقت بے وقت دیوان خانہ میں ڈولیاں اُترتی رہتی ہیں مگر جہاں تک
ہمیں معلوم ہے اوتھر پاکباز تھا جو لوگ اس قسم کے آکر اُس کے گلے کا
ہار بننا چاہتے یا اُس کے گلے پڑ جاتے تو اوتھر انھیں اپنا کلام سُنا کر اور
باتوں میں بہلا کر رخصت کر دیتا ایک لطیفہ اوتھر کی لائف کے متعلق یہ
بھی سُننے کے قابل ہے کہ اوتھر کی ماں نے کال کے زمانہ میں ایک لاوارث
لڑکی سرکاری یتیم خانہ سے منگا کر بیٹی کی طرح پالی تھی اور وہ اوتھر کے ہم سن
تھی خدا جانے یتیم لڑکی کے ماں باپ نے اس کا کیا نام رکھا ہوگا مگر اوتھر
کے گھر میں اُسے سب ہنسمکھ کہکر پکارتے تھے ہنسمکھ کی صورت شکل دیکھکر

یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کسی شریف گھرانہ کی بیٹی ہے مگر ستمگر آسمان نے اسے
نیچا دکھایا خاندان کو ملیامیٹ کر دیا اور اس پر وقت پڑ گیا اور آج وہ
بندیا گری کماتی ہیں ہنسمکھ بہت گوری تو نہ تھی مگر اُس کا بدن اس قدر
سڈول تھا کہ جب اُس کا میلا دوپٹہ سرک جاتا تو دیکھنے والا اُسے گھورا
ہی کرتا جب وہ ہنستی تو اُس کی بڑی بڑی آنکھیں کسی قدر بند ہو جاتیں
اور ایک قدرتی دنبالا پیدا ہوتا جو اُس کے کانوں تک جاتا اور دیکھنے
والوں کو گمان ہوتا کہ ہنسمکھ نے ایسا کاجل لگایا ہے جس کی لمبی لکیریں
دور تک چلی گئی ہیں مگر جب وہ ہنس چکتی اور اُس کی بڑی بڑی آنکھیں
کھل جاتیں تو سرمہ کاجل سب غائب ہو جاتا اور اُس وقت یقین ہوتا
کہ درحقیقت ہنسمکھ نے نہ سرمہ لگایا ہے نہ کاجل یہ ایک اندازِ حسن ہے
جو خدا کے ہاں سے اُسے ملا ہے ہنسمکھ کا حافظہ اور ذہن بلا کا زوردار
تھا اردو کی نظم و نثر یا جو کچھ کلام اوتھر کے منہ سے سُن لیتی اُسے فوراً
حفظ ہو جاتا جس لب و لہجہ سے اوتھر اپنی ماں بہنوں سے فارسی میں
بات چیت کرتا تھا وہ اُس کا چربا اُتارتی تھی اور اوتھر کی طرح بے تکان
فارسی بولا کرتی تھی اردو زبان تو گویا اُس کی لونڈی بن گئی تھی اُسکی
میٹھی باتیں اور دلی کی بول چال ایسی پیاری تھی جسے سُنکر دلی کی
بادشاہزادیاں اور بیگمیں حیران رہ جاتی تھیں اور اوتھر کی ماں سے
کہتی تھیں سیدانی بیگم یہ بجلی بسنت آپ نے خوب پالی ہے زہر کی بجھی ہوئی
ہے بوٹی بوٹی پڑی پھڑکتی ہے زبان کیا کترنی ہے حضرت کوئی دن میں
چرخ سے مہتاب توڑ کر لائیگی جب اکیلے دوکیلے میں وہ اوتھر کی کوئی غزل
گاتی تو معلوم ہوتا مینہ برس رہا ہے اُس کی آواز جانگداز تھی سُننے والا کلیجہ

تھام لیتا اوتھر کی شاید کوئی نظم نثر ہو گی جو اُسے حفظ نہ ہو گئی ہو یہ سب خوبیاں دیکھ کر اوتھر کو ہنسکھہ کے ساتھ چاہت پیدا ہو گئی تھی اور وہ اُسے اپنی جان سے عزیز رکھتا تھا کتب خانہ کے داروغہ بھی وہی تھی اوتھر کو کھانا بھی وہی کھلاتی تھی وضو بھی وہی کرواتی تھی اوتھر دوپہر کو یا رات کو مسہری پر لیٹتا تو ہنسکھہ بے کہے سُنے پنکھا جھلنے کے بہانہ سے اُس کی پٹی کے پاس آ بیٹھتی اور اوتھر کی کوئی غزل گا کر اُسے لوری کا مزہ یاد دلا دیتی کبھی اس درد اور درد کے لہجہ میں اُس کا کلام گاتی کہ اوتھر کا دل ہل جاتا اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور وہ اسی عالم میں سو جاتا ہنسکھہ کو یہ گمان تھا کہ جس محبت کی نظر سے میں اوتھر کو دیکھتی ہوں اُسے گھر میں کوئی پہچانتا نہیں ہے اور اوتھر کا بھی خیال تھا کہ میرے دل میں جو ہنسکھہ کی جگہ ہے اُس سے نہ ہنسکھہ خبردار ہے نہ گھر والے مگر ع

تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے

یہ اُن دونوں کا لڑکپن تھا اوتھر کی ماں کو بدگمانی پیدا ہوئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی اے ہے میرا اوتھر کنوارا بالا ہے اور ابھی اُس کا کورا پنڈا ہے ایسا نہ ہو کہیں ہنسکھہ پر ریجھ جائے اور پھر لینے کے دینے پڑ جائیں اسلئے جب اوتھر اور ہنسکھہ کتب خانہ کے کمرہ میں ہوتے۔ تو بیگم صاحب چھپ چھپ کر دیکھتی کہ یہ دونوں کیا کر رہے ہیں سو پچاس بار انہوں نے ہنسکھہ کو ایسی ڈھیل بھی دی کہ وہ ساری ساری رات اوتھر کے کمرہ میں رہی اور گھڑی گھڑی جھانکا کیں مگر بُرائی کی کوئی جھلک کبھی نہ دکھائی دی جب اچھی طرح انہوں نے امتحان کر لیا تو بیگم صاحب کو یقین

ہوگیا کہ دور پار ہنسمکھ اور اوتھر کے اندر کوئی آلائش نہیں ہے فقط ہنسمکھ کے ذہن کا سکھڑاپا اوتھر کو پسند آگیا ہے اور اسی وجہ سے وہ اسکی ہمدم بن گئی ہے۔ اوتھر جیسے ذی علم نازک دماغ کے پہلو کے لئے بیوی بھی ایسی ہی ہونی چاہئے تھی جس کی دسوں انگلیاں دس چراغ ہوں اسی واسطے بیگم صاحب نے ساری دلی تلپٹ کر ڈالی اور شہر میں ڈھنڈیا مچادی کنبہ رشتہ میں بھی اچھی سے اچھی لڑکیاں موجود تھیں مگر اوتھر کی یہ ضد تھی کہ میری شادی غیروں میں کی جائے شکر خورہ کو خدا شکر ہی دیتا ہے اوتھر کو ویسی ہی لایق بیوی مل گئی جیسی بیگم صاحب چاہتی تھیں اور جیسی بیوی کی اوتھر کو آرزو تھی سیدانی پڑھی لکھی باحیا باعصمت خدا بڑھیٔ نہیں مگر تختہ یہ تختہ اُتارتا ہے اور عورتیں کہا کرتی ہیں بہو ساس کی دہلیز کی مٹی کی بنا کرتی ہے حیدری بیگم کا مزاج حیدری بیگم کی خوبو (حیدری اوتھر کی بیوی کا نام ہے) پڑھنا لکھنا نظم و نثر کا شوق ایسا ہی تھا جیسا کہ اوتھر کی ماں بہنوں کو اور اوتھر کے گھرانے کو تھا بیگم صاحب خوش ہوکر ہنستیں اور فرماتیں جیسے گھر تھے ویسے ہی سوہے میں بھی آئے۔ ع

خوب گذریگی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

تعلیم اور لیاقت کی بدولت میاں بیوی میں خوب لگن لگی ایک جان و قالب ہوگئے حیدری بیگم زبان دانی میں اوتھر سے بڑھی ہوئی تھی جب اوتھر کوئی نظم و نثر لکھ کر اُسے سُناتا تو حیدری بے تامل کہدیتی دیکھو صاحب بُرا ماننے کی بات نہیں ہے آپکا یہ شعر پھیکا ہے اس مصرعہ کی بندش اچھی نہیں ہے یہ مثل یہ محاورہ پورے کا پورا نظم میں نہیں سمایا یہ روزمرہ آپ نے اسطرح لکھا ہے آپ کے بزرگ اسی طرح بولتے ہونگے مگر میں نے اپنے ابا جان سے

اس طرح سُناہے اوتھر منصف مزاج تھا بیوی کی اصلاح کو مان لیتا کبھی کبھی میاں بیوی میں لکھنے پڑھنے کی باتوں پر بحث بحثا اور نوکا چوکی بھی ہو جاتی اوتھر کہتا چلو رہنے بھی دو جب بیوی صاحب بیاہی ہوئی آئی تھیں تو اچھی طرح فارسی بھی نہ لکھ پڑھ سکتی تھیں میں نے عربی کی صرف نحو پڑھائی حدیث تفسیر اور طب پڑھائی ہماری بی اور ہمیں سے میاؤں خدا کی شان ہے اب آپ ہمیں سبق دیتی ہیں اور ہماری غلطیاں پکڑتی ہیں حیدری بیگم کہتی ہیں ناشکری نہیں ہوں آپ کے پاس آکر سدھ گئی آپ نے مجھے عربی پڑھائی مگر آپ کی عربی نے میری زنانی بولی کا نیوا ناس کر دیا میرے منہ پر کمبخت موٹے موٹے لغت چڑھ گئے ہیں بات میں وہ نرمی نہ رہی جو عربی پڑھنے سے پہلے تھی بیکہ جاتی ہوں تو مجھے سب نکو بنا لیتے ہیں ڈولی سے اتری اور بڑی آپا جان نے کہا بی مولون آپہنچیں میں خود شرماتی ہوں اور اپنے دل میں انصاف کرتی ہوں کہ میری باتیں میرزا نوشہ کا اردو دیوان ہو گئی ہیں مردی اضافتیں ہیں کہ لگاتار چلی آتی ہیں اوتھر کہتا کیوں نہیں ماشاءاللہ چشم بدور حرف نظر اپنے منہ سے میاں مٹھو آپ ہی کو بنتے دیکھا ہے بیشک آپ میرزا نوشہ بن گئی ہیں حیدری بیگم کہتی دیکھا میں نے کہا یاہے بنے یہ پیغمبر خانی اچھی نہیں لگتی ہے میں پھر بھانڈا پھوڑ دونگی اور ان بار میں چھپوا دونگی کہ اوتھر صاحب میرے شاگرد ہیں میں نے ہی انہیں عورتوں کی بول چال سکھائی ہے مگر افسوس اس کا ہے کہ حیدری بیگم کی اوتھر سے کی نہ بنی۔ حیدری بیگم نے بیاہ کے بعد چھ مہینہ تک تو منہ سے کچھ نہ کہا مگر اوتھر کے اور ہمسایہ کے برتاؤ کو تاڑتی رہی اور آخر اُس سے سہارا نہ ہوئی۔ ایک دن اوتھر باہر سے آیا تو دیکھا بیوی پھولی سوجی بیٹھی ہیں

گورا گورا چہرہ غصہ سے انگارہ بن گیا ہے آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں ہاتھ میں سفید رومال ہے۔

اوتھو۔ خیر تو ہے حیدری بیگم نے کچھ جواب نہ دیا اوتھو بیوی پر جی جان سے فدا تھا بیوی کو جھلایا ہوا دیکھ کر سہم گیا اور کہنے لگا خدا کے لئے کچھ کہو تو سہی تم روتے کیوں ہو۔

حیدری بیگم۔ میں جھینتی ہوں ہنسا کہ آپ کے بہت منہ چڑھی ہوئی ہیں وضو آپ کو وہ کرواتی ہیں کپڑے آپکے وہ بدلواتی ہیں غزلیں وہ گا کر آپ کو سناتی ہیں سُلاتی ہیں وزیر کہوں مصاحب کہوں سہیلی کہوں مختار کہوں کیا کیا کہوں جب دیکھو مردار کمرہ میں گھسی ہوئی ہے میاں کتاب دیکھ رہے ہیں وہ چڑیل میاں کے گوڑے سے لگی کھڑی ہے اور بہانہ کیا مزہ کا ہے کہ میں میز صاف کر رہی ہوں دو میں تیسری آنکھوں میں ٹھیکری سوئی جھتیسی بارہ تالی چھپل پائیں اُس کے دیدہ کا پانی ڈھل گیا ہے۔ اور آپ نے اُسے سر چڑھا لیا ہے جب اس لیاقت اور سلیقہ کی لونڈی گھر میں موجود تھی تو آپ کی اماں جان کو بہو بیاہ کر لانے کی کیا ضرورت تھی وہ تو ایسا گھر کرتی کہ کیا کہی۔ سنئے مولوی صاحب حکیم صاحب میر صاحب یا تو اس گھر میں بی ہنسا کہ ہی رہیں گی یا میں ہی رہوں گی اسی دم اسے کھڑے کھڑے نکالو نہیں مجھے اجازت دو میں اپنے میکے چلی جاؤں مجھ سے چھاتی پہ مونگ نہیں دلوائے جائیں گے اوتھو کا دم نیچے کا نیچے اور اوپر کا اوپر تھا اُسے سوائے اسکے اور کچھ نہ سوجھی کہ بیوی کے سامنے قسمیں کھائے حلف اُٹھایا کہ میں ہنسا کہ کو اپنی سگی بہن کے برابر جانتا ہوں اور وہ بھی بڑی پارسا لڑکی ہے تم کچھ وہم نہ کرو صرف بات یہ ہے

کہ وہ حافظہ کی اچھی ہے اُسے میری سینکڑوں نظمیں اور نثریں یاد ہیں وہ اُسی خوش آوازی کے ساتھ پڑھ کر سناتی ہے تو میرا دل خوش ہو جاتا ہے اور اگر تمہاری مرضی اُس کے رکھنے کی نہیں ہے تو میں اماں جان سے کہے دیتا ہوں وہ کچھ اُس کا سوجھتا کر دیں گی۔

حیدری بیگم ۔ سوجھتا کسے کہتے ہیں اسی وقت گھر سے نکال باہر کر دیا ڈولی منگا دو میں چلی جاؤں۔ راج ہٹ تریا ہٹ بالک ہٹ مشہور ہے اوتھر کی اور اوتھر کی ماں کی کچھ نہ چلی دن کے ۱۲ بجے چلچلاتی دھوپ میں جب چیل انڈا چھوڑتی ہے ہنسکھ گھر سے نکالی گئی اوتھر کی ماں نے چلتے وقت اُسے دس روپیہ دیئے اور رو کر کہا ہنسکھ میرے گھر میں تیرا دانہ پانی اتنا ہی تھا میں تو تجھے عمر بھر دہلیز نہ لانگھنے دیتی مگر بہو بیگم کے مزاج سے ڈرتی ہوں وہ خدا رکھے میاں کی لاڈلی ہیں اور اُس کا میاں میرا لاڈلا ہے مجھے اُن کا دل دکھانا منظور نہیں ہے ہنسکھ دھاروں روتی ہوئی برقع اوڑھ کر اوتھر کے گھر سے نکل گئی اوتھر بہانہ کر کے حویلی سے دیوانخانہ میں آیا ہنسکھ کو اشارہ سے بلایا کمرہ میں لیجا کر تین ساورن اور پانچ روپیہ جیب سے نکال کر اُسے دیئے اور کہا ہنسکھ مجھے تیرے ساتھ دلی الفت ہے مگر کیا کروں مجبور ہوں بیگم مفت خدا میں مجھ سے تجھ سے بدگمان ہوئیں ہیں اگر اس وقت تجھے روک لوں تو وہ جھوٹ سچ ہو جائے سسرال تک ناحق کی رسوائی اور بدنامی ہو پچاس روپیہ جو میں نے تجھے دیئے ہیں انسے تو اپنا کچھ سوجھتا کر اور جس محلہ میں تیرا جی چاہے وہاں گھر لیکر رہ میں تجھے خرچ دیتا رہونگا۔

ہنسکھ ۔ حضور اس میں نہ آپ کا قصور ہے نہ چھوٹی بیگم کی خطا میری قسمت

میں بھی لکھا تھا اگر حضور آپ کے گھر سے نکل کریں دلّی میں ہرگز نہ رہوں گی جدھر میرا منہ اُٹھ جائیگا نکل جاؤنگی۔

اودھر- اچھا تیری خوشی مگر تو جس شہر جس قصبہ میں پہنچی مجھے لکھنا میں تجھے وہیں خرچ بھیجوں گا۔

ہنسمکھ اودھر کے قدموں سے لپٹ گئی اور اُس کے پاؤں کو بوسہ دیکر روتی بیٹتی چلی گئی اور پھر کبھی اُسے کسی نے دلی میں نہ دیکھا ہنسمکھ کو نکال کر حیدری بیگم کے کلیجہ میں ٹھنڈک پڑگئی اور اب انہیں اودھر کیساتھ تعشق کی نوبت پہنچ گئی- اگر کسی امیر رئیس کے معالجہ کے لئے اودھر بلایا ہوا کہیں باہر جاتا تو حیدری بیگم کا کھانا پینا چھوٹ جانا میاں کی جدائی میں مچھلی کی طرح تڑپتی رہتی خط پر خط بھیجتے کہ اچھی آپ دلّی جلدی آئیے آپ کے بغیر گھر سونا دکھائی دیتا ہے مجھے جینا دوبھر ہوگیا ہے ؎

زنے خوب و فرماں بر و پارسا
کند مرد درویش را بادشا

حیدری بیگم کے سلیقہ اور لیاقت اور پارسائی نے اودھر کو موہ لیا تھا- وہ بھی اُس کا دم بھرتا تھا اور اُس کے پاس بیٹھے رہنے کو جنت الفردوس کا عیش جانتا تھا اسی طرح زمانہ دور نکل آیا حیدری بیگم کی کوکھ سے چار بچے پیدا ہوئے جو گل رو اور گلبدن تھے حیدری دہان پان سے آدمی تھی تار بر لوٹ خدا رکھے چار بچوں کے ہونے سے وہ سوکھ کر کانٹا ہوگئی اور اُسے دھڑکن کا آزار ہوگیا بھوک تھک گئی وحشت بڑھ گئی اور ایک وقت صرف موتیوں کا خمیرہ اور ایک وقت یاقوتی کھا کر جیتی تھی اودھر ایک سیٹھ کے علاج کیلئے راجپوتانہ گیا ہوا تھا جو اُس کے پیچھے حیدری بیگم کو دھڑکن کا دورا پڑا

دُبلی پتلی نازنین نازک مزاج اور وقت بھی آن ہی پہنچا تھا ایک آہ کے ساتھ اُس کا دم نکل گیا اوتھر کے پاس تار پہنچا اور اُس نے چوتھے دن آکر محبوبہ بیوی کی قبر پر فاتحہ پڑھی لوگ کہتے ہیں بیوی کی موت اور کُہنی کی چوٹ برابر ہے مگر ہم نے تو اوتھر کو حیدری کے مرنے کے بعد ساری عمر بیچین ہی دیکھا جس وقت وہ کوئی اپنی تصنیف پڑھتا - تو اُس کی ایک آنکھ ساون اور ایک بھادوں بن جاتی کیونکہ اُسے لائق بیوی یاد آجاتی جو اُسے داد دیا کرتی تھی اور چھیڑ چھاڑ کیا کرتی تھی نیز وہ تو جوان آدمی اور عاقل شخص تھا جو کچھ گذرتی تھی اُسے جھیل جاتا تھا مگر اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے جب حیدری کو یاد کرتے اور روتے تو پتھر کا زہرہ آب ہوتا تھا اور سُننے والوں کا کلیجہ پھٹتا تھا ایک لڑکی اُس نے چار برس کی چھوڑی تھی اُس کا بیان خدا نہ سنوائے جب وہ ماں کو یاد کرکے مچلتی تو تڑپتے مچلتے بیہوش ہو جاتی اُس کے بہلانے کے لئے یہ کہدیا تھا تمہاری اماں جان مری نہیں ہیں مکہ مدینہ حج کرنے گئی ہیں جب حج کرلیں گی تو آجائیں گی۔ جب اوتھر گھر میں آتا تو وہ معصومہ باپ کی ٹانگوں سے لپٹ جاتی اور توتلی زبان سے کہتی اچھے میرے ابا جان میں واری گئی ڈولی بھیج کر اماں جان کو مکہ مدینہ سے بُلا لیجئے اُن بغیر تو بھئی نگوڑے گھر میں ہمارا تو جی بھی نہیں لگتا ہے حج کرنے ایسی گئی ہیں کہ پلٹنے کا نام ہی نہیں لیتیں آجائیں. ذرا دیکھنا بیوی سے کیسی لڑتی ہوں ان بھولی باتوں کو سنکر اوتھر ناشاد کا دل پارا پارا ہو جاتا تا آنسو پونچھ کر اُسے بہلا دیتا ایک دن اوتھر گھر میں آیا تو وہ لڑکی کہنے لگی ابا جان. اکائی بھائی کہتے ہیں اماں جان مکہ مدینہ نہیں گئی ہیں وہ تو اللہ کے گھر

ہمھاری آپ انہیں سمجھا دیجئے بُری فالیں منہ سے نہ نکالا کریں میرا دل دکھتا ہے ایک دن کوئی برقعہ والی گھر میں گُھس آئی اور کہنے لگی میں حجن ہوں مکہ مدینہ سے چلی آتی ہوں خدا کی راہ پر کچھ دو بھولی بچی بلک کر اُس سے کہنے لگی اچھی بی حجن تمہیں ہماری اماں جان بھی ملی تھیں۔

بمبئی کے قریب پورب کی طرف سمندر کے کنارہ پر آصف آباد قدیمی شہر ہے جس کا بادشاہی باغ اور باغ کی اگلے زمانہ کی بنائی ہوئی بادشاہوں کی عمارتیں قابل دید اور مشہور ہیں ان عمارتوں کے نیچے سمندر لہریں مارا کرتا ہے اس شہر کی آب وہوا کے ڈاکٹر اور حکیم بڑے مداح ہیں احاطہ بمبئی کے اکثر بیمار رئیس اور دولتمند یہاں آکر رہتے ہیں اور اچھے ہوکر خوش خوش اپنے گھروں کو جاتے ہیں چاند کی چودھویں تاریخ کو اس شاہی باغ میں رات کے وقت سارے آصف آباد کے عورت مرد امنڈ کر چلے آتے ہیں کیونکہ چاندنی کی سیر ان عمارتوں کے اندر بیٹھ کر سمندر کے سطح پر طرفہ بہار دکھاتی ہے اس باغ کے پھاٹک رات کے دو بجے تک کھلے رہتے ہیں اور کسی کے آنے جانے کی روک ٹوک نہیں ہوتی ہے باغ سے پچاس قدم کے فاصلہ پر سمندر کے کنارہ پر ایک انگریزی فیشن کی چھوٹی سی کوٹھی بنی ہوئی ہے جس کا آدھا حصہ مردانہ اور آدھا حصہ زنانہ ہے جو خاص علامت مسلمانوں کی بسنے کی ہے مردانہ حصہ سے ہمیں سروکار نہیں ہے مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زنانہ حصہ میں چار کمرہ ہیں ایک خوابگاہ کا ایک لائبریری کا ایک کھانا کا ایک ملاقات کا۔ ملاقات کے کمرہ کی دیوار پر ولایتی قلم کا سنہری کاغذ منڈھا ہوا ہے اور پیرس

کی بنی ہوئی دیوار گیریوں سے اُن کا حسن دوبالا ہو رہا ہے چھت میں اسٹریلیا کے نگین جھاڑ لٹکے ہوئے ہیں اور اُن کے آویزہ اور قلموں کی جھلک طلسمات دکھا رہی ہے کمرہ میں ایک ڈال خوش رنگ قیمتی کارپٹ کا فرش ہے بیچ کمرہ میں بڑی ساری ٹیبل سنگ مرمر کی رکھی ہوئی ہے اور اُس پر سنہری گلدان اور گلدانوں میں تروتازہ گلدستہ رکھے ہوئے ہیں اور ٹیبل کے چاروں طرف لیڈیز کرسیاں پھولدار سرخ مخمل سے منڈھی ہوئی بچھی ہوئی ہیں اور بیچ کرسی پر ایک نازنین پری چہرہ کامنی جیسی دُبلی پتلی ۲۴ برس کے سن کی پیازی ریشمین ململ کا ہلکا دوپٹہ اوڑھے ہوئے گلے میں ریشمین سبز قمیص اور قمیص پر سیاہ مخمل کا شانی کی واسکٹ پہنے ہوئے ہے جس میں آگے سونے کی جڑاؤ بٹن کھینچے تنے لگی ہوئی ہیں اور پیٹھ کے پیچھے بکسوا بھی والیسکوٹ کا کسا ہوا ہے کیونکہ احتیاط شرط ہے سینہ کے نازک کا جو بہو جو گلاس کے قمقموں کو ٹھیس لگ جائے اور کیا سے کیا ہو جاوے ٹانگوں میں اطلس کا پائجامہ سایہ کے فیشن سے ملتا جلتا ہے اور پاؤں میں ولایتی سیاہ رنگ کا لیڈیز بوٹ ہے جو قیمت میں بیس روپیہ سے کم کا نہ ہوگا پونچہ پر سونے کی ننی سی گھڑی سونے کی ہی زنجیر میں بندی ہوئی ہے کانوں میں زمرد کے دو بندے ہیں اور ہاتھ کی انگلی میں یاقوت کی انگوٹھی ہے۔ کمر چھلہ سے بھی کچھ پتلی ہے مگر کولے کسی قدر بھاری ہیں جو نازنہ حسن کے لئے درکار ہیں پیازی دوپٹہ کے اندر گورا چٹا چہرا گلاب کی کلی کو شرمندہ کر رہا ہے کمرہ کے دروازوں پر باہر کی طرف چقیں پڑی ہوئی ہیں جو جاپان کی کاریگری کا اعلےٰ نمونہ ہیں اور اُن کی تیلیوں پر کوہستان اور مرغزار اور سبزہ زار اور پرندوں کی قطار جلوہ

وے رہی ہے اندر کی جانب ولائتی گلشن کے سبز پردہ لٹک رہے ہیں۔ جو بہشت بریں کی حوروں کے لباس کو یاد دلا رہے ہیں ناگہاں چق سرکی اور ہلکا پردہ اُٹھا کر ایک نرس اندر آئی اور سلام کر کے کہنے لگی حجور (حضور) کل والی عورت جو نواب بیگم کی کوٹھی پر ملی تھی حاجر ہے۔

نازنین۔ اُن ہیں اُسے بلا آئی تھی اُسے اندر لے آؤ نرس سلام کر کے کمرہ سے باہر گئی اور دو منٹ بعد ایک عورت سفید برقعہ بغل میں دبائے جس کی عمر ۲۸ سال سے زیادہ نہ ہوگی کمرہ میں داخل ہوئی اور نازنین کو جھک کر آداب بجالائی یہ عورت بہت سرخ و سفید تو نہ تھی مگر جوانی اور شباب کے زور شور نے اُسکے سراپا کو نمکین بنا رکھا تھا اُس کے قدم اُٹھانے میں بھی ایک دلربائی پیدا ہوتی تھی اُس کی دونوں آنکھیں شراب کے دو پیالے تھے جن کے دیکھنے سے آدمی مست ہو جاتا تھا سر پر آب رواں کا سفید دوپٹہ گلے میں سفید کرتہ اور سفید ہی لٹھہ کی براق تہ پوشی[1] پہنے ہوئی تھی پاؤں میں مخمل کی سلیم شاہی کامدار جوتی تھی۔

نازنین۔ آؤ بی دلی والی دیکھو سامنے والی آبنوس کی کرسی پر بیٹھ جاؤ

دلی والی عورت آداب بجالائی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

نازنین۔ بوا کل آیا نواب بیگم کے بچوں کی چیخ دھاڑ اور ہول جول میں تمہارا نام پوچھنا بھول گئی۔

دلی والی۔ جناب عالی آپ کی اس لونڈی کا نام ہنسکھ ہے۔

نازنین۔ بی ہنسکھ تم نے دلی کیوں چھوڑی۔

ہنسکھ۔ میرزا نوشہ فرماتے ہیں ؎

ہے اب اس معمورے میں قحط غم الفت اسدؔ
ہم نے مانا کہ دلی میں رہیں کھائینگے کیا

[1] تہ پوشی دلی کی عورتیں پاجامہ کو کہتی ہیں ۱۲

یہ پیٹ کلمنوا گھر در شہر ملک سب کچھ چھڑا دیتا ہے اور اس کیساتھ ہی ہنسکھ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

نازنین۔ ہاں بوا تم سچ کہتی ہو ہم بھی اودھ کے رہنے والے ہیں مگر دانہ پانی یہاں کھینچ لایا ابا جان ڈپٹی کلکٹر ہو کر ادھر تشریف لائے اُن کے کارن اماں جان کو یہاں آنا پڑا اماں جان آئیں تو ہم سب بہن بھائی اُن کیساتھ آئے بہن بڑے بلے اور چھوٹی بہن تو میری پیدا ابھی نہیں ہوئی میں ابھی اچھی طرح سیانی بھی نہ ہوئی تھی جو تقدیر نے یہاں رہنے کا سامان ایک اور پیدا کر دیا خدا رکھے وہ (شوہر سے مراد ہے) چھوٹی سی عمر میں افسر بنا کر ادھر بھیجے گئے یہیں منگنی ہوئی یہیں بیاہ ہوا ہمیں یاد بھی نہیں اودھ کیسا ہے اور کہاں بستا ہے اچھا بی ہنسکھ سچ بتاؤ تم ہمارے پاس رہو گی۔

ہنسکھ۔ بیگم آپ رکھیں گی تو لونڈی کیوں نہ رہے گی۔

نازنین۔ اچھا بی ہنسکھ شرع میں شرم نہیں مسئلہ میں عیب نہیں ایں کس قدر پہننہ اور کھانا تمہیں دے سکتی ہوں اگر تمہارا جی ٹھکے تو میرے پاس رہو ماشاءاللہ نوکریں تو میرے محل میں اس وقت درجن بھر موجود ہیں مجھے تمہیں کسی کام کے لئے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے میں تمہیں دلی والی اور صاحب تمیز سمجھ کر اپنا دل بہلانے کے لئے رکھتی ہوں تمہاری میٹھی بول چال اور تمہارے لطیفے مجھے بھا گئے ہیں تم میرے پاس بیٹھی رہو اور اپنی دلی کی اچھی اچھی اور ستھری ستھری باتیں سنایا کرو۔

ہنسکھ۔ آداب بجا لا کر حضور جب قدر دانی سے مجھے رکھتی ہیں تو یہ کنیز بھی رہنے کے لئے دل و جان سے حاضر ہے جناب عالی آدمی کا کام پیارا ہے چام پیارا نہیں ہے جو کچھ خدمت آپ مجھ سے لیں گے خدا اچھا ہے۔ تو

بہت سلیقہ سے کرونگی اور جو کچھ مجھے دلّی کی باتیں یاد ہیں وہ بھی عرض کرتی رہونگی۔

اب تو ناظرین مخزن جان گئے ہونگے کہ یہ وہی ہنسکمہ چھوکری ہے جسے اوختر کی ہٹیلی بیوی نے بدگمان ہو کر گھر سے نکلوا دیا تھا وہ دھکا کھاتی پیر بنتی آصف آباد آگئی اور نازنین کی مصاحب ہو گئی یہ نازنین فارسی اردو اور خاصکر انگریزی زبان میں قابل تھی پرشیئن لیڈیز اور یوروپین لیڈیز میں بیٹھ کر اس لب ولہجہ کے ساتھ انگلش بولتی کہ وہ حیران ہو جاتیں اور ہنسکر کہتیں بیگم تم تو لندن میں کسی کونٹ یا کسی ڈیوک یا کسی مارکوئیس کے گھر میں پیدا ہوتیں تو تمہاری قدر ہوتی اور اُس وقت تمہارے جوہر کھلتے الغرض بیگم ہنسکمہ کی باتوں پر لوٹ ہو گئیں اور ہنسکمہ اُن کی مصاحب بن بیٹھی ہنسکمہ کی باتیں دراصل اوختر کی باتیں تھیں اور اوختر کا تیس برس کا کلام اُس کی زبان پر تھا وہ مضامین کے علاوہ اوختر کی پُرجوش قصیدہ اور پُراثر غزلیں اور دلآویز رباعیاں اوختر ہی کے انداز میں بیگم کو سناتی تو بیگم دنگ ہو جاتی اور اسی طرح چند روز میں اوختر کے کلام کا اثر بیگم کے دل میں کالے سانپ کے زہر کی طرح دوڑ گیا بھولی بھالی امیرزادی اوختر کی لائف سن کر حیران ہو گئی اور اُس کے دل میں ایک کرب اور درد پیدا ہوا وہ ہنسکمہ سے کھود کھود کر اور کرید کرید کر اوختر کے حالات پوچھتی اور جس قدر اُسے اوختر کے خاندانی اور ذاتی واقعات معلوم ہوتے اُسکا اشتیاق دن دونا اور رات سوایا ہوتا اُس نے چند روز میں ہنسکمہ سے اوختر کا خاندانی نام پتہ حسب نسب رتی رتی پوچھ لیا اور اس لیاقت سے پوچھا کہ ہنسکمہ کو اس چھان بین سے کچھ بدگمانی بھی نہ ہوئی اوختر کے خیال سے بیگم کے

دماغ میں جب سکہ بٹھا لیا تو اُسے یہ آرزو ہوئی کہ اوتھر سے خط کتابت کرنی چاہئیے اور اُس سے نئی تصانیف منگوا کر پڑھنی چاہئیے مگر ساتھ ہی اُسکے دل نے کہا ایسا نہو کسی کو اس خط و کتابت کی خبر ہو جائے اور لوگ مجھ پر تہمت تراشیں پھر اپنے دل کو اُس نے آپ ہی جواب دیا خط و کتابت میں کیا ہرج ہے میرے جی میں دشمنوں دور پار کوئی بُرا وسوسہ تو ہے ہی نہیں پھر ڈر کیسا آخر مرے ہوئے شاعروں کا کلام بھی تو ہم پڑھتے ہیں اگر کسی جیتے شاعر کا کلام اس سے مانگ کر پڑھا تو کیا گناہ ہو گیا آخر کار اُس سے نہ رہا گیا اور اُس نے ایک خط اوتھر کے نام چپکے سے لکھ کر ڈاک میں دلی بھیج دیا وہ خط بعینہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

آصف آباد احاطہ بمبئی تاریخ ماہ سنہ

جناب من تسلیم

آپکا کلام ہنسمکھ کی زبانی سنکر مجھے مجبور کر رہا ہے اور باعث ہوا ہے کہ میں آپ کو خط لکھوں کیا میں امید کر سکتی ہوں اس بات کی کہ آپ میری اس جسارت اور تکلیف دہی کو معاف کر کے مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو کچھ لکھوں اور خواہش ظاہر کروں کہ آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دوں میں نے کئی قیمتی مضامین آپ کے ہنسمکھ کی زبانی بڑے شوق سے سُنے ہیں گو ہنسمکھ دلی کی رہنے والی ہے اور اُسے غیر لوگوں کی مضامین اور نظم و نثر بھی یاد ہیں مگر میں اُس سے صرف آپ کے ہی قابل قدر مضامین اور اشعار سنتی ہوں آپ کے فلاں فلاں مضمون اور فلاں فلاں غزلیں بہت ہی دلچسپ ہیں فلاں ناول اس قدر دلچسپ اور تاریخی رنگ میں رنگا ہوا ہے کہ پہروں اُس کے مطالعہ سے طبیعت نہیں اُکتاتی دلی کی پیاری بولی

کا لکھنا تو آپ کا ہی کام ہے اور بیگمات کی بول چال میں تو درحقیقت آپنے کمال کیا ہے امید ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے دیکھنے کے اپنی گراں قدر مضامین سے مجھے ہمیشہ محظوظ فرمائیں گے والسلام۔

رقیمہ:۔ حیدری بیگم

حیدری بیگم کا یہ خط جس وقت دلی پہنچا اوتھر اُس وقت اپنے مکان پر نہ تھا چاندنی چوک گیا ہوا تھا اور وہ خط اوتھر کے بچہ کے ہاتھ لگا۔ جس کی عمر دس برس سے کچھ کم تھی مگر وہ اردو فرفر پڑھتا تھا بچہ کو چکنا چکنا لفافہ اور صاف صاف پتہ لکھا ہوا اُس کی نگاہ کو اچھا معلوم ہوا۔ اور اُس نے لفافہ پھاڑ کر خط پڑھنا شروع کیا پڑھتے پڑھتے اُس کی نظر سے گزرا رقیمہ حیدری بیگم تو بچہ اچھل پڑا کیونکہ اُس کی ماں یعنی اوتھر کی بیوی کا نام بھی حیدری بیگم ہی تھا بھولے بچہ کو یقین ہوگیا کہ میری ماں مری نہیں ہیں اور سچ مچ مکہ مدینہ گئی ہیں اور اباجان کے نام انہوں نے خط بھیجا ہے لڑکے نے وہ خط گھر میں کسی کو دکھایا تک نہیں اور کسی جائے احتیاط کے ساتھ چھپا کر رکھ چھوڑا جب اوتھر گھر میں آیا اور اپنے کتبخانہ میں جاکر بیٹھا تو ناداں بچہ اُس کے پاس جاکر کہنے لگا۔ کیوں بھئی اباجان ہم آپ کو ایک خوشی کی بات سنائیں تو آپ ہمیں کیا دیں گے۔

اوتھر۔ بھئی جب تک ہماری سمجھ میں نہ آئے تو کیا کہیں کیا دینگے۔

بچہ۔ اباجان اللہ جانتا ہے بڑی خوشی کی بات ہے آپ وہ بات سنینگے تو پھولے نہ سمائیں گے۔

اوتھر۔ اگر سچ مچ وہ ایسی ہی خوشی کی بات ہے تو جو تم کہوگے وہی دینگے مگر جلدی بتاؤ کیا بات ہے۔

بچہ۔ ہماری اماں جان مری نہیں ہیں سچ مچ مکہ مدینہ گئی ہیں آج انہوں نے خط بھیجا ہے۔

اوتھر۔ (لڑکے کی نادانی پر ہنس کر) بھئی وہ خط کون لایا اور کہاں ہے

بچہ۔ بھئی لاتا کون ڈاک میں آیا ہے

اوتھر۔ اچھا تو ہمیں وہ خط دکھاؤ لڑکے نے حیدری بیگم کا خط اپنی جیب سے نکال کر باپ کے حوالہ کیا اوتھر نے اُسے پڑھا اور جب اُس نے لکھا دیکھا رقیمہ حیدری بیگم تو اسی اپنی لائقہ بیوی یاد آگئی اور بچہ کی اس بھولی بات پر اُسے بے اختیار رونا آگیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر حیدری بیگم کے خط پر گرنے لگے اوتھر نے بچہ کو یہ کہکر بہلا دیا کیوں ہم نہ کہا کرتے تھے کہ بیٹا تم اپنی اماں جان کے لئے رویا نہ کرو اُن کا انتقال نہیں ہوا ہے وہ مکہ مدینہ حج کرنے گئی ہیں اور اصل خیر سے ایک دن دلی لپٹ کر آجائیگی لو مبارک ہو اب تمہاری اماں جان کا خط آگیا اور تم نے خود پڑھ لیا اب تم اُنہیں یاد کرکے رونا نہیں اور ہنسی خوشی اسکول جانا اوتھر نادان بچہ نہ تھا وہ سمجھ گیا کہ یہ بیگم میری بیوی کے ہمنام ہیں اور آدمی ہیں لکھے پڑھے خدا کی خدائی میں ایک نام کے ہزاروں انسان ہوا کرتے ہیں ہنسکھ سے میرا کلام سنکر میری تصانیف کی مشتاق ہوگئی ہیں اور اسی کے کارن مجھے خط لکھا ہے مگر دل اوتھر کا اُس کے بچہ سے بھی کہیں بودا تھا اُس کے رگ وپے میں حیدری بیگم مرحومہ کا عشق سمایا ہوا تھا اس نئی حیدری بیگم کی تحریر دیکھ کر اُسے یہ سودا پیدا ہوا۔ (ناتمام)

حررہ فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی از شہر دہلی محلہ رودگران مدرسہ ارادتمند خان مکان میر ظریف صاحب مرحوم

مریخ میں شب فرقت

مراقبہ کے دلچسپ مکاشفات

۱۲-اپریل ۱۹۱۴ء- رات کے ۳ بجے ایک بیقرار فقیر چیڑ کی بنی ہوئی صاف چوکی پر گردن جھکائے- اور آدھی روشنی کے ستان چاند کی نازک شعاعوں سے جی لگائے اپنے طریقہ کے کسی شغل میں مشغول تھا جس طرح نقشہ نگار بار بار اس چیز کو دیکھتا ہے جس کی تصویر بنانی ہوتی ہے اسی طرح یہ فقیر بھی رات کے سناٹے میں جبکہ ساری دنیا سوتی تھی فلک کے سیاروں کو خصوصاً سولھویں شب کے چاند کو دیکھ رہا تھا- دیکھتے دیکھتے تصور و تخیل کو یکسوئی آتی نظر آئی اور دماغ کے کارندوں نے چاروں طرف پردے ڈالنے شروع کئے- تاکہ مطلوب کے سوا کوئی غیر خانۂ فکر میں باقی نہ رہے-

جب ہر جانب سے علیحدگی ہوگئی تو فکر ذہن مریخ کی جانب عازم ہوا اور بہت تیزی کے ساتھ اس کے اندر گھس کر مشاہدات کرنے لگا-

پہلا مکاشفہ

فقیر کے مراتب فکر کو پہلا مکاشفہ مریخ کے شمالی گوشہ میں یہ ہوا- کہ برقی لہروں کے ذرے ایک دائرہ پر گر رہے ہیں- ہر ذرہ نغمہ گاتا ہوا آتا ہے اور دائرہ میں جا کر فنا ہو جاتا ہے-

دوسرا مکاشفہ

فکر نے چاہا کہ دائرہ کے اندر جائے مگر اس کی حرکت بہت تیز تھی۔ وہاں تک رسائی نہ ہو سکی تو وہ پلٹا اور غربی گوشہ کو دیکھنے لگا۔ وہاں ایک پانچ برس کی لڑکی دل پر ہاتھ رکھے مشرق کی جانب حسرت و یاس سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا قد و قامت زمین کی لڑکیوں سے بڑا تھا وہ سترہ برس کی معلوم ہوتی تھی۔ مگر مراقب فکر کو القا ہوا کہ مریخ کی حرارت یہاں کے باشندوں کو پانچ برس کی عمر میں بالغ کر دیتی ہے۔ یہ لڑکی پانچ برس کی ہے اور اپنے محبوب کی یاد میں بے قرار ہے۔ جو مشرق میں رہتا ہے۔

فکر فقیر نے لڑکی کے ہفت رنگی قمیص کا دامن پکڑا مگر وہ ہاتھ میں نہ آیا کیونکہ وہ برقی اجزا سے بنا ہوا تھا۔ لڑکی نے آنسوؤں سے لبریز مخمور آنکھوں کو فکر فقیر کی جانب اٹھایا اور قیامت خیز نگاہیں ڈال کر کہا۔ خاکستان کے باشندے مجکو نہ چھیڑ۔ میرا پیارا تصور ہاتھ سے جاتا رہیگا۔

اس مشرقی دلدار نے مجھ سے وفا کا عہد باندھا تھا۔ چمن کہربائی کی سیر میرے بغیر نہ کرتا تھا میں بھی برقی جھولے میں اسکے بغیر نہ جھولتی تھی اس کو میرے پہلو میں قرار آتا تھا۔ میں اس کی قربت میں تسلی پاتی تھی۔ ۲۳ نومبر ۱۹۱۱ء کو میں ایک کام کے لئے برقی ریل میں کہیں گئی تھی۔ میرے بعد اس کو دشمن کے کہنے سے میری نسبت ناروا شک ہوا اور اس نے اسی دشمن کو اپنا ہم نشین بنا لیا۔ جب میں واپس آئی تو مطلوب کی چتون کو اپنے سے پھرا ہوا پایا۔ مجکو اس نامفہوم بات سے بیکلی تھی۔ اور سمجھتی نہ تھی کہ کیا سبب اس انقلاب کا ہے۔

وشمن خود میرا دست نگر اور محتاج تھا مجھے اس کی نسبت اپنی سادگی سے کچھ شک نہ تھا۔ لیکن مطلوب نے خود کہدیا کہ تم نے فلاں کام خلاف عہد کیا اس واسطے میں نے بھی پیمان وفا کو توڑ دیا۔

میری آنکھوں میں مریخ کی دنیا اندھیر ہوگئی۔ میں نے سچی قسمیں کھائیں اور اس جھوٹی بات کو صاف کیا۔ مطلوب نے فرضی طور سے میری قسموں کا یقین کر لیا اور مجھ سے پھر محبت کا دم بھرنے لگا۔ مگر چپکے ہی چپکے وشمن سے بھی تعلق رکھا اور میرے سامنے جھوٹی قسمیں کھا کر مجکو مطمئن کر دیا۔

کتب واقعات کے معاملہ نے باوجود پکی پکی قسموں کے مجکو مطمئن نہ ہونے دیا۔ ہر چند دل کو سمجھاتی تھی۔ مگر وہ نہ مانتا تھا۔ اور تڑپنا نہ چھوڑتا تھا۔

آخر رفتہ رفتہ مطلوب کے اور بہت سے راز معلوم ہوگئے۔ اور خلاف عہد کارروائیوں کے عقدے کھل گئے۔ اس وقت میرا دل بھی اس سے بیزار ہوگیا۔ مگر دل کے ہاتھوں سے مجبور تھی جو اس خیال سے دست بردار ہونے پر راضی نہ ہوتا تھا۔

یہانتک کہ مطلوب نے دوسری جگہ شادی کری۔ مجھے اس سے ملال نہ تھا کیونکہ میں اس سے صرف محبت کی توقع رکھتی تھی۔ اور کچھ غرض نہ تھی۔ شادی کرتے وقت اس نے پھر اور بہت سے عہد کئے مگر بعد میں سب کو مُکر گیا۔ اب میں جب کبھی اس کے عہد کو یاد دلاتی تو ٹال کر اور باتیں کرنے لگتا۔ یہ رنگ دیکھکر میں نے علیحدگی اختیار کی۔ وہ مشرق میں ہے۔ اور میں مغرب میں یہ فرقت کی شب کاٹ رہی ہوں۔ روتی ہوں۔ دعمیاں مانگ ذہوں۔ دعائیں مانگتی ہوں کہ یہ خیال جی سے دور ہوجائے مگر نہیں ہوتا۔ کل پرانے کاغذات میں ۲۲ نومبر ۱۱ء کی وہ یادداشت نکل آئی جس وا

میں نے سفر کیا تھا اور جسکے دوسرے دن جدائی کی تاریخ شروع سے ہوئی اس تحریر نے مجکو بیخود کردیا۔ اس وقت سے ابتک اسی خیال میں ہوں۔

فکر فقیر نے کہا۔ نومبر ۱۹۱۰ء تو زمین پر تھا کیا مریخ میں بھی یہی سن و سال ہوتے ہیں۔

اس نے جواب دیا۔ تمہارے سمجھانے کو میں نے کہدیا۔ ورنہ یہاں اور حساب ہے۔

فکر فقیر نے سوال کیا مریخ میں فقط تم عاشق مزاج ہو یا اور بھی یہ طریقہ رکھتے ہیں۔

لڑکی نے ایک عالیشان قصر کی جانب اشارہ کیا فکر فقیر اس کے اندر داخل ہوگیا۔ اور دیکھا خالی محل ہے اور دیواروں میں دوربینیں لگی ہوئی ہیں اس نے ایک دوربین کو دیکھا تو زمین اور اس کی آبادیاں نظر آئیں۔ دوسری کو دیکھا تو مشتری کی بستیاں سامنے تھیں تیسری کو دیکھا تو ایک لوح رکھی تھی جس پر لکھا تھا۔

خدا نے بے شمار سورج پیدا کئے ہیں۔ ہر سورج کیساتھ زمین مریخ مشتری۔ زہرہ قمر وغیرہ سیارے ہیں اور یہ سیاروں میں جن و انس حیوان وچرند و پرند پہاڑ و دریا ہیں۔ نیک و بد ہیں۔ آدم و نوح و ابراہیم و عیسیٰ و موسیٰ و محمد ہیں (علیہم السلام) اور سب ہیں

محبت کا رشتہ

قائم ہے۔ کیونکہ محبت ہی ہر چیز کی ابتدا ہے۔ محبت ہی اس چیز کی زندگانی ہے۔ اور محبت ہی ہر اس چیز کی [illegible] ہے۔ محبت نہ ہو تو [illegible] بے شمار

سورجوں کو پیدا کیا اور ان کے ساتھ سیارے اور سیاروں میں مخلوقات پیدا کی کیونکہ خدا کو ظہور کی آباد بکار میں لطف آتا ہے۔ وہ وصال نصیب عاشق کیا ہم آغوشی سے بھی مسرور ہوتا ہے۔

اسی واسطے اس نے اپنے حسن کے جلووں کو معشوق کے رخسار اور رفتار و گفتار میں بکھیر دیا ہے۔

اس لوح کو دیکھ کر جو تھی دوربین کو بکینے۔ اس کے اندر ایک ایسی چیز تھی کہ فکر فقیر کی آنکھیں گھبرا گئیں۔ اور باقیماندہ دوربینوں کے دیکھے بغیر یہ کہتی ہوئی اور نعرہ مارتی ہوئی نکل آئی۔ کہ

اب نہ کر پردہ۔ کہ او! پردہ نشیں دیکھ لیا

بقلم حسن نظامی

فسانہ

خیالات کا اثر جسم انسان پر

بے آزار مگر خوفناک علمی تجربہ

نقب زنی کی عجیب و غریب سزا

(۱)

"وہ (ا) اور ہم۔ دونوں انسان ہیں۔ قدرت دونوں کو ایک نظر سے دیکھتی ہے۔ ہوا، پانی، گرمی، سردی، اور دیگر وسایل زندگی۔ ہم دونوں کو برابر ملتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے۔ کہ وہ امیر ہیں اور ہم غریب! وہ مرغن اور مچرب غذائیں کھاتے ہیں، اور ہمیں خشک روٹی بھی میسر نہیں آتی! وہ عالیشان محلات اور بنگلوں میں رہتے ہیں۔ ہمیں پولیس پلوں کے نیچے شب باشی سے بھی روکتی ہے۔ اُن کی سواری کے لئے گھوڑے گاڑی

ٹمٹم اور فٹن مہیا ہیں۔ مگر ہمیں ہماری آبلہ پائی زمین پر کبھی قدم نہیں رکھنے دیتی!

تو کیا؟ اُن (!) کی دولت میں ہمارا کچھ حصّہ نہیں؟ —— کیوں نہیں! بلاشک! ہم بھی اُس سے فائدہ اُٹھانے کے اُسی قدر مجاز ہیں جس قدر (!)

محنت، اور ذاتی قابلیت کا معاوضہ روپیہ ہو سکتا ہے! لیکن جبکہ اُن (!) لوگوں نے۔ اس کے لئے اُنگلی تک نہ ہلائی ہو۔ بلکہ وہ محض اتنی بات سے دولتمند بن گئے ہوں۔ کہ وہ ایک امیرانہ گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں! تو اُن کو اُس کی ملکیت کا کوئی حق حاصل نہیں! اگر وہ آج غریب اور مفلس ہو جائیں تو اُن کو کوئی ایک پھوٹی کوڑی کے عوض بھی نہ خریدے۔ پھر اس بے ہنری، اور نالائقی کے ہوتے اُن کو امیر ہونے، اور عیش کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟

اس اثنا میں ایک دوسرا شخص آجاتا ہے۔

آنے والا۔ کہو دوست کس فکر میں بیٹھے ہو! آج تو تم بڑے پریشان نظر آتے ہو! خیر تو ہے مسٹر شارپ؟

شارپ۔ کیا کہیں دوست رچرڈ! ہمارا تو بڑا ہی پتلا حال ہے۔ کئی روز سے کپا نہیں لگا۔ گدھے خشکہ کھاتے ہیں اور عراقی لادے جاتے ہیں۔ میرا بس ہو تو میں اِن (!) کو کچا ہی چبا جاؤں!

رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بڑے جہاز کا مالک ہو گیا ہوں۔ اور لندن کے تمام ڈیوک اور امیر آدمی، میرے جہاز پر سوار ہیں۔ اور جب جہاز سمندر کے بیچوں بیچ پہنچا ہے تو میں نے اُس میں خود اپنے ہاتھ سے

سوراخ کرکے اُسے غرق کر دیا ہے۔ مگر میں تیر کر نکل آیا۔ اور پھر لندن پہنچ کر کئی امیروں کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر لے آیا ہوں! اتنے کہ میں بڑا امیر کبیر بن گیا ہوں۔ اِس کے بعد میں نے تمام شہر کے غریب اور بھوکے لوگوں کو جمع کرکے اُن کی خوب دعوت کی ہے۔ اور اُن سب کو مالامال کر دیا ہے۔ لیکن جب وہ صبح کو اپنے بستر سے اُٹھا تو میں نے اپنے آپکو وہی پہلے کی مانند مفلس اور قلاش پایا۔ افسوس!

رچرڈ۔ دوست شارپ خوب! یہ خواب تو اچھا دیکھا کسی نے سچ کہا ہے کہ بلی کو چوہوں کے ہی خواب آتے ہیں! تاہم میں کہہ سکتا ہوں کہ تم کو فائدہ ضرور ہوگا! مگر تم کیوں؟ کاہلوں کے مانند سست پڑے رہتے ہو! کہیں جا کر جال لگاؤ۔ سونے کی چڑیا ضرور پھنسے گی! اور دوست تمہارے ساتھ چلنے کو میں بھی طیار رہوں!

شارپ۔ دوست سچ کہتے ہو! اگر تم میرے ساتھ چلنے کو طیار ہو تو میں بھی ابھی چلنے پر آمادہ ہوں! اور آج موقع بھی خوب ہے کیسی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ ہوا کیسے خراٹے بھر رہی ہے! مگر یار! کوئی خاص موقع بھی تمہاری نظر میں ہے؟ جہاں کہ ہمیں چلنا چاہئے!

رچرڈ۔ کیوں نہیں! یہاں سے قریب ہی ایک ڈاکٹر کا مکان ہے۔ اوّل تو یہ مکان زیادہ وقت بالکل خالی اور سنسان رہتا ہے۔ دوم۔ وہاں دو سے زیادہ آدمی کبھی نہیں دیکھے گئے۔ پس اگر ہاتھا پائی کی بھی نوبت پہنچی تو ہمارے پو بارہ ہیں! کیونکہ ہم ہتھیار بند ہونگے۔ اور وہ نہتے!

شارپ۔ بہت بہتر یہی سہی! مگر کیا اب ہمیں چلنا چاہئے؟

رچرڈ- بیشک چلنا چاہئے! اگر ذرا دو گھونٹ پی لیں- تاکہ ہم میں تازہ روح اور جرأت پیدا ہو جائے-

شارپ- بہت بہتر! چلو چلیں!

(۲)

اس وقت کوئی دو بجے ہونگے! رات، کسی بدنصیب انسان کی قسمت کی مانند بالکل تاریک ہے! چاند کبھی کا چھپ گیا! ایک دو ستارے ٹمٹما رہے ہیں! مگر فضول! روشنی اُن میں نام کو نہیں! مغربی ہوا خوب زور سے سن سن چل رہی ہے- جس کے سناٹے میں ہر قسم کی آوازیں- ڈوبی جاتی ہیں!

دو آدمی، جو ازسرتاپا، سیاہ لباس میں ملبوس ہیں- چوروں کی مانند دبے پاؤں چلے آرہے ہیں! آخر وہ ایک مکان کے قریب آکر ٹھٹھکے! اور اُس کے دہنے بازو کی دیوار پر ریشمین رسوں کا زینہ (کمند) لگا کر ایک کھڑکی تک جا پہنچے! اس کے ایک شیشہ پر قلم ہیرے سے خط کھینچا شیشہ ہاتھ میں آگیا- اب ہاتھ ڈال کر کھڑکی کھول لی گئی- یعنی اُس کی اندر کی چٹخنیاں اُتاری گئیں! اور یہ اندر داخل ہوئے- جہاں بالکل سناٹا تھا اب مکان کی جھلملیاں نہایت خاموشی اور احتیاط کے ساتھ بند کرلی گئیں! اور ان نقب زنوں نے اپنی جیب سے لالٹین نکال کر روشنی کی-

چوروں نے معلوم کیا کہ وہ ایک مقفل کمرہ کے اندر ہیں- جس میں

مختلف قسم کا اسباب بھرا ہوا ہے۔ اب اِن لوگوں نے دل میں طے کیا کہ وہ نیچے کے کمرہ میں کسی طرح پہنچ جائیں۔ کیونکہ اس بالائی کمرہ میں زیادہ قیمتی اسباب نہ تھا۔ اور انہیں توقع تھی کہ کمرۂ زیرین میں نقدی اور قیمتی اشیاء دستیاب ہونگی! انہوں نے قفل توڑا اور براہ زینہ نیچے اُترنے کا ارادہ کیا۔ انہیں نیچے کے کمرہ میں سونے والوں کے جاگنے کی ہرگز توقع نہ تھی! لیکن یہ جونہیں اُترنے لگے تو نیچے کے کمرہ میں روشنی کی ہلکی شعاعیں دیکھ کر سخت حیران رہ گئے۔ انہوں نے معاً ارادہ کیا کہ بھاگ کھڑے ہوں! مگر رچرڈ نے اپنے رفیق شارپ سے کہا کہ اس قدر بزدلی کا اظہار ہی نہیں! ہمیں سینہ زوری سے بھی کمرہ میں داخل ہونا چاہئیے! اور ان لوگوں کی مشکیں کس کے اور اُن کو دھمکا کر ضروری اور کارآمد معلومات حاصل کرنی چاہئیں!

یہ تجویز مان لی گئی۔ شارپ نے نہایت ہوشیاری کیساتھ اپنے لالٹین کی روشنی کو کمرہ کے ہر گوشہ تک پہنچایا۔ اس اثنا میں اسے فرش زمین سے سات فٹ بلند ایک تار نظر آیا۔ جو اُس دروازہ میں سے آیا تھا جس کو یہ کھولنا چاہتے تھے۔ اُس نے اشارہ سے اسے رچرڈ کو دکھایا۔ اور کہا کہ ممکن ہے یہ تار کسی گھنٹی سے متعلق ہو۔ اسلئے اسے کاٹ دینا چاہئیے! تاکہ اِس کے ذریعہ سے نقصان نہ پہنچ سکے!

لالٹین کو زمین پر رکھدیا۔ رچرڈ نے جیب سے قینچی نکالی لیکن شارپ نے جونہی تار کو ہاتھ لگایا۔ وہ فوراً دھم سے زمین پر آ رہا۔ اور بہت سے شر انگیز اور تکلیف دہ تاروں کی اُس کے جسم پر مار پڑنے لگی۔ اس کیساتھ ہی گھنٹی نہایت زور زور سے بجنے لگی! اب رچرڈ یہاں سے غایب تھا!

اور شارپ چاروں جانب نگاہیں دوڑا کر اُسے تلاش کر رہا تھا۔ مگر اُس کا پتہ نہ تھا۔ شارپ خیال کرتا تھا کہ وہ اُس راستہ سے نکل گیا جس سے یہ دونوں آئے تھے۔ مگر یہ عقدہ وہ اپنی زندگی بھر نہ کھول سکا کیونکہ اس واقعہ کے بعد رچرڈ کی اُس نے شکل ہی نہیں دیکھی!

غریب شارپ کی حالت قابل رحم تھی۔ وہ زمین پر گِرا۔ تاروں کی اس کے جسم پر بار پڑتی رہی۔ اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ بلکہ سامنے کی دیوار سے ٹکر کھائی۔ اور تیورا کر گر پڑا۔ اور گرتے ہی بیہوش ہو گیا۔

---

(۳)

نامعلوم وقفہ کے بعد شارپ کو ہوش آیا۔ اُس کے حواس درست ہوئے۔ اور اُس نے گذشتہ واقعات کو یکے بعد دیگرے یاد کر کے اپنی موجودہ خوفناک حالت کو سمجھا۔

اس بات سے تو اُسے چنداں تعجب نہ ہوا کہ وہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے پیشہ کا نتیجہ چھتیس فی صدی اسی قسم کا نکلا کرتا ہے لیکن اُسے حیران کرنے والی بات یہ تھی کہ وہ ایک سنگ مرمر کی میز پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کا جسم میز سے بندھا ہوا تھا۔ وہ بالکل پا بند تھا۔ البتہ اُس کے نیچے ایک خاص قسم کا موم جامہ بچھا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے سر کے اوپر بہت ہی قریب ایک برقی لمپ لٹک رہا تھا جس کی روشنی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ قریب ہی ایک دوسری میز تھی۔ جس پر بوتلیں۔

شیشیاں۔ دوائیں۔ آلات عمل جراحی۔ نہایت چمکدار اور باریک نشتر مختلف قسم کی چھریاں رکھی ہوئی تھیں! کمرہ کے ایک گوشہ میں انسانی ہڈیوں کا پورا ڈھانچ کھڑا تھا۔ نیز کمرہ کے مختلف حصص و مقامات میں اعضائے جسمانی میں مختلف ہڈیاں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ سامنے کی دیوار پر کئی کھوپریوں کی ہڈیاں لگی ہوئی تھیں!

یہ سب سامان دیکھکر غریب شارپ کو معلوم ہو گیا کہ اُسے اس شفاف میز پر کس لئے لٹایا گیا ہے! اور اس کے ساتھ ہی اُسے یقین ہو گیا۔ کہ اُس کے جسم پر عنقریب عمل جراحی ہونے والا ہے!۔ یہ خیال کر کے گویا اُسکے جکڑے ہوئے جسم سے روح پرواز کر گئی۔ ع

کاٹو تو نہ تھا لہو بدن میں

شارپ نے امداد طلب کرنے کی غرض سے شور و غل کرنیکی کوشش کی۔ مگر معلوم ہوا۔ کہ اُس کا منہ باندھ دیا گیا ہے!

اب شارپ کا دماغ ایک دوسرے مسئلہ کی جانب متوجہ ہوا۔ اُس نے دل ہی کہا کہ کیا مجھ پر کوئی ایسا حادثہ گذرا ہے کہ جس کے لئے میرے جسم پر عمل جراحی کی ضرورت ہے؟ اُس نے ہر چند اپنے دماغ پر زور ڈالا۔ مگر کوئی ایسی بات نہ معلوم ہوئی! اس کے بعد اس نے اپنے جسم کے ہر ایک حصّہ کو غور سے دیکھا۔ مگر سب کو صحیح سالم اور تندرست پایا۔ زخم کیا بدن پر سوئی تک چبھنے کا نشان نہ تھا۔ اور یہ دیکھ کر اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی!

بااینہمہ شارپ تقریباً برہنہ میز پر بندھا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں کو مضبوط باندھا گیا تھا۔ اُس کے منہ میں رومال دیدیا گیا تھا۔ اِس لئے

اس بات میں شک کرنے کی گنجائش نہ تھی کہ اس کے جسم پر عمل جراحی ہونے والا تھا۔

ایسی خوفناک اور بے بسی وبیکسی کی حالت میں گرفتار ہونے کے باوجود شارپ کا دماغ برابر کام کر رہا تھا۔ خیالات جولانیاں دکھا رہے تھے چنانچہ اُس کے حافظہ نے اُس کی مدد کی۔ اور اُسے یاد آیا کہ وہ ضلع کے سرجن (جراحی کے ڈاکٹر) کے کمرہ میں ہے۔ جو اس ضلع کی نعشوں کا امتحان کیا کرتا ہے۔ اور اب اُسے بالکل یقین ہوگیا کہ میرے ساتھ مردوں جیسا سلوک کیا جائیگا۔ آہ! میرا جسم مردہ نعش سمجھ کر چیرا جائے گا اس خیال کے آتے ہی وہ باوجود بندھے ہونے کے کانپ اُٹھا۔

(۴)

شارپ کو محسوس ہوا کہ کچھ لوگ برابر والے کمرہ میں سرگوشیاں کر رہے ہیں جن کی تعداد کم ازکم دو ہوسکتی ہے! وہ ہمہ تن اُدھر متوجہ ہوگیا۔ اور اُن کی باتیں سُننے لگا۔

ایک نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب! آپ اصرار نہ کیجئے! یہ آدمی میرے تجربہ کے لئے نہایت موزوں ہے۔ اور آج میں اپنی تھیوری (دلیل) کو از روئے تجربہ ثابت کرسکوں گا!

دوسرے شخص نے جواب میں کہا" بیشک آپکے اس تجربہ سے علمی مخصوصاً طبی دنیا کو بہت بڑا فایدہ پہنچے گا لیکن میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اگر اس شخص کی جان ہمارے ہاتھ سے ضایع ہوگئی تو پھر

کیا ہوگا!

پہلا۔ یہ ناممکن ہے! ہمیں ضرور کامیابی ہوگی۔ اور اگر بفرضِ محال وہ جان بر نہ بھی ہوسکا تو یہ اس کے لئے مبارک امر ہوگا کہ وہ بجائے پھانسی پر لٹکنے اور کتے کی موت مرنے کے سائنس (علم) کی دنیا کا شہید کہلائے گا۔ کیونکہ اگر ہم نے اسے چھوڑ ہی دیا یہ اپنے خطرناک پیشہ کی بدولت جلد یا بدیر ایک نہ ایک دن ضرور پھانسی پر لٹکایا جائیگا۔

یہ سنکر تو گویا شارپ کی آنکھوں کے سامنے مجسم موت آکھڑی ہوئی کیونکہ وہ سمجھ گیا کہ گفتگو اُسی کے متعلق ہے۔ اور کہ یہ تجویز اُسی کی جان لینے والی۔ اگر علم طب کو فایدہ پہنچانے والی ہے۔ تاہم وہ دل میں کہنے لگا کہ اُن کا ارادہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری مرضی کے بغیر میری جان ضائع نہ کریں گے۔ خدا جانے یہ خیال کرنے کے اُس کے پاس کیا وجوہ تھے۔

اب اُن دونوں شخصوں نے پھر گفتگو کا سلسلہ چھیڑا۔ چنانچہ انمیں سے ایک بولا۔

"یہ امر تو مدت سے مسلمہ چلا آتا ہے۔ کہ انسان کی زندگی کا انحصار صرف خون پر ہے۔ بس میں اسی بات کے تحقیقات کرنا چاہتا ہوں! میں کہتا ہوں کہ کوئی شخص صرف خون کی کمی کی وجہ سے نہیں مرسکتا! اور اس کا بارہا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اگر ہم عمدہ غذا اور دیگر وسایل سے جسم کے اندر خون کی کافی مقدار پیدا کرتے رہیں تو عرصہ تک موت سے بچ سکتے ہیں! علاوہ ازیں ہم نے اُس روز اُس کمزور شخص کی [illegible] کیونکہ دوسرے شخص کا خون اُس کی رگوں میں پہنچایا تھا تو وہ کیسا [illegible] اور مضبوط ہوگیا تھا۔ مگر یہ ایک بیہودہ خیال ہے۔ گویا ایک جان

کے لئے دوسری جان لینی پڑتی ہے"۔

دوسرے نے جواب دیا۔

"ہوں! میں ان باتوں کا قائل نہیں! اگرچہ یہ سچ ہے کہ عام طور پر اسے کوئی شخص پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھے گا۔

پہلے نے کہا۔" اگر ہم اس تحریر میں کامیاب ہو گئے۔ تو سائنس (علم) کی دنیا میں ہمیں کیسی عظیم الشان فتح حاصل ہوگی! اور مجھے اپنی کامیابی کا کامل یقین ہے!

پیارے دوست! گو ہم اِس وقت اِس بدبخت انسان کے خون کے پیاسے بن رہے ہیں۔ لیکن چند ہی گھنٹے بعد اس کو پھر تندرست اور قوی کر سکیں گے!

اب تو گویا شارپ کا خون بالکل ہی خشک ہو گیا۔ مگر مذکورہ بالا تقریر کے آخری حصہ سے اُسے اپنی زندگی کی کچھ کچھ امید بندھ گئی۔

"میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ اس تحریر سے سائنس کو فایدہ نہ پہنچایا جائے۔ البتہ ہمیں یہ عمل نہایت ہوشیاری سے کرنا پڑیگا۔ تاکہ ہم اس کی جان بچا سکیں!۔ اچھا دیکھو میں آیندہ ہونے والے عمل کو اسی ترتیب سے آپ کے ذہن نشین کرتا ہوں۔ تاکہ عین وقت پر کوئی دقت واقع نہ ہو میں اول اس شخص کی ران کی ایک شریان کھول کر اس کے جسم سے نکلے ہوئے خون کا اندازہ کروں گا۔ اور اسی کیساتھ ساتھ اس کے قلب (دل) کی حرکت کو بھی دیکھتا جاؤنگا۔ عام طور پر تو اِس کی زندگی کی امید نہیں۔ تاہم میں اس کی آخری سانس بند ہونے سے پیشتر اس بات کی کوشش کرونگا کہ ایک زندہ خرگوش کا خون۔ اُس کے جسم میں انتقال

کروں جس کا انتظام کر لیا گیا ہے!

"اگر میری تھیوری (دلیل) صحیح ہے۔ تو خون نکلنے کے ساتھ ساتھ اسکی نبض کی رفتار بھی سست ہوتی جائیگی۔ ایسی حالت میں ضرورت ہوگی کہ ہم اس کے اعضا کو سردی اور تشنج سے محفوظ رکھ سکیں۔"

اب شارپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اور وہ سمجھ گیا کہ اُس کے جسم کیساتھ جو اس وقت بے بسی اور بیکسی کی حالت میں میز پر بندھا پڑا ہے چند منٹ بعد کیا سلوک ہونے والا ہے۔ تاہم وہ دل میں کہنے لگا۔

"کیا میں یہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں!"

(باقی آئندہ)

(حکیم مظفر حسین اظہر)

بڑے دعوے کا اعلان

علم الجبر والمقابلہ

اس علم کے ذیل میں چار باتیں زیر بحث ہیں

تشریح طلب مسائل (۱) جبر و مقابلہ کیا چیز ہے؟

(۲) اس کا واضع کون ہے؟

(۳) اس میں کیا کیا تغیرات ہوئے؟

(۴) اس علم کے مجتہدین اور ائمہ فن کون تھے؟

جبر و مقابلہ کی تعریف جبر و مقابلہ علم الاعداد یا حساب کی ایک شاخ ہے۔ اسکے ذریعے ایک خاص طرز پر خاص معلومات سے نامعلوم اعداد نکالنے کی کیفیت دریافت ہوتی ہے۔

تمہیدی بیان موجودہ علوم وفنون کی بابت یہ بتانا کہ فلاں علم کا واضع اوّل کون ہے دشوار ہے۔ علوم حسب ضرورت نکلے اور جسقدر ضرورتیں بڑھتی گئیں انمیں بھی ترقی ہوتی گئی۔ گنتی حساب کا ایک جزو ہے۔ اشکال جیامیٹری میں داخل ہیں۔ سیاروں کی چال علم ہیئیات سے متعلق ہے۔ تنجربشناوری۔ حرارت۔ ملایمت اور احتراق وغیرہ کو سائنس میں دخل ہے۔ پتھر اور مٹی سے واقفیت جیالوجی کی شاخ ہے۔ اطراف ونواح کا جاننا جغرافیہ میں شامل ہے نشوونما اور تولید میں علم نباتات وعلم حیوانات کا شائبہ ہے۔ بات میں بات پیدا کرنا اور نتیجہ نکالنا منطق کا نام ہے۔

قدیم ترین علوم کی ایجاد کا فیصلہ ناممکن ہے ان علوم میں خاصکر ریاضیات یعنی حساب۔ ہندسہ۔ جبر و مقابلہ اور علم ہئیات کے متعلق یہ دریافت کرلینا کہ جمع وتقسیم کے قاعدے کس نے نکالے اور اعداد کے مراتب ابتدائً کس نے معین کئے۔ نہایت دشوار ہے ضرور ہے

کہ ان باتوں کی ضرورت انسان کو ابتدا ہی میں پڑی ہو۔ شکاری شکار کو گنتے ہیں۔ چرواہے بھیڑ اور بکریوں کو جمع یا تقسیم کر رہے ہیں۔ کسان کھیت ناپ رہا ہے۔ رات کو کہیں آنے جانے والے ستاروں کی سمت درست کر رہے ہیں۔ یہ سب فطرت کی ابتدائی باتیں ہیں۔ یہیں سے علوم کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور ترقی ہونے پر یہی انتہائی باتیں قرار پاتی ہیں۔

قیاسات ضرورت اُم الاختراع ہے۔ اہل فنیقیہ (فنیشیہ) تاجر تھے۔ لین دین کی ضرورت سے اُنکو حساب کی حاجت محسوس ہوئی ہوگی۔ ہندوستان اور مصر کے باشندے زراعت پیشہ تھے کھیتوں کی تقسیم اور زمین کو سیر حاصل بنانیکی غرض سے ہندسہ اور مساحت کیطرف متوجہ ہوئے ہونگے۔ کلدانی اوقات مقررہ پر اپنے معبودوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ غالباً اسی ضرورت سے اجرام فلکی کے طلوع و غروب کے قاعدے اُنہوں نے مرتب کئے ہونگے۔

قاعدے شدہ شدہ بنتے ہیں۔ یکلخت نہیں بنائے جاتے۔ جتنے علوم و فنون ہیں ایک خفیف مادہ سے سب نے جسمیت تک ترقی کی ہے اور بساطت کے بعد ترکیب پیدا ہوئی ہے۔ ایک شخص نے چار پھل توڑے۔ دو خود لئے اور دو ایک دوست کو دیئے۔ غور کرو تو علم حساب کا وہی مبدء ہے علم درحقیقت چیزوں میں ٹھیک شناخت اور صحیح معرفت قائم رکھنے کا نام ہے۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ اس سادگی کی تقسیم میں یہ بات نہیں ہے۔

اسلام سے قبل جبر و مقابلہ کی حالت کیا تھی یہی حال جبر و مقابلہ کا ہے۔ کہتے ہیں قبل اسلام اُقلیدس۔ ابرخس دیوفانطوس اور ارشمیدس وغیرہ اس کو جانتے تھے۔ لیکن جاننا اور بات ہے اور فن کی حیثیت پیدا کرنا اور بات ہے۔ ہندسہ۔ حساب اور فلکیات نے دوش بدوش ترقی کی لیکن جبر و مقابلہ میں فن کی حیثیت اُسی وقت پیدا ہوسکی جب آفتاب اسلام فاران کی چوٹیوں سے بلند ہو کر دار السلام بغداد پر شعاعیں ڈال رہا تھا اور مامون الرشید کا علمی شوق تمام علمی دنیا میں ایک نئی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ یہ تبدیلیاں جہانتک ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔ تین دوروں میں تمام ہوتی ہیں۔

(۱) مسلمانوں سے پہلے جبر و مقابلہ کی کیا حالت تھی اور اُس کا کہانتک رواج تھا۔

(۲) مسلمانوں نے اس میں کس قدر ترقی کی۔

(۳) مسلمانوں کی تحقیقات سے غیر قوموں نے کس حد تک فائدہ اٹھایا۔

پہلا دور

یونانیوں کا جبر و مقابلہ

کہتے ہیں اقلیدس نے حساب میں ایک کتاب لکھی تھی۔ اسکے معاصرین اُسکو حساب کتاب بتاتے ہیں۔ مگر سمجھ سکتے نہ تھے۔ یہ نہ بتا سکے کہ اُسمیں کیا باتیں تھیں قدیم یونانیوں کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اقلیدس نے حساب عالی میں ایک کتاب لکھی تھی جو اب ناپید ہے۔ حساب عالی کیا چیز ہے؟ یونانی نہ اس کو جانتے تھے اور نہ بیان کر سکے اقلیدس نے بعض ایسی باتیں اپنی کتابوں میں لکھی ہیں جو ایک حد تک جبر و مقابلہ کے تحت میں آسکتی ہیں۔ قرین قیاس ہے کہ وہ کتاب جبر و مقابلہ ہی میں رہی ہوگی لیکن کیسی تھی اور کس طرح کی تھی۔ اس کا حال صرف خدا کو معلوم ہے۔

یونانی جبر و مقابلہ کا عربی میں ترجمہ ہوا

یونانیوں میں حکیم ابرخس متوفی سنہ ۱۴۰ قبل مسیح اور دیوفانطوس متوفی سنہ ۴۰۹ کی دو کتابیں جبر و مقابلہ میں مسلمانوں کو ملیں اور دونوں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ ابرخس کی کتاب کا نام کتاب الحدود ہے۔ محمد بن محمد نیشاپوری نے اسکی اور کتاب دیوفانطوس کی دو شرحیں لکھی تھیں۔ کتاب الحدود کی بڑی شہرت تھی لیکن اس میں دلیلیں یا تو تھیں نہیں اور یا تھیں تو کمزور تھیں۔ ابوالوفا نے اسکی پوری اصلاح کی غلطیاں درست کیں اور ہندسی دلیلیں بڑھا دیں۔ یورپ میں مدتہائے دراز تک کوئی ان کتابوں کا نام بھی نہیں جانتا تھا کتاب الحدود تو مفقود ہی ہو گئی۔ البتہ دیوفنطوس کی کتاب عربی سے یونانی میں ترجمہ ہوئی اور پھر یونانی ترجمہ کو اصل قرار دیکر اسی سے لاطینی و فرنچ وغیرہ میں ترجمے ہوئے۔ یہ کتاب دراصل تیرہ

مقالوں میں تھی اور عربی میں تیرہوں مقالہ کا ترجمہ ہوا۔ لیکن اب دنیا میں صرف چھ ابتدائی مقالے موجود ہیں۔ اور آخر کے سات مفقود۔ ان میں فقط درجۂ اول کے مجہول معادلات بسیط و سیالہ کی بحث ہے۔ کچھ مسائل مشق کیلئے دیئے ہیں اور ہر مقالے کے آخر میں اُن کا حل بھی ہے مجہولات کی دلیل ایک ہی ہی ہے۔ دوسرے درجہ کے معادلات مفردہ بھی بیان کئے ہیں یعنی وہ جن میں مجہول فقط مربع ہیں ٹیڑھی سیدھی علامتیں بھی رکھی ہیں اور تقسیم کی علامت کیلئے ذرا ذرا سے خط فاصل (ڈیش) استعمال کئے ہیں غرضکہ بالکل سرسری ناقابل توجہ کتاب ہے اور یہی وجہ ہے کہ گو اس کا ترجمہ ہو چکا تھا

یہ ایک بے حقیقت چیز تھی مگر چونکہ بے حقیقت چیز تھی لہذا مسلمانوں کو اس فن کے وضع کرنے میں صرف اپنی ہمت پر بھروسا کرنا پڑا اور انہوں نے صاف کر دیا کہ متقدمین کی کوئی کتاب اس فن میں موجود نہیں ہے۔ اسکی تفصیل آگے آئیگی۔

ہندوؤں کا جبر و مقابلہ ۶۰۹ء میں ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت برہم گپتا نے جبر و مقابلہ میں ایک کتاب لکھی اور وہی مسائل جو دیوفنطوس نے بیان کئے تھے وضاحت سے لکھ دیئے عربی میں اس کتاب کا بھی ترجمہ ہوا اور اس کے حسن و قبح پر بڑی آزادی سے بحث ہوئی یونانی و لاطینی میں اعداد و ارقام کی علامتیں درست نہ تھیں اور نہ ٹھیک طرح پر ان کا کوئی قاعدہ منضبط تھا۔ ذرا سا حساب کرتے تو اعداد کے لکھنے میں کئی ورق کاغذ سیاہ ہو جاتا۔ برہم گپتا نے رقم کی وہ علامتیں جو ہندوستان میں مروج تھیں استعمال کیں۔ مسلمانوں نے بھی عربی کتابوں میں یہی صورت اختیار کی۔ خوارزمی پہلا شخص ہے جس نے ہندسی سے عربی میں انکو نقل کیا۔ یورپ کو یہ طریقہ مسلمانوں سے ملا اور اب تک انہیں کے نام (رقم عربی) سے مشہور ہے۔

دوسرا دور

مسلمانوں کا جبر و مقابلہ دیوفنطوس اور برہم گپتا نے چند معمولی باتیں لکھی تھیں مسلمانوں نے اُن

کافی جرح وقدح کی اور علم "الجبر" نام سے حساب کا ایک دقیق علم وضع کیا جو اب تک دنیا کی مہذب زبانوں میں اسی نام سے مشہور ہے۔ مجہولات کی تجزیہ۔ ترجیح۔ اُن مقادیر کی جمع وتفریق وضرب جن میں صرف ایک مجہول ہو۔ درجات قیمت نکالنے کی علامتیں۔ تیسرے درجہ کے مساوات مفردہ وغیرہ۔ وغیرہ۔ بہت سے نئے قاعدے اختراع کئے۔ اصطلاحیں قرار دیں۔ اضلاع کے قوس میں نئی مثلث مستقیم الزاویہ (وتراً ومساحتہً) کی دوساقیں نکالیں۔ یعنی لک اور ی کی قیمت استخراج کی مختصر یہ کہ چند مبہم { ک/ک ی/ی = ب/ت } چیزوں سے ایک عظیم الشان علم کی بنیاد ڈالی اور چند روز کی عالمانہ جانفشانی میں ایک ذرہ کو آفتاب بنا کر چھوڑا۔ با ایں ہمہ اس امر کا مجکو صاف اعتراف ہے کہ اگر ہندوؤں کی کتابیں نہ ملی ہوتیں تو شاید ایک ایسے علم وضع کرنے میں اس قدر جلد مسلمان کامیاب نہ ہوتے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اُن دنوں اس فن میں نامور تھا۔ علامہ ابن الندیم بغدادی نے صفحہ ۲۸۱ سے ۲۸۴ تک ان باکمال محاسبوں کی فہرست بھی دی ہے۔

اضافہ واختراع

تیسرا دور

یورپ میں تحصیل علم ایک بڑا جرم تھا

مسلمانوں میں جن دنوں جبر ومقابلہ کو ترقی تھی۔ یورپ کی طبائع اُس وقت سخت گیری اور جبر کے مقابلہ میں منہمک تھی علما کیلئے طرح طرح کی سختیاں تھیں اور علمی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تلف کی جاتی تھیں۔ اُن دنوں ہسپانیہ کی اسلامی درسگاہوں میں ان علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ جو عیسائی وہاں سے پڑھ کر نکلتا مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا۔ مسلمان کافر اور بے دین سمجھے جاتے تھے۔ اندیشہ تھا کہ اُنکے علوم سے لوگ گمراہ نہ ہو جائیں اور عیسائیت کو صدمہ نہ پہنچے

خاص اسی غرض کے لئے بعد میں ایک محکمہ (مجلس انکویزیشن - یا محکمہ تفتیش)
یورپ میں قائم ہوا جس کے پیٹرن تقدس مآب پاپائے اعظم تھے - اس محکمہ
کا کام یہ تھا کہ عیسائیت کا دامن علم سے آلودہ نہ ہونے دے - اُسکے احکام
میں اس قدر سختی کی جاتی تھی کہ فقط ۱۴۹۱ء سے ۱۴۹۹ء تک یعنی صرف
آٹھ برس میں جن لوگوں میں اسلامی کتابوں سے علمی مذاق پیدا ہونے کا شبہ
ہوا اُن کی بیخکنی کر دی گئی - ۳۲۰۰ شخص زندہ جلائے گئے - ۶۸۰۶ نے تشہیر
کے بعد پھانسی پائی - اور ۲۷۰۲۳ شخص مختلف سزاؤں میں سزایاب ہوئے -

یورپ نے یہ علم مسلمانوں سے کیوں کر سیکھا

ایسی حالت میں اہل یورپ کا مسلمانوں کی کتابوں سے
استفادہ کرنا دشوار تھا لیکن شوق در دل کہ باشد جستجو
دشوار نیست - کسی کام سے زبردستی باز رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسکی خواہش اور بڑھتی
جاتی ہے اسکا کھلا ثبوت یوں ہوا کہ فرانس کے خود ایک پادری نے ہسپانیہ میں جاکر
مسلمانوں سے جبر و مقابلہ کی کتابیں پڑھیں - اس پادری کا نام جربرٹ تھا ۹۴۰ء
میں پیدا ہوا اور ۱۰۰۳ء میں وفات پائی - اُس نے بذات خاص عربی کتابیں
لاطینی میں ترجمہ کیں اور یہ عربی کا پہلا ترجمہ تھا جو یورپ کی زبان میں ہوا - یہ شخص
آخر میں سلفسٹروس کے لقب سے پاپای اعظم مقرر ہوا -

۱۲۰۲ء میں ایک اطالین سیاح (لیونارڈو وی بیز) نے مشرق کا سفر کیا
ریاضیات اور خصوصاً جبر و مقابلہ کی تحصیل و تکمیل مسلمانوں سے کی - اس فن میں اُسکو اتنی
دستگاہ تھی کہ فریڈریک شاہ جرمنی کو حیرت ہوتی تھی اور حیرت کی بات بھی تھی -

ہندوؤں کا مسلمانوں سے جبر و مقابلہ سیکھنا

مسلمانوں سے یورپ ہی نے استفادہ نہیں بلکہ ہندوستان
بھی اس خصوص میں پیچھے نہیں رہا - بارھویں صدی عیسوی
میں پنڈت بھسکارا نے جو ہندوستان کا ایک سربرآوردہ حکیم تھا - برہم گپتا کے جبر و مقابلہ

کی شرح لکھی۔ اس فن میں اہل عرب کی تحقیقات کا جو مجموعہ تھا علامہ بیرونی عربی سے سنسکرت میں اُس کا ترجمہ کر چکے تھے بھسکارا نے اس ترجمہ سے فائدہ اُٹھاکر اصل فن میں بہت سے اضافے کئے۔ اس وقت دنیا میں جبر و مقابلہ کو نہایت فروغ ہے۔ نئے نئے قاعدے اور مسائل نکلے ہیں۔ مثالیں سہل اور آسان دی جاتی ہیں مختلف علوم (مثلاً ہندسہ اور جیامیٹری) میں اس سے مدد لی جاتی ہے۔ اور اب یہ ایک بکار آمد فن ہو گیا ہے لیکن تاریخ ہم کو بتا رہی ہے۔ کہ اس کے موجد و مخترع مسلمان ہیں اور یورپ انہیں کے نقش قدم پر چل رہا ہے جورجی زیدان جو ہر بات میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا عادی ہے وہ بھی لکھتا ہے

ولما نهض الافرنج فی تمدنهم الحدیث اخذ والجبر عن العرب[۱]

اہل یورپ جدید تمدن قائم کرنے کو اُٹھے۔ تو اُنھوں نے جبر و مقابلہ کو اہل عرب سے حاصل کیا[۱]

ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے۔

ان العرب نقلوا کتابین فی الجبر احدهما لدیوفانتوس والآخر لابرخس۔ وقد وجدا لباحثون یعنی من الافرنج بعد نهضة التمدن الحدیث ان ما کتبه هذان لیس من الجبر فی شئ او هی اصول ضعیفة لا یعتد بها وهم یعتقدون ان الجبر من موضوعات العرب[۲]

جبر و مقابلہ کے واضع اہل عرب ہیں

اہل عرب نے جبر و مقابلہ میں دو کتابیں ترجمہ کی تھیں۔ ایک دیوفانطوس کی اور دوسری ابرخس کی محققین یورپ نے جدید تمدن قائم کرنیکے بعد یہ کتابیں دیکھیں تو معلوم ہوا کہ جبر و مقابلہ سے انکو کچھ تعلق ہی نہیں۔ انکے اصول ضعیف اور کمزور اور ناقابل اعتنا ہیں اس بنا پر یورپ کا اعتقاد ہے کہ جبر و مقابلہ کے واضع اہل عرب ہیں[۲]

مگر اسکی ذاتی رائے یہ ہے کہ ابرخس و دیوفانطس کی یونانی کتابوں کے علاوہ اہل عرب

[۱] تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۱۹۶۔ [۲] تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ ص ۱۹۵۔

نے ہندوؤں کی کتابیں بھی عربی میں ترجمہ کی تھیں۔ جبر و مقابلہ میں یونانیوں کی رایوں کیساتھ ہندوؤں کے اصول بھی اضافہ کئے اور اسی پر عربی جبر و مقابلہ کی بنیاد پڑی۔ ان کتابوں سے اہل عرب کے فائدہ اُٹھانے میں ہم کو کلام نہیں۔ ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس فن کی جس طرح اُنھوں نے ترتیب دی اور جو اصول ایجاد کئے اُن سے یونانی اور ہندو دونوں ناواقف تھے۔ عمر خیام جو ہندوستان میں اپنی حکیمانہ اخلاقی رباعیوں کی وجہ سے بے حد مشہور ہے وہ صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ ایک شہرۂ آفاق فلاسفر اور ریاضی دان بھی تھا۔ جبر و مقابلہ میں اُس کی ایک مبسوط تالیف ہے جس میں وہ لکھتا ہے۔

اہل عرب نے جبر و مقابلہ میں یونان و ہند کسی سے مدد نہیں لی

ان احد المعانی التعلیمیة من الریاضی ھو الجبر والمقابلة وفیه ما یحتاج الی اصناف من المقدمات صعبة جداً متعذر حلها اما المتقدمون فلم یصل الینا منھم کلام فیها لعلھم لم یتفطنوا لها بعد الطلب والنظر او لم یضطر البحث الی النظر فیها او لم ینقل الی لساننا کلامهم واما المتاخرون فقد عن لهم تحلیل المقدمة التی استعملها ارشمیدس فی الرابع من الثانیة فی الکرة والاسطوانة بالجبر فتادی الی کعاب واموال واعداد متناسبة

جبر و مقابلہ کے جس مسئلہ کو ارشمیدس حل نہ کر سکا تھا اُس کو مسلمانوں نے حل کیا

تعلیمات ریاضی کا ایک مطلب جبر و مقابلہ ہے۔ اس میں اس قسم کے مقدمات کی حاجت پڑتی ہے جو نہایت مشکل ہوتے ہیں اور جن کا تحمل دشوار ہوا کرتا ہے۔ متقدمین میں کسی کا بھی کلام اس فن میں ہم کو نہیں ملا۔ غالباً غور و فکر کرنے پر بھی اُن لوگوں کی اس فن تک رسائی نہ ہو سکی۔ یا انکو ادھر غور کرنیکا موقع ہی نہیں ملا۔ یا یہ کہ جو اصول انہوں نے دریافت کئے تھے وہ ہماری زبان میں ترجمہ نہیں ہوئے۔ متاخرین نے اُس مقدمہ کو جسے ارشمیدس نے کرہ و اسطوانہ میں استعمال کیا تھا جبر و مقابلہ سے حل کرنا چاہا۔ ارشمیدس نے خود بھی اسکو حل کرنا چاہا تھا۔ اسمیں کعاب و اموال

فلم يتفق لحلها لعدان انكر فيها مليا نجزم بانه ممتنع حتى تبعه ابو جعفر الخازن فحلها بالقطوع المخروطية ثم افتقر بعده جماعة من المهندسين الى عدة اصناف منها فحل البعض [1]

واعداد متعادلہ تک نوبت پہنچی۔ آخر اسکو انکار کرنا پڑا اور حل نہ کرسکا اور لکھدیا کہ اس کا حل کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ ابوجعفر خازن نے آخر اسکو قطوع مخروطیہ سے حل کیا۔ اسکے بعد مہندسین کو اسمیں کئی قسموں کی حاجت پڑی چنانچہ بعض عقدے بعض بعض مہندسین نے حل کئے۔ [1]

جبر و مقابلہ کا پہلا مؤلف خوارزمی ہے

یہ تصریح صاف بتا رہی ہے کہ متقدمین اس فن میں بالکل بے بضاعت اور ناآشنای محض تھے۔ مسلمانوں کو اُن سے کچھ مدد نہ مل سکی۔ حکیم ارشمیدس نے کچھ توجہ کی تھی مگر وہ بھی یہ عقدہ حل نہ کرسکا۔ مسلمانوں نے یہ فن خود وضع کیا اور صرف اُنکی نکتہ سنج اور دقیقہ رس طبیعت نے اسکے اصول و ضوابط اختراع کئے۔ خوارزمی پہلا شخص ہے جس نے اس فن میں قلم اُٹھایا۔ اُس نے اور اُسکے مقلدین نے معادلات کی تعداد چھ مسائل تک پہنچادی اور یہ اس فن کی توقع سے بہت زائد ترقی تھی لیکن بعد میں اس فن کی ترقی کی کوئی حد نہ رہی اور یہ تعداد ۲۰ سے زیادہ تک پہنچ گئی۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں۔

عہد اسلام میں جبر و مقابلہ نے بڑی ترقی کی۔

اول من كتب هذا الفن (اى فن الجبر) ابو عبدالله الخوارزمى وكتابه فى مسائله الست من احسن الكتب الموضوعة فيه وشرحه كثير من اهل الاندلس فاجادوا ومن احسن شروحاته كتاب القرشى وقد بلغنا ان بعض ائمة التعاليم من اهل المشرق

ابوعبداللہ خوارزمی کی کتاب اس فن (جبر و مقابلہ) کی پہلی کتاب ہے۔ جبر و مقابلہ کے مسائل ششگانہ میں جتنی کتابیں تالیف ہوئیں یہ اُن سب میں اچھی ہے۔ اندلس کے اکثر علما نے اس کی شرحیں لکھیں جو بیحد اچھی ہیں۔ اس میں بہترین شرح قرشی نے تالیف کی ہے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مشرق

[1] کشف الظنون۔ ج ۱ ص ۴۴۰ و ۳۰۹ ۔

ی المعادلات الی اکثر من ھذہ الستہ	کے بعض آئمہ علم نے جبر و مقابلہ کے معادلات
بناس و بلغھا الی فوق العشرین	کو چھ اقسام سے بڑھا کر بیس سے زائد
ستخرج لہا کلہا اعمالا واتبعہ	کر دیے ہیں۔ ہر ایک کیلئے اعمال استخراج
براھین ھندسیۃ [1]	کئے ہیں اور سب کی دلیلیں علم ہندسہ سے دی ہیں [1]

بر و مقابلہ خوارزمی خوارزمی نے تیسری صدی ہجری کے شروع میں انتقال کیا ہے اور بن خلدون نے نویں صدی میں۔ اس چھ سو برس کے زمانے میں یہ فن برابر ترقی کرتا رہا ور بقول ابن خلدون اس کے ضوابط حیرت انگیز طور پر بڑھتے رہے۔ خوارزمی کی ولیت کی تصریح کاتب چلپی نے دو جگہ کی ہے یورپ میں لفظ ایلگورزم اسی خوارزمی کے ام سے نکلا ہے۔ ۱۸۳۱ء میں اس کی کتاب لندن میں ڈاکٹر راسن کے اہتمام سے چھپی تھی۔ خوارزمی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ ایڈورڈ فانڈیک نے اس کی لیت ابوجعفر لکھی ہے حال آنکہ صاحب کشف الظنون وغیرہ ابوعبد اللہ لکھتے ہیں۔

بوحنیفہ کا جبر و مقابلہ ابوحنیفہ دنیوری متوفی ۲۸۱ھ جسکی کتاب "الاخبار الطوال" تاریخ کی ایک بے مثل تالیف ہے اور احمد بن محمد سرخسی متوفی ۲۸۶ھ اس فن کے شہور صاحب تصنیف تھے لیکن حق یہ ہے کہ خوارزمی کے بعد ابوکامل شجاع بن اسلم نے جبر و مقابلہ میں جو کمال پیدا کیا وہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔ اسکی کتاب کا نام "الشامل" ہے [2] جو اس فن کی بہترین تالیف ہے۔ دیباچہ میں لکھتا ہے:۔

ابوکامل کا جبر و مقابلہ کان صاحب علینا	خوارزمی کے تقدم اور فضل و کمال کا
من التقدمۃ والاقرار لہ (ای للخوارزمی)	اعتراف ہم پر لازم ہے اسلئے کہ وہ جبر و مقابلہ
بالمعرفۃ والفضل اذ کان السابق الی	کا پہلا لکھنے والا اس کا ابتدا کرنے والا
کتاب الجبر والمقابلۃ والمبتدئ لہ	اور اسکے اصول کا مخترع تھا۔ اس میں جو

[1] مقدمۂ ابن خلدون ص ۴۰۴۔ [2] کشف الظنون۔ ج ۱ ص ۳۸۹۔

والمخترع لما فیہ من الاصول التی فتح اللہ لنا بہا ما کان منغلقاً وقرب بہ ما کان متباعداً وسہل بہا ما کان متعسراً ورائیت فیہا مسائل تولد شرحہا وایضاحہا ففرعت منہا مسائل کثیرۃ یخرج اکثرھا الی غیر الضروب الستۃ التی ذکرھا الخوارزمی فی کتابہ [1]	اصول مغلق و دشوار و سخت تھے خدا نے ہم پر سب آسان کر دیئے بعض مسائل کی شرح و توضیح خوارزمی نے چھوڑ دی تھی میں نے ان متروکات سے بہت سے نئے مسائل کی شاخیں نکالیں جن میں اکثر مسائل خوارزمی کے مسائل ششگانہ کے طریقہ کے علاوہ نکلتے ہیں [1]

عمر خیام کا جبر و مقابلہ اس تصریح سے جبر و مقابلہ کی ایجاد کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شجاع بن اسلم کی کتاب مجتہدانہ حیثیت کی تھی اور اس نے جبر و مقابلہ کو بڑی ترقی دی تھی۔ اس بحث میں حکیم عمر خیام متوفی ۵۱۵ھ ۱۱۲۲ء کا نام بھی آ چکا ہے لیکن اگر اس کی کتاب الجبر کا تذکرہ نہ کیا جائے تو یہ مضمون ناتمام رہے گا۔ یہ بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ ۱۸۵۱ء میں پیرس میں چھپی ہے اور فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ ابو بکر فخر الدین کرخی بھی جو گیارھویں صدی عیسوی کا مشہور ریاضی دان تھا۔ جبر و مقابلہ کا نامور عالم گذرا ہے۔ اس فن میں اسکی ایک مبسوط کتاب ہے جس کا خلاصہ ۱۸۵۳ء میں پیرس میں شائع ہوا ہے۔

ابن ہیثم کا جبر و مقابلہ پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن ہیثم کے اجتہادات نے جبر و مقابلہ کی صورت بدل دی۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ طبقات الاطبا میں لکھتے ہیں:۔

ابن ہیثم کے اختراعات ادخل (ای ابن الھیثم) فی الجبر والحساب اسالیب جدیدۃ	ابن ہیثم نے جبر و مقابلہ و حساب میں نئے نئے طریقے داخل کئے تحلیل ہندسی

[1] کشف الظنون۔ ج ۲۔ ص ۲۸۱۔

فی استخراج المسائل الحسابیۃ فی جہۃ التحلیل الہندسی والتقدیر العددی وعدل فیہ عن اوضاع الجبریین والفاظہم[1]

و تقدیر عدد کی دونوں جہتوں سے حساب کے سوالات نکالنے کی صورت بدل دی۔ علمائے جبر و مقابلہ کا جو طریقہ تھا اور اس فن میں جو الفاظ و اصطلاحات آتے تھے سب نکال دیئے۔

یورپ کی ماخذ یہی کتابیں ہیں

یورپ نے انہیں کتابوں سے استفادہ کیا۔ انہی کے ضوابط و اصول پر آج یہ فن حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے۔ انگریزی لفظ الجبرا جو عربی لفظ الجبر سے ماخوذ ہے خود یہ بتا رہا ہے کہ یورپ کو مسلمانوں کی اولیت اور فضل و کمال کا علانیہ اعتراف ہے۔

وَلَا زَالَ اَھْلُ الْغَرْبِ یُبْدُوْنَ قَدْرَنَا ۔۔۔ مَدَی الدَّھْرِ مَا اَبْدَوا مِنَ الْفَضْلِ مُعْجَمَا

ہماری قدر کے قائل رہیں گے اہل فرنگ ۔۔۔ لیاقت اور فضائل میں تا بروز قیام

مَتیٰ ذَکَرَ الْاَفْضَالَ فِیْہِمْ خَطِیْبُہُمْ ۔۔۔ عَلیٰ مِنْبَرٍ صَلّیٰ عَلَیْنَا وَسَلَّمَا

جو لکچرار کہیں ذکر علم کرتا ہے ۔۔۔ تو بھیجتا ہے ہمیں پر درود اور سلام

عبداللہ عمادی

---

[1] طبقات الاطبا لابن ابی اصیبعہ۔ ج ۲۔ ص ۹۳۔

ایڈنبرا (انگلستان) کا خطاب لاہور سے

مخزن میں آج ہم نہایت شکرگذاری و منت پذیری کے ساتھ اپنے محترم دوست جناب غلام محمد خان صاحب متخلص بہ غلام کے تازہ نتائج افکار کو درج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین مخزن اس سے محظوظ ہونگے۔ (اڈیٹر)

اُکھڑی ہوئی نیند

سچ بتا تو مجھ سے کیوں بیزار ہے ❊ "نیند" کیوں آنے سے تجکو عار ہے
تو کوئی معشوق دل افگار ہے؟
بستر آرام وہ پر خار ہے ❊ کروٹیں لیتے ہی لیتے پار ہے
رات ساری صبح کی اب بار ہے

غزل

مرتا ہے کیوں تو چڑھ کے مرے سر کہے بغیر ❊ مرنا ہے تجکو جا کے پرے مر کہے بغیر
کہنے سے بات مانی تو احسان کیا ہوا ❊ جب جانیں رکھ لو گودمیں یہ سر کہے بغیر
ہم بھی تمہیں حضور خطا کیا ہوئی جناب ❊ رکھتے نہ دل کو اپنے بہ رکھے بغیر

کہنا ہو کچھ کسی سے کہو صاف صاف تم رکھو نہ دل کو اپنے مکدر کئے بغیر
کیا خوف پیاس کا تمہیں محشر میں ہو تو ہو پینے کو دے گا ساقئ کوثر کہے بغیر
تجھ سے کہا تھا میں نے غلام اب نہ آئیو
آیا ہے کیوں بتا تو مرے گھر کہے بغیر

وہ صورت روبرو ہے اور میں ہوں

(از جناب تلوک چند صاحب محروم)

کسی کی جستجو ہے اور میں ہوں وہی اک آرزو ہے اور میں ہوں
تصور ہے کسی کا اور دل ہے وہ صورت روبرو ہے اور میں ہوں
میں اپنے پنجۂ وحشت کے صدقے سدا شغلِ رفو ہے اور میں ہوں
بدلتا ہے زمانہ۔ پر یہاں تو وہی بیگانہ خو ہے اور میں ہوں
کیا اے عشق تو نے خوب رسوا کہ چرچا کو بکو ہے اور میں ہوں
نہیں کھلتا ہے رازِ ہستئ گل طلسمِ رنگ و بو ہے اور میں ہوں
وہی دل ہے۔ وہی فرقت کا رونا
وہی محروم تو ہے اور میں ہوں

جفائے یار

مسرت کی چیز ہے دل، جفائے جاناں بھی کہ ہے علاج غم دل بھی۔ راحتِ جاں بھی

جفائے یار پہ قربان وفائے ہر دو جہاں — وفائے غیر کہاں اور جفائے یار کہاں!
ستم کشوں ہی سے پوچھے کوئی جفا کے مزے — ستم کے لطف۔ غضب کے مزے۔ بلا کے مزے
بلا سے مائلِ الطاف ہو نہ ہو کوئی — مگر ہو تیغ بکف آہ! روبرو کوئی
جگر پہ وار کبھی ہو۔ دلِ حزیں پہ کبھی — ہوا بروؤں پہ کبھی بل شکن جبیں پہ کبھی
ستائے خوب مٹائے کہ پائمال کرے — جو زخم دے تو نہ تدبیرِ اندمال کرے

یہ زخم عشق کا بھی کچھ عجب نرالا ہے
علاج جس کا کسی نے نمک نکالا ہے

ہندوستان والو

(از جناب ملک قمر الدین احمد صاحب قمرؔ)

اے ہند کے سپوتو ہندوستان والو — پستی میں کیوں گرے ہو اے آسمان والو
بغض و حسد کی آتش تن من میں لگ رہی ہے — دوزخ میں جل رہے ہو جنت نشان والو
گردوں کے ہیں اشارے بجلی کے ہیں شرارے — اُڑتے ہو کس ہوا میں تم آشیان والو
ہمت نہ برقراری۔ جرأت۔ نہ استواری — جھک کر کماں بنے ہو ارجن کے بان والو
تلوار حادثوں کی سر پر کھچی ہوئی ہے — زخموں سے پھل نہ جانا پھول اور پان والو
حسرت مآل کب تک۔ افسردہ حال کب تک — یہ ابتذال کب تک اے عزوشان والو

کل مرجع خلائق تھا آستاں تمہارا
کیوں آج بوستاں ہے وقفِ خزاں تمہارا!

اے نکتۂ حقیقت افشائے راز ہو جا — اے دیر کعبہ بن جا اے بُت نماز ہو جا

اے موجِ آبِ زمزم گنگا سے ہم بغل ہو — اُس کا سرود سنکر خود نغمہ ساز ہو جا
اے محوِ حق پرستی کر مشقِ بُت پرستی — اے طالبِ حقیقت صرفِ مجاز ہو جا
پہچاننا ہے اپنا پہچاننا خدا کا — خود مستِ ناز بن کر محوِ نیاز ہو جا
غارتگرِ تعصب ہر اک تری ادا ہو — بے افتراق بن جا۔ بے امتیاز ہو جا
پردہ اُٹھا کے رکھدے آنکھوں سے نوریت کا — اے آرزوئے کاشی شوقِ حجاز ہو جا
تسبیح کے ہوں دانے زنار کے ہوں رشتے — ہونا ہو یوں تو بیشک مسلک طراز ہو جا
ہاں خاکسار ہو کر۔ دل سے نثار ہو کر — بختِ بلند بن جا عمرِ دراز ہو جا
ناقوس کی صدا ں کو ایسا ملا اذاں سے — وحدانیت کی نے میں گھل کر گداز ہو جا
مضبوط ہوں بنائیں تا قصرِ دوستی کی — نفرت گداز بن جا۔ الفت نواز ہو جا
زلفِ حیات تیری اب خم بخم ہے بیحد — چشمِ تمیز وا کر دانائے راز ہو جا

گو آلفتے کہ گرفتی در معرضِ جدائی
اے ہم نفس کجائی اے ہم نفس کجائی

آپس کی ماو تو نے ہم کو مٹا کے چھوڑا — اس برتری کی بو نے نیچا دکھا کے چھوڑا
آمرزگار ہے تیرے دیوانگئہ فضا میں — رحمت نے معصیت کو مجبور پا کے چھوڑا
اپنی بھی التجائیں شانِ قبول پائیں — ہر در کو یا الٰہی اس در پہ آ کے چھوڑا

اے دل سر افگن اینجا تا کے گریز پائی
بشنو ندا یت آید کز خاصگان مائی

انقلاب

از جناب ابو المعانی محمد عبد الغنی صاحب وقتی (نامہ نگار دکن)

اب جو وہ جوشِ جوانی کا زمانا نہ رہا — ہمنشیں کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا نہ رہا

دل وہی ہے پہ کوئی داغ تمنا نہ رہا　　　ہے وہی آنکھ مگر شوقِ نظارا نہ رہا
پاؤں کو دشت نوردی کی تمنا نہ رہی　　　سر میں زلفوں کا کسی شوخ کے سودا نہ رہا
نہ حسینوں سے مراسم نہ رہے الفت کے　　　عشقبازی کا وہ احباب میں دعوا نہ رہا
کسی معشوق سے اب وصل کی خواہش نہ رہی　　　لب پہ وہ ہر گھڑی اغیار کا شکوا نہ رہا
گو زمانے میں بہت عشق کا بازار ہے گرم　　　عشقبازی کا مگر دل میں وہ جذبا نہ رہا
زلف و رخسارِ بتاں سے وہ لگاوٹ نہ رہی　　　دل میں حسرت نہ رہی سر میں وہ سودا نہ رہا
پیار کرنے کی وہ ہر وقت امنگیں نہ رہیں　　　بوسۂ رخ کا حسینوں سے تقاضا نہ رہا
باغ میں پینے پلانے کے وہ چرچے نہ رہے　　　ہر گھڑی آنکھوں میں وہ نشۂ صہبا نہ رہا

پھر گئی سارے زمانے سے طبیعت صادق
مختصر یہ کہ کوئی کام مزے کا نہ رہا

یکتا عظیم آبادی

نہ پوچھو حوصلے عاشق کے دل کے　　　پتا لگ جائیگا خود تم کو مل کے
ادا و ناز و انداز و کرشمہ　　　مجھے مارا ہے ان چاروں نے مل کے
نہیں بہتر ہے ہنسنا اس چمن میں　　　کہ گل تک مردہ ہو جاتے ہیں کھلکے
نحیف ایسا ہوا ہوں روتے روتے　　　کہ پانی پی نہیں سکتا ہوں ہل کے
خبر تن کی نہ لی پھر تو نے اے روح　　　جدا ہوتا ہے یوں بھی کوئی مل کے
یہ کیسا تفرقہ اے یاس و امید　　　جو رہنا ہے رہو آپس میں مل کے

کدورت کا کسی ظالم کی یکتا
نتیجہ مل گیا مٹی میں مل کے

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی

آج تم دیکھ رہے ہو کہ روحانیات سے پنجاب کو کس قدر بُعد ہے۔ احساسِ روح و جذبِ قلب و ذکائے باطن کی نورانی مشعلیں کیسی خاموش ہیں۔ لیکن آؤ آج ہم تمہیں اسی پنجاب کا ایک روحانی منظر دکھائیں جس میں لٹریچر و تھیالوجی کے دونوں پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنی اپنی حیثیتوں میں یہ جنت نگاہ و فردوس گوش ہے:

صدی ڈیڑھ صدی قبل کا زمانہ ہے، نواب غازی الدین خان بہادر مسند آرائے حکومت ہیں تزکیۂ نفس و تربیت باطن کا دربار لگا ہے، اہل صدق و صفا کا مجمع ہے، اسی عالم میں ایک شخص اٹھتا ہے اور یہ غزل پڑھتا ہے۔

اے ترک شوخ ایں ہمہ ناز و عتاب چیست
با دل شکستگاں ستم بے حساب چیست

گفتی بخواب نیز آیم ولے چہ سود
چوں من ہمہ خورش ندانم کہ خواب چیست

دارم تعلقے بتو ابستہ راں سمند
اے سنگدل بعزیمت ایں شتاب چیست

گر من نہ غرق آتش عشقم زشوق تو
ایں سینہ پر آتش و چشم پر آب چیست

از مدرسہ بکعبہ روم یا بمے کدہ
اے پیر رہ بگو کہ طریق صواب چیست

جامی کہ لاف می زنی از پاک دامنی
بر خرقۂ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

یہ اشعار آج سے چار پانسو برس قبل کے ہیں، دیوان جامی کے پڑھنے والے انکو پڑھتے ہیں، سننے والے سنتے ہیں، مگر اثر پذیر بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں یہی بے حسی اس محفل میں بھی تھی۔ کہ دفعتہً ایک بزرگ از خود رفتہ ہو گئے۔ آنکھوں سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا، اور ساری مجلس لہولہان ہو گئی، خوانندہ کے حواس جاتے رہے کہ درویش کی جان نہ جاتی رہے، اور درویش پر استغراق طاری ہو گیا۔ کہ جان ہوتی ہی اسلئے ہے کہ جان آفرین کی جانب صعود کرے۔

یہ بزرگ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی تھے جو پنجاب کے ایک مشہور صاحبدل گزرے ہیں۔ اور ۱۲۶۷ھ میں وفات پائی ہے۔ اب مخزن میں انکی تصویر ہدیۂ ناظرین ہے۔ اسلئے کہ اہل نظر شبیہ ظاہری کی نظر فریبی میں آ جائیں بلکہ زیادہ تر اسلئے کہ جن بزرگ کی شکل و ہیئات کی یہ تصویر آئینہ دار ہے وہ صورت میں تو ہمیں جیسے تھے، یا کل و یمشی فی الاسواق (کھاتے پیتے بھی تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے، سب کچھ ہماری ہی طرح کرتے تھے) مگر اُن کے صفائی قلب کا یہ عالم تھا۔ کہ محسوسات کی ہر ایک چیز سے متاثر ہوتے تھے، الفاظ کا تموج زبان سے نکل کر کانوں سے متصادم ہوا کہ وہ اپنے آپے میں نہ رہے۔ ہماری یہ حالت ہے کہ ملک و قوم پر ہزار قسم کی مصیبتیں نازل ہیں، لاکھوں بلائیں محیط ہیں، لیکن نہ تو ہماری غفلت ان میں سے کسی بات کو محسوس کرتی ہے۔ اور نہ ازالۂ تنزل کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

درو نہا تیرہ شد باشد کہ از غیب
چراغے بر کند خلوت نشینے

(اڈیٹر)

آنکھوں کا سچا علاج

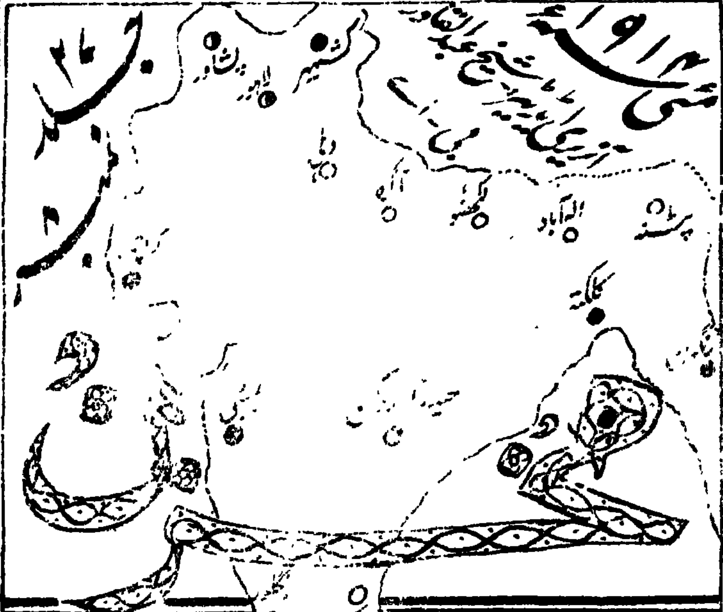
اناڑی اور جاہل دوا فروشوں نے ہزاروں نسخے اور انجن کے اشتہار دے رکھے ہیں۔ اور آنکھ کی تشریح سے اصلا واقف نہیں ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں۔ کہ آنکھ میں کس قدر طبقے ہیں۔ کے رطوبتیں۔ عصبہ مجوفہ کیا چیز ہے۔ نور آنکھ میں کہاں سے آتا ہے کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ ثقبہ عنبیہ کیا ہے جس میں پانی اترتا ہے۔ نہ کتاب میں پڑھا نہ استاد سے یہ کام کیا۔ اسلئے مریضوں کی رہی سہی آنکھوں کی حالت بگڑ گئی۔ ایسے شہر آشوب اور طوفان بے تمیزی میں کسی دوا کا اشتہار دینا اپنا اور اپنی دوا کا وقار کھونا ہے مگر میں جانتا ہوں ابھی دنیا میں علم و ہنر کے قدر دان باقی ہیں۔ اور زمانہ عقل سلیم سے خالی نہیں ہے اور سچی دواؤں کی حاجت ہے۔ اسلئے مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ دوا مجھے **حاذق الملک حکیم عبد المجید خان صاحب** دہلوی مرحوم و مغفور نے بتائی تھی تیس برس سے میں اپنے مطب میں برابر آزما رہا ہوں۔ یہ آنکھ میں پانی اترنے کو جسے نزول الماء کہتے ہیں۔ اور دھند۔ جالے۔ پڑبال۔ رتوندے کو از بس مفید ہے۔ جب آنکھوں کے سامنے بھنگے اڑتے دکھائی دیں سمجھ لیجئے کہ پانی اترنے والا ہے۔ یہ دوا منگائیے اور استعمال کیجئے۔ پانی نہیں اترے گا اترتا ہوگا تو رک جائیگا۔ اور آنکھ صاف ہو جائیگی قیمت دوا فی ماشہ عہ ایک مریض کو ایک ماشہ دوا کافی ہوگی۔ محصول بذمہ خریدار ہے

ملنے کا پتہ

حکیم سید ناصر نذیر فراق محلہ رودگران رسالدار تمسند خان میں مکان ظہیر لطیف مرحوم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۲ء

جملہ حقوق محفوظ



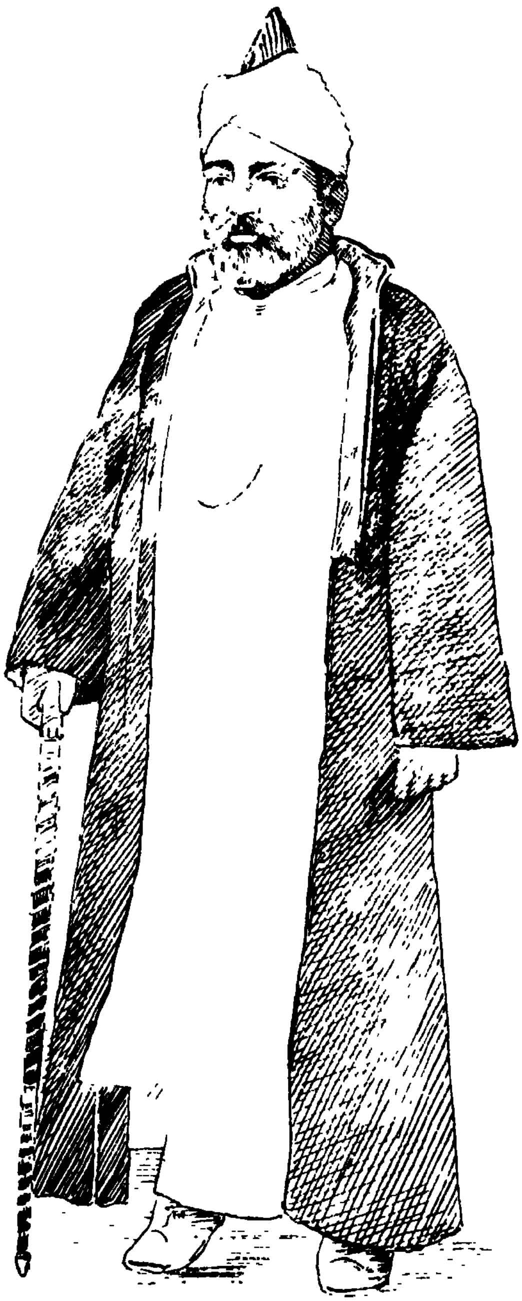
اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں عام روزمرہ زبان ہے ○ ان شہروں میں اردو مروج ● ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے -

یونین سٹیم پریس لاہور میں چھپا اور مولوی غلام رسول صاحب تحصیلدار پنشنر نے شائع کیا

قیمت سالانہ ...



مولانا بالفضل اولینا عالیجناب مولوی ابوالبر سید شاہ درویش پیر رضا قادری علیہ

مخزن

عورتوں کی بول چال

نمبر (۱)

دنیا کی تمام زبانوں میں مردوں اور عورتوں کی یکساں بول چال اور یکساں محاورات ہیں صرف لہجہ کا فرق ہے یعنی مردوں کا لہجہ قوی اور اونچا ہوگا اور عورتوں کا لہجہ پست۔ کمزور اور نیچا۔ کیونکہ عورتوں کو خود قدرت وفطرت نے ناتواں پیدا کیا ہے۔

لیکن صرف اردو ہے جس کا نرالا خاصہ یہ ہے کہ مردوں کا انداز تکلم محاورہ۔ بول چال اور ہے۔ عورتوں کا اور۔ اگر کہا جائے کہ ہندی عورتیں پردہ نشین ہوتی ہیں کسی سے ملتی جلتی نہیں اور مرد نہ صرف اپنے ہموطنوں سے بلکہ ممالک غیر کے باشندوں سے بھی جو بطور سیاحت یا تجارت وغیرہ آتے ہیں میل جول رکھتے ہیں لہذا مردوں کی زبان اور بول چال مختلف ہوجاتی ہے" تو یہ عذر کسی قدر صحیح ہے لیکن جو عورتیں پردہ نشین نہیں مثلاً

نیچ اقوام یا دیہات کی عورتیں خصوصاً پورب اور ملک متوسط وغیرہ کی جو مردوں کی طرح کاروبار اور مزدوری کرتی ہیں بوجھ ڈھوتی ہیں بلکہ ناگپور وغیرہ میں تو ہم نے بسا طرح خود دیکھا ہے کہ مرد کچھ بھی نہیں کرتے شکاری کتوں کی طرح پلنگوں پر لوٹنیاں لگاتے ہیں جس گھر میں چند عورتیں ہیں مرد چین کرتے ہیں عورتیں محنت و مشقت کرکے مردوں کو روپیہ بھی دیتی ہیں اور بچے بھی۔ ان ممالک میں بھی مردوں اور عورتوں کی بول چال میں بڑا فرق ہے۔ اگرچہ بولتے ہیں اردو ہی۔

ہندوستان کی مادری زبان اردو ہی ہوگئی ہے۔ بھاشا بھی اردو ہی بن گئی ہے صرف الفاظ کے غلط یا صحیح بولنے کا فرق ہے۔ متعصب لالہ اخبارات جوار دو سے دھرم کلیش رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کے کرود کے مندر سے ناقوس یا بانسری کی یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ بھاشا کے پریمی خواب غفلت سے بیدار ہوں اور بھارت ماتا کی اصلی بھاشا کی رکشا پر کھڑے ہوجائیں مگر دیش ان کی غیر وقت کی بے سُری راگنی پر وچار نہیں کرتا اس کان سنتا اُس کان اُڑا دیتا ہے کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اپنی جس سوتیلی ماتا کی یہ کھنڈن کر رہے ہیں وہی ان کو پال رہی ہے اُسی کی گود میں براجمان ہوکر مزے سے موہن بھوگ چکھ رہے ہیں کیا جنی کہ سگی ماتا (بھاشا) نے تو ان کو اپنی گود سے لات مار کر پھینک دیا مگر سوتیلی ماتا (اُردو) نے اپنی دیا کے پنکھ پھیلائے کر اور گرمائے کہ اُن کو سُکھ چین دیا دلالہ لوگوں کے اخبارات اور رسالے اُردو ہی میں شائع ہوتے ہیں۔ عجب یہ سپوت اُس کا مان نہیں مانتے اور اُس کے گلے پر چھری چلا رہے ہیں تو دیش کا مان کیا مانیں گے۔ علم تَشَم یہ تو بڑا بھاری اَن نیاؤ (ظلم) ہے رام رام۔

دھرمی اخبارات جو اُردو میں شائع ہوتے ہیں خوب جانتے ہیں۔ اور دیکھ رہے ہیں کہ اردو ماتا بھاشا ماتا پر غالب ہو گئی ہے اور روز بروز چکروتی بنتی جاتی ہے اور اب بھارت دیش میں یہ شکتی نہیں رہی۔ کہ اس کا تھم اُکھاڑ سکے لہذا وہ دبی زبان سے بھاشا کے پریمیوں کو جو اردو بولتے اور اردو ہی لکھتے پڑھتے ہیں یہ صلاح دے رہے ہیں کہ اُردو میں جو عربی فارسی کے الفاظ مستعمل ہیں ان کی جگہ بھاشا کے الفاظ استعمال میں لائیں" مگر ان کی یہ اخیر کی کنج بھی ہوا کی سرسراہٹ کے ساتھ اُڑجاتی ہے اور کسی کے دماغ میں سرایت نہیں کرسکتی بلکہ تکلیف مالایطاق اور محال سمجھی جاتی ہے کیونکہ اردو کوئی خاص زبان نہیں اس کے بڑے اجزاء عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ ژند۔ بھاشا اور سنسکرت ہیں۔ اور اب انگریزی الفاظ کا عنصر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اور بڑھے گا اور چونکہ انگریزی لٹریچر میں لاطینی۔ فرنچ۔ جرمنی۔ چینی۔ جاپانی وغیرہ کے الفاظ بھی مل گئے ہیں اور انگلش لٹریچر نے دنیا کی زبانوں کو اپنے شکنجے میں کھینچ لیا ہے لہذا تمام زبانیں انگریزی زبان کے ساتھ اردو بلکہ خود بھاشا میں مل جائیں گی اب بھارت ماتا کے پوت کس کس زبان کے الفاظ کو اپنی بھاشا سے نکالینگے جس طرح سمندر کا طوفان تمام مزاحمتوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا لیجاتا ہے اسی طرح اُردو زبان بھاشا کو نیست و نابود کرتی چلی جائیگی اور جسطرح دنیا کے تمام دریا فراہم ہوکر سمندر بن گئے ہیں اسی طرح تمام زبانیں جمع ہوکر اردو کو ایک غیر متناہی وسیع زبان بنا دیں گے۔

تعجب ہے کہ اِن دھرمی دیش واسیوں کو دنیا کی کسی زبان سے کلیش نہیں صرف عربی اور فارسی سے کلیش ہے کیونکہ یہ دونو دراصل مسلمانوں کی زبانیں

ہیں۔ ان کی یہ ایک بیہودہ ہوس ہے۔ اور دل میں خوب جانتے ہیں کہ ہرگز پوری ہونے والی نہیں نہ پوری کچوری کی طرح ان کے تعصب کے چوٹھے کو گرم کرسکتی ہیں نہ کلیش کی اگنی سے دھرمی کڑاہی میں چھن چھن ہوکر بھوگ کا سواد پراپت ہوسکتا ہے۔ بحث عورتوں کی بول چال اور محاورات میں تھی کہ وہ مردوں کی بول چال سے کیوں مختلف ہے۔ اسکی وجہ مردوں کے کاروبار میں حصہ نہ لینا ہے۔ مہذب ممالک میں عورتیں کلرکی وغیرہ کا کام کرتی ہیں۔ سرکاری اور پرائیویٹ دفتروں اور کارخانوں میں ملازم ہیں۔ مردوں ہی کی کمائی پر نہیں ہیں بلکہ خود بھی معاش پیدا کرتی ہیں ہندوستان میں بھی بعض باحیا عورتیں صنعت وحرفت۔ زردوزی۔ مہلائی۔ گوٹا کناری وغیرہ سے معاش پیدا کرنے میں خاوندوں کا ہاتھ بٹواتی ہیں اور ان کی آنکھوں میں ذلیل وحقیر رہنا نہیں چاہتیں یہ نہیں کہ وہ اپنے کو صرف بچے جننے کی کلیں سمجھیں کیونکہ یہ سخت بے شرمی اور حد درجے کی ذلت ہے مگر ایسی باحیا اور خوددار عورتیں شاید فی لاکھ ایک ہوں۔

عورتوں کے محاورات ہی مردوں سے اجنبی نہیں بلکہ اشارے کنائے نخرے۔ غمزے۔ کلے۔ ٹھلے ٹھسے۔ بھپھر ولائے ستم ڈھالے ہیں تکلم کے وقت کبھی ناک پر انگلی رکھنا۔ کبھی تیور بدلنا۔ کبھی منہ بنانا۔ کبھی ٹھینگا دکھانا کبھی ناک چڑھانا کبھی آنکھ مٹکانا۔ کبھی تیوری چڑھانا وغیرہ یہ سب بھاؤ بتلانے اور اپنی حالت کے دلنشین کرانے کے چوچلے ہیں۔ اور رو دینا تو کچھ بڑی بات نہیں۔ آنسو ہر وقت آنکھ پر دھرے ہی رہتے ہیں یہ مردوں کے مار رکھنے کا جادو یا ٹوٹکا ہے غالب ؎

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا ۔۔۔ قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

جب عورتیں کسی بیاہ شادی میں جمع ہوتی ہیں اور اپنے اپنے خاوندوں کا کچا چٹھا کھولتی یا رونا روتی ہیں تو وہ سماں قابل دید ہوتا ہے۔

فیضن۔ (نجبن سے) بُوا تم بہت دیر سے آئیں۔ اگر کچھ دیر اور نہ آتیں تو عقیقہ ہو چکتا۔ اور پھر گلا شکوہ ہوتا تو آنا نہ آنا برابر تھا۔

نجبن۔ بوا کیا کروں دنیا کے دھندوں میں ایڑی چوٹی گرفتار ہوں۔ فجر کیا آئی قیامت آئی بچوں کی چلبلیوں نے وہ مصیبت ڈھائی۔ کہ توبہ۔ کوئی آزار بند پکڑے پائجامہ گھٹنوں تک ڈھلکائے کھڑا ہے کہ طہارت کراؤ۔ منہ ہاتھ دھلاؤ۔ کوئی منہ ہاتھ دھوکر بسورتا اور چیختا چلاتا ہے کہ روٹی لاؤ ہم اسکول جاتے ہیں نہیں تو قمچیاں پڑیں گی۔ کھال اُدھڑ جائیگی اور سبق ازبر نہ سنایا تو چھٹی کے بعد گھنٹہ بھر کی قید ہو جائے گی تمہارا کیا ہے تم تو گھر میں چین سے بیٹھی ماما بخشیاں چکھ رہی ہو۔ اِدھر مظہر کے ابّا جان کا تقاضا ہے کہ اب کچہری ۷ بجے سے ہو گئی کھانا لاؤ۔ صاحب بہادر اجلاس میں آجائیں گے اور پیشی میں مجھے نہ پائیں گے تو غضب ہو جائیگا۔ کیا خبر ہے جرمانہ (جرمانہ) بول دیں کہ معطل کر دیں۔ اور ایمان کی کہونگی تو کہتے سب ٹھیک ہیں۔ مگر میں پانچ ٹانگیں اور سات ہاتھ کہاں سے لاؤں۔ ماما ایسی اپاہج ملی کہ نوج۔ آبے لونڈے جا بے لونڈے کرکے دن تیر کر دیتی ہے۔ گویا گھٹنے ٹوٹی کلموہی پچھلپائی ہے۔ ایسی چھلسی ماما سے تو الٰہی کسی کو پالا نہ پڑے۔ دو لڑکیاں کام کاج میں ہاتھ بٹا دیتی تھیں مگر وہ اپنے گھر بار کی ہو گئیں۔ اب تو سارے جھگڑوں بکھیڑوں کا بوجھ میری ہی اکیلی جان پر ہے۔

فیضن۔ ہم دنیا میں ہیں تو سب کچھ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ وہی کہاوت ہے آپ بیتی کہوں کہ جگ بیتی۔ میرا حال تم سے بھی زیادہ پتلا ہے۔ اولاد کی ہی

خاطر انسان مرتا کھپتا ہے اور خدا سب کچھ آسان کر دیتا ہے۔ ہماری ہزاروں بہنیں اولاد کو پھڑکتی ہیں۔ تعویذ۔ گنڈے۔ وظیفے وظائف۔ جنتر منتر۔ جادو ٹونے سبھی جتن کرتی ہیں مگر ایک چوہیا کا بچہ بھی انہیں نہیں جڑتا۔ پس اولاد کی پرورش سے اجیرن ہو جانا اور گھبرا اٹھنا خدا کی ناشکری ہے۔ کیا معلوم ہے ان میں کوئی ایسی روح خدا بھیجدے جس سے دین و دنیا کا بیڑا پار ہو جائے دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں دودھ پوت۔ دونو خوش قسمتی سے ملتی ہیں۔ بات یہ ہے انسان بہت کمزور اور مزاج کا ہلولا ہے (یہ لفظ ہلوعا سے اخذ کیا گیا ہے قرآن میں ان الانسان خلق ہلوعا الآیہ یعنی انسان سخت جلد باز اور بےصبر پیدا کیا گیا ہے۔ دیکھیے عورتوں میں یہ لفظ کیونکر پہنچا اس لئے اردو زبان سب زبانوں سے مشکل تر ہے کیونکہ اُس میں مختلف زبانوں کے الفاظ و محاورات ملے ہوئے ہیں اور ملتے جاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء و انشا پرداز و مدعیان زبان دانی اُردو الفاظ کی اصل سے واقف نہیں کہ کیا سے کیا ہو گئے۔ فوجوں میں جو منشی لوگ انگریزوں کو پڑھاتے ہیں انگریز چونکہ ذہین ہوتے ہیں جب وہ بال کی کھال نکالتے اور اصل و ماخذ پوچھتے ہیں تو ان سے کچھ بن نہیں پڑتی سٹی بھول جاتے ہیں۔ انگریز کہتے ہیں "ول کالا لوگ ایک کام کرتا اور خود اُس کام کو نہیں جانتا یہ منشی لوگ پڑھانا کیوں مانگتا" خیر ہم اس پر کبھی جداگانہ بحث کریں گے۔ شوکت) ابھی کچھ ابھی کچھ گھڑی میں دیوتا گھڑی میں بھوت۔ اُسے کسی طرح چین نہیں۔ اور بعض مردوں کا ہلوا پن تو ناک چنے چبوا دیتا ہے مگر کیا کریں مُردہ بدست زندہ۔ جس طرح نچائیں ناچنا ہی پڑتا ہے۔

بچوں کی خبر گیری اور آگا تاگا لینا تو دوبھر نہیں۔ نند خاوند کا گلہ شکوہ

ہے خواہ کیسا ہی بدمزاج ہو۔ میّا باوا گائے کی طرح جس کے ہاتھ میں رسّی دیدیتے ہیں خواہ وہ قصائی ہو۔ کنواری کنیاں اسی کے ساتھ ہو لیتی ہے۔ پھر اچنبا یہ ہے کہ اگر سُکھ سے رہی تو اپنی قسمت سے۔ اور دُکھ اور مصیبت بھوگی اور بُرا خاوند ماتھے مارا گیا تو عمر بھر یہ سیا پا ہے اللہ کرے اماں باوا کی گور میں کیڑے پڑیں جنہوں نے ہمیں بلے دیکھے بھالے بے سوچے سمجھے ایک غضبی کے حوالے کر دیا۔ پس لڑکیوں کا معاملہ بہت نازک ہے۔

سید احمد حسن شوکت۔ میرٹھ

بڑے دعوے کا اعلان

تجدید کی ٹکسال میں ڈھلا ہوا ریختہ

ناظرین باتمکین مندرجہ ذیل غزل کا رنگ کسی کے کلام میں نہ پائینگے جس میں فصاحت و بلاغت۔ جدت و نزاکت کی چھٹیاں جڑی ہیں اور صنائع بدائع کے زیور سے آراستہ ہے۔ پھر شاید دو چار شعر عاشقانہ ہوں۔ سب اخلاقی ہیں اور بیدل کے طرز میں۔ اردو شعراء کو اس مسلک پر چلنا اور کلام میں مغز پیدا کرنا اور کامل بننا چاہیئے۔

دودِ درون سوختہ چرخِ بریں نہو
آسودۂ کدورت کلفت زمیں نہ ہو

غیر از بقا نشان فنا دل نشیں نہو
جز لامکاں ہوائے مکان و مکیں نہ ہو

کیوں دل سے ہر نگاہ میں منزل گزیں نہو
وہ برق جلوہ کیا کہ کہیں ہو کہیں نہو

کہتے ہیں ہاتھ حرص کے شکل لب فسوس
نخلِ طلسم دہر سے تو میوہ چیں نہ ہو

ہے کیف مے سے نرگس ساقی جھکی ہوئی
ناز آفریں ہے جو وہ نیاز آفریں نہ ہو

گر کچھ بھی قرب منزل عرفاں کا پاس ہے
غیر از نفس تو نفس سے ہرگز قریں نہو

جو سر فرو نہ ہو وہ کبھی ہو نہ سرخرو
ہو درج نشیں نہ ہو تو سیہ و نگیں نہو

ہو محو سیر جنت نظارۂ جمال
پتلی وہ کیا ہے آنکھ کی جو حور عیں نہو

گزری شب شباب نہ راکھوں چشم دل
تو شیب کے نشیمن میں شکلِ جنیں نہو

گو خاک ہو گئے ہیں پہ سہمے ہوئے ہیں ہم
زیرِ زمیں بھی خوف ہے چرخِ کمیں نہو

رضواں نہ کھائے خلد کا کتنا ہی سبز باغ
دیکھ اس سے وا نیاز کی چین جبیں نہو

کیا تند خوئیوں سے دلِ ناتواں کو باک　　خاشاک - قہر شعلہ سے چیں بر جبیں نہو
انساں کا رتبہ سجدۂ حق سے بلند ہو　　فرشِ زمیں ہے جو وہی عرشِ بریں نہو
کم ہیں نگاہ ناز نہیں کم رقیب سے　　اے لاغری خدا کے لئے نازنیں نہو
آلودہ کر نہ لب سخنِ زشت و ترش سے　　ابتک جو انگبیں ہے وہ سرکنگبیں نہو
تن پروران خاک سے ہے روح کو نہ خوف　　آماجگاہ طعنۂ گردوں زمیں نہ ہو
لگتے ہیں اس میں زندہ دلی سے ہی پھل پھول　　ڈر ہے کہ مردہ وہ دلوں سے زمیں نہو
لے عندلیب کیا سبقِ صرصرِ فنا　　اوراق گل کی گر حرکت سے قریں نہو
دنیا کی سرزمیں میں ہے دامِ بلا نہاں　　دانا اگر ہے طائرِ دل دانہ چیں نہو
عیشِ ابد نتیجۂ کردار نیک ہے　　کہتے ہیں جس کو گلشنِ جنت جبیں نہو
پھیلا کے پاؤں سوتے ہیں سب بعدِ زندگی　　نہ چرخ کی حریف لحد کی زمیں نہو
چیں بر جبیں ریا سے ہے کیوں نقشِ بوریا　　ڈر ہے خراب سجدۂ طاعت زمیں نہو
ہے گوشۂ دل کا تیرے لئے خرمنِ غنا　　تو بہر توشہ پیشِ خساں خوشہ چیں نہو
حاصل ہے اسکو خلدِ حیاتِ ابد کی سیر　　پابندِ غم اسیرِ شہور و سنیں نہو
تھک کر گرا صدف میں تو کم ظرف تھا گہر　　دریا میں اوجِ موج کبھی تہ نشیں نہو
بادِ صبا رقیب ہے مشتِ غبار کی　　نقشِ خرامِ ناز تو چیں بر جبیں نہو
تھا نجد میں سوال یہ لیلیٰ سے قیس کا　　محمل نشیں وہ کیوں ہو جو محفل نشیں نہو
ہوتے ہیں کامیاب بدوں کے طفیل نیک　　کب وصل حورِ عیں ہو جو شیطاں لعیں نہو
گھس جائے تارِ نگہ بلا سے ہوں ہو نقاب　　رونا نگاہ کا ہے اگر دوربیں نہ ہو
تحت الثریٰ ابھی رتبۂ پستی میں کم نہیں　　نازاں تو اپنے اوج پہ چرخِ بریں نہو

الیاس بھی ہو کوئی تو شوکت ہو یاس کیے
جب تک کہ اتباعِ شہِ یاؤسیں نہو

مقدمہ اردو

ہم پر حکومت کرنا ہے تو ہماری زبان سیکھو۔ ہندوستان میں جو دس بارہ برس سے بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس کا سبب لوگ تو انگریزی تعلیم کا اثر بتاتے ہیں مگر ہماری رائے اس کے خلاف ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ علم سے تہذیب اور اخلاق میں ترقی ہوتی ہے تنزل نہیں ہوتا۔ بے چینی نہیں پھیلتی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہندوستان میں بے چینی اس روز سے پھیلنا شروع ہوئی جس روز سے کچہریوں کے حاکموں نے اردو زبان کو غیر ضروری سمجھکر اس کو دفتروں سے نکالنا شروع کیا۔ دفتر کے کاغذات انگریزی میں بدل دیئے اور یہ سمجھکر کہ ہم کو ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے ایسے انگریزی دان لوگ مل سکتے ہیں جن سے ملکی حالت معلوم ہوتی رہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے جو اردو دانی کی شرط قانوناً لازم تھی اس کو برائے بیت حاصل کرکے اپنی روزمرہ کی کارروائی کو وکلا کے بیان پر ختم کر دیا۔ مدعی یا مدعا علیہ جو کچھ روئے پیٹے۔ وہ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔

اردو زبان اب ایسی زبان نہیں ہے کہ اس سے اس طرح کی بے پروائی کی جائے۔

حکام کو لازم ہے کہ وہ ہندوستانی زبان حاصل کرکے ہم پر حکومت کریں۔ کیونکہ بغیر زبان دانی کے مدعی یا مدعا علیہ کی نیت اور لوگوں کے دلی جذبات وخیالات کا حال اچھی طرح نہیں معلوم ہوتا اور قانون اور سیاست کا دارومدار

محض نیت اور خواہش پر ہے۔ ہماری روزمرہ کی بات چیت سے ہماری نیت اور خواہش کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ وکلا ہماری گفتگو کو قانونی زو سے بچا کر ترجمہ کرتے ہیں۔ اس میں حکام کو غلط فہمی ہوتی ہے بڑی بڑی عدالتوں میں تو بغیر وکیل کے کام نہیں چلتا۔ اس پردے میں ہمارے دلوں کا حال حاکموں کو معلوم نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو طبقہ انگریزی جانتا ہے وہ خاطر خواہ کامیاب ہوتا ہے اور حکام بھی اس سے ملتے ہیں اور وہ اس میل جول سے کافی فائدہ اُٹھاتا ہے۔ جو اس نعمت سے محروم ہیں وہ خوار اور ذلیل ہیں۔

ان کی بیکسی قابل رحم ہے۔ وہ کچہریوں میں دھکے کھاتے ہیں۔ وہ رشوتیں دے کر بھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اہل دفتر ان کو لوٹتے ہیں۔ پولیس ان کو دباتی ہے تحصیل ان کو بیگار میں کھینچتی ہے ایسے مصیبت زدوں کی تعداد ملک میں اسّی فی صدی ہے قصور کیا ہے کہ وہ انگریزی نہیں جانتے۔ وہ اپنی ملکی زبان جانتے ہیں۔ ان کی رسائی براہ راست حکام تک نہیں ہے۔ حالانکہ وہ پرانے شریف گھرانے کے لوگ ہیں اگرچہ ان کا آجتک ملک کے اعلےٰ طبقوں میں شمار ہوتا ہے۔

اب ہندوستانی طبقے کی مصیبت اسی صورت میں کٹ سکتی ہے۔ کہ یا تو وہ سب کے سب اپنی مادری زبان انگریزی بنالیں یا کتوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ یہ ناممکن ہے کہ جس قوم میں فی صدی اسّی جاہل ہوں دفعتہً حکام کی زبان سیکھ جائیں اور یہ مسلمہ ہے کہ مختلف وجوہ سے ایک صدی میں بھی تمام اہل ہند انگریزی دان نہیں بن سکتے۔ اس مصیبت نے لوگوں کے دلوں میں حکومت کی طرف سے شکوک پیدا کر دیئے اور عام لوگ یہ سمجھنے لگے کہ حاکم غیر کت ہے اسلئے ہمارا انصاف نہیں کرتا۔ درحقیقت یہ ان کی غلط فہمی ہے

کیونکہ حاکم کے لئے دونوں فریق برابر ہیں بات صرف اتنی ہے کہ دس پندرہ برس سے جو حاکم ہندوستان میں آتے ہیں وہ اردو بات چیت کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ اُن کو کارروائی کے لئے عملہ انگریزی دان مل جاتا ہے اور کچھ انگریزی دان لیڈر شہر کے تمدن سے آگاہ کرنے کو مل جاتے ہیں۔ حکام ان لوگوں کی نصیحتوں کو ملحوظ خاطر رکھکر عام ہندوستانیوں کو منہ نہیں لگاتے اور اردو بولنا گناہ سمجھتے ہیں۔

اس طرز عمل سے ملک میں بے چینی پھیلی ہے اور سخت تشویش لاحق ہے۔ سحر قہر ہے۔ معشوق دیہاتی کی یہ کچی زبان۔ سب تو کہتے ہیں سحر اس کی زباں پر بھور ہے ہر طرح تربوزے کا ضرر ہے حکام کو ذراسی آسانی ہوگئی کہ اردو گفتگو کا بوجھ کم ہوگیا۔ رعیت کی جان آفت میں پڑ گئی۔ وہ کس سے کہے اور کون سُنے گورنمنٹ کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ کیونکہ اس نے تو اپنا قانون نافذ کر دیا ہے کہ جو حاکم ہندوستان میں جائے۔ ہندوستانی زبان ضرور سیکھے اور اس قانونی حکم کی وجہ سے لوگوں کو اردو سیکھنا لازمی ہے۔ امتحان دینے کے بعد کتنے حاکم ایسے ہیں جو اردو بات چیت کرتے ہیں۔ اس کو نہ پوچھیے اگر دس بیس برس اُدھر کے حاکموں سے اور موجودہ حاکموں سے مقابلہ کیجئے تو یہ راز کھل جائے گا کہ اُس وقت کے حاکم کیسی ہندوستانی زبان جانتے ہیں۔

ان وجوہات کی موجودگی میں ہم باادب گورنمنٹ سے عرض کرتے ہیں کہ وہ عام ہندوستانیوں کی مصیبت اور مشکل پر نظر کرکے اس معاملے میں غور کرے۔ اور آئندہ جو ہمارے حاکموں کا اردو زبان میں امتحان لیا جائے تو اس امر کا بھی خیال رہے کہ ممتحن اردو کا قابل زبان دان ہو۔ اور اردو

کے دفتر جو اس وقت تک باقی رہ گئے ہیں ان کی نگہداشت کی جائے اور اردو کے دفتر میں جو ملازمت خالی ہو بشرطیکہ اس کے لئے انگریزی کی ضرورت نہ ہو تو اس پر انگریزی دان کو ترجیح نہ دی جائے۔ حاکموں کا امتحان لینے کے بعد اس بات کی سالانہ جانچ ہوا کرے کہ وہ اردو کی مزاولت رکھتے ہیں یا نہیں اور ابتک انہوں نے اردو گفتگو میں کس قدر ترقی کی۔

ڈاکخانے کی طرف سے بھی اردو کا گلا ریتا جاتا ہے یعنے منی آرڈر کے فارم اردو میں چھپتے ہیں۔ بنک کی کتابیں اردو میں چھپ کر تقسیم ہوتی ہیں۔ لیکن وی پی کا فارم جو سب سے ضروری اور لازمی ہے اسکی اشاعت اردو میں نہیں ہوتی کہ اردو لکھنے والوں کو آسانی ہو۔ اور لوگ تکلیف سے بچیں۔ ایسے فارموں کی اردو میں بہت ضرورت ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگ بھی بیدار ہو چکے ہیں اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ مادری زبان سے دست بردار ہو کر زندگی بسر کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ اردو اپنی عام دلچسپی سے تمام ہندوستان پر اپنا تسلط کر رہی ہے اور انگریزی الفاظ کو بقدر ضرورت اپنے ساتھ شامل کرتی جاتی لیکن یہ بات ان کو کھلتی ہے کہ اردو وانی میں غلامانہ زندگی بسر کرنا پڑتی ہے اور سرکاری دفاتر سے اردو کا کام فنا ہوتا جاتا ہے اور یہ وہ خوب جانتے ہیں کہ سب ہماری غفلت کا نتیجہ ہے۔

مگر اب بھی اگر سرکاری دفاتر کی موجودہ حالت [illegible] کو اپنی قوت سنبھالنے کا موقع مل جائے اور حکام نے اردو زبان کا خاص کر کے انصاف کیا تو انکی تمام شکایتیں مٹ جائیں گی اور خدا کرے کہ ایسا ہو۔

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی

المورکھا

چھٹا باب

سوتے ہوئے طالع کو جگا دے یارب
اسکندر و تیمور بنا دے یارب
مشتاق زیارت ہے بہت دن سے فراق
شبیر کے روضہ کو دکھا دے یارب

یہی حسن آباد جس میں مورکھا اور ماہ منیر آجکل ٹھیرے ہوئے ہیں ایک چھوٹی سی ریاست ہے اور اس کا مالک **اقبال میرزا** نام اس حیثیت کا رئیس ہے جیسے ہمارے ہندوستان میں زمیندار تعلقہ دار ہوتے ہیں ایران والے اپنی اصطلاح میں زمیندار کو مرزبان کہتے ہیں اقبال میرزا نوعمر آدمی ہے اور مزاج کا بہت ہی کڑوا ہے ظلم وستم کو کھیل سمجھتا ہے حسن آباد کے علاوہ بیس پچیس گاؤں اور اس کے قبضہ میں ہیں وہ اپنے زعم میں حسن آباد کو دارالسلطنت اور پچیس گاؤں کو ولایت جانتا ہے رعایا کو ستاتے ستاتے علاقہ کو بے چراغ کر دیا ہے حسن آباد سے شریف اور عزت دار گھرانہ اس کی سختی سے نکل کر بھاگ چکے ہیں بڑے بڑے سوداگر اور مالدار تاجر سیٹھ ساہوکار جن کی ہنڈوی طہران نیشا پور شیراز مرو ہمدان میں چلتی تھی۔ اُن کو

اس نے ننگا کر کے اور گدھے پر چڑھا کر اپنی سرحد سے باہر نکلوا دیا ہے۔ اور اُن کے لاکھوں روپیہ نقد اور لاکھوں روپیہ کی جنس اپنے گھر میں بھر لی ہے مارے غرور کے یہ زمین پر قدم نہیں رکھتا ہے اور آدمی کو آدمی نہیں گنتا ہے گویہ چھوٹا سا رئیس ہے مگر اس سبب سے کہ سلطنت کا نظم و نسق بگڑا ہوا ہے کوئی اتنا پوچھنے والا بھی نہیں ہے کہ تیرے منہ میں کے دانت ہیں اور تو کیا کرتا ہے یہ کھلے خزانہ ظلم کرتا ہے آدمی کا قتل کروا دینا اسکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے فصل اچھی ہو یا بُری مینہ برسے یا نہ برسے کھیتوں میں اناج پیدا ہو یا نہ ہو سستا سماں ہو یا کال اس کو زمین کا محاصل وصول کر لینا اور ایک پیسہ کے بدلے ایک روپیہ اور ایک روپیہ کے بدلے ایک اشرفی لے لینی اگر کوئی بہت غریب ہوا اور دیکھا کہ اس سے کسی طرح وصول نہیں ہو سکتا ہے تو اس کے گھر کے کواڑ چوکھٹ کپڑا لتّہ تانبا پیتل کے برتن لوہے کے اوزار مویشی قورق کر لئے اور اُس کو دھکے دلوا کر اپنے علاقہ سے نکال باہر کیا رعایا سے بدتر نوکروں کا تباہ حال ہے ایک نوکر اور دس کام اُس کے سپرد ہیں رات دن بیچارہ کولھو کے بیل کی طرح چلتے رہتے ہیں اور اپنا خون پانی ایک کرتے ہیں مگر اُس کو پھر بھی کسی کا کام پسند نہیں شریف ہو یا رذیل یہ سب کو ایک ہی لاٹھی ہنکاتا ہے اور بغیر گالی کے بات نہیں کرتا ہے شاید کوئی خوش نصیب ایسا ہو گا جو مہینہ بھر کی پوری تنخواہ اُس کے خزانہ سے لے لیتا ہو نہیں خاک برابر قصور پر وہ اتنا بھاری جرمانہ کر دیتا ہے کہ وہ تنخواہ اُس میں مجری کر لی جاتی ہے اور کچھ گھر سے لا کر دینا پڑتا ہے جب کہیں جا کر چھٹکارہ ہوتا ہے۔ نوروز عید بقرعید پر ایران میں قاعدہ ہے کہ نوکروں کو اُن کی حیثیت کے موافق آقا انعام دیتے

ہ-اس قاعدہ کو اس نے موقوف تو اسلئے نہیں کیا ہے کہ بدنامی ہوجاتی
ایسا ڈھنگ نکال لیا ہے کہ گرہ سے انعام دینا نہ پڑے اور نوکروں کو
نام مل جائے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سال بھر تک نوکروں پر جرمانہ کرکے
ن کی تنخواہ روک رکھتا ہے اور جب نوروز عید بقرعید کا موقع آتا ہے۔
ر اُن کے عرضی پرچہ دینے پر وہ رقم جرمانہ کی معاف کردیتا ہے اُنہیں
ل جوتی اُنہیں کا سر کر دیتا ہے اور اُن بیچاروں کو روکی ہوئی تنخواہ کا ملجانا
ہی غنیمت ہوجاتا ہے بخیل ایسا ہے کہ خدا کے نام پر ایک جھنجی کوڑی نہیں
دیتا ہے۔زکوٰۃ دینے کے بدلے چوگنا سود لیتا ہے۔مہمان کے نام سے گھبراتا
ہے اگر کوئی شامت کا مارا مہمان آجاتا ہے تو اُس کے سامنے اتنا ذرا سا
کھانا رکھواتا ہے کہ اُس کا آدھا کیا چوتھائی پیٹ بھی نہیں بھرتا ہے اور
دسترخوان پر سے بھوکا کھڑا ہوجاتا ہے اور اگر منہ سے کچھ نہیں کہتا ہے تو
دل میں ہزاروں لعنتیں ڈالتا ہے اور کہتا ہے خدا مجھے اب تیرے دروازہ
پر پھر کبھی نہ لائے مذہب اس کا کچھ نہیں سُنی نہ شیعہ نہ آتش پرست نہ
یہودی اس کا قول ہے کہ ہمارے بڑے اسلام کے دل سے گرویدہ نہ تھے
مصلحتاً مسلمان ہوگئے تھے کیونکہ اس زمانہ میں اہل اسلام کا طوطی بول
رہا تھا ترک مغل آتش پرست یہودی جو مسلمان ہوجاتا تھا اہل اسلام
اُس کو حمایت میں لے لیتے تھے اور ہمیشہ اُن کے مددگار رہتے تھے ملک
بخش دیتے تھے ایران توران کو انہوں نے کھنگال ڈالا تھا اُن سے
جیتنا ناممکن تھا ستارہ اُن کا سامنے تھا چلپی تاتنی ہاری یہ سمجھے کہ ہمارے
باوادادا سچ مچ مسلمان ہوگئے تھے مگر مجھ جیسے عاقل جانتے ہیں کہ وہ بظاہر
مسلمان ہوگئے تھے مگر دل اُن کے دساتیر و ژند کی طرف مائل تھے میں بھی

گو اسلامی رسم و رواج میں پھنسا ہوا ہوں مگر جی میرا زردشت اور آتشکدہ پر
بھی قربان ہے عیش پرست بھی حد درجہ کا ہے رات دن شراب پیتا ہے۔
ایک چھوڑ دو ہری بیویاں ہیں ایک رنڈی بھی نوکر ہے مگر پھر بھی اس کی
نیت ڈانواں ڈول رہتی ہے بوڑھی ہو یا جوان کالی ہو یا گوری میلی اور
بدتمیز ہو یا ستھری اور سلیقہ والی ہو خوبصورت ہو یا بدشکل اس کی سب پر
رغبت آجاتی ہے بڑی بیوی کا نام **عالم آرا** وہ تو اسے سرے سے پسند ہی
نہیں نہ اُس کو منہ لگائے دوسری بیوی کا نام **گوہر بانو** ہے البتہ اُس سے
کچھ پیار اخلاص ہے مگر دونوں کو حکم ہے کہ بھلا روز روز نہیں تو تیسرے
چوتھے دن میرے شبستان میں ایک نوجوان عورت بھیج دیا کرو لونڈی ہو یا
باندی ہو مگر اور اگر ایسا نہ کرو گی تو
تمہاری خیر نہیں سڑا سڑا کر مروا ڈالوں گا کچھ دنوں تو عالم آرا اور گوہر بانو
میاں کی اس انوکھی فرمائش سے جھلائیں مگر جب اقبال میرزا نے جوتی سے
خبر لینی شروع کی تو مرتا کیا نہ کرتا وہ میاں کے لئے کٹنیاں بن گئیں اور بغیرتی
کی لینے لگیں محلسرا میں جو عورت آگئی اُسے بہلا پھسلا کر کچھ دے دلا کر راضی
کرلیا اور میاں کے پاس بھیج دیا اور اسی طرح سینکڑوں شریف زادیوں
کی عزت اور آبرو برباد کردی اب بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کا تو کیا ذکر
ہے کاچھن اور دھوبن تک محلسرا میں جاتی گھبراتی ہیں اور کانوں پر ہاتھ
دھرتی ہیں اس بیحیائی کی خبر حسن آباد سے لیکر سینکڑوں کوسوں تک پہنچ گئی
ہے اور ہر شخص ادنےٰ اعلےٰ اسے ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے مگر یہ چکنا گھڑا
ہو گیا ہے اور کسی کے کہنے سننے کی اس کو پروا نہیں ہے اس نازیبا حرکت
کے سبب سے وہ ڈر اور خوف جو بیویوں کو میاں کا ہوتا ہے عالم آرا اور

گوہر بانو کے دل سے جاتا رہا ہے اور دونوں کی دونوں کھل کھیلی ہیں۔ ان دونوں کے سر پر چڑھنے کا سبب یہ بھی ہے کہ حضرت کے قویٰ کچھ نہیں ہیں صرف ہوس ہی ہوس ہے حکیم ابو الفتح طوسی دوا پر دوا مقوی لبوب اور یاقوتیاں اور معجونیں اور ماء اللحم کھلاتا پلاتا ہے مگر خاک بھی نہیں ہوتا بڑی بیگم نے تو بہ تنگ ہو کر میاں کے ایک خدمت گار آغا کوچک سے راہ و رسم پیدا کر لی ہے اُس پر جی جان سے قربان ہے اور اُسے دیکھے سے جیتی ہے چھوٹی نے ابو الفتح طوسی کو پھانس رکھا ہے اور حکیم صاحب اُنکے درد دل کی دوا بنے ہوئے ہیں اور اگر کسی ضرورت سے حکیم صاحب باہر چلے جاتے ہیں تو اپنا دل بہلانے کے لئے ایک ڈومنی بلا لیتی ہیں جس کا ماہ پرور نام ہے اور اپنے کام کی ایک ہی ہے مردوں کے کان کترتی ہے۔ یہ بدبخت اقبال میرزا شراب میں ہر وقت مخمور رہتا ہے اور اُس کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ میرے گھر میں کیا ہو رہا ہے ریاست کا کام ایک اہل کار پر چھوڑ رکھا ہے اور اُس کے ہاتھ میں سیاہ و سفید ہے وہ اہل کار جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور اس احمق کو لوٹے کھاتا ہے۔ اقبال میرزا نے رات کو دن اور دن کو رات بنا لیا ہے کیونکہ اس کا سارا دن شراب کے نشہ میں یا سونے میں گذر جاتا ہے دن کے تین بجے اُٹھکر کھانا کھاتا ہے اور پھر جو جاگتا ہے تو رات کے تین بجا دیتا ہے یہ اپنی عمر اسی طرح برباد کر رہا ہے اس وقت بھی رات کے دس بج گئے اقبال میرزا صاحب کی محفل گرم ہو رہی ہے شراب کا دور چل رہا ہے ساقی گلاس پر گلاس دیئے جاتا ہے اور اقبال میرزا اور میرزا صاحب کے مصاحب زہر مار کئے جاتے ہیں اسی حالت میں حکیم ابو الفتح طوسی محفل میں داخل ہوتے ہیں۔

حکیم صاحب۔ بندگان عالی کی خدمت میں آداب بجالاتا ہوں۔

اقبال میرزا۔ آداب۔آداب۔ آئیے حکیم صاحب ادھر میرے پہلو میں تشریف لے آئیے۔

حکیم صاحب۔ (جھک کر) مزاج عالی۔

اقبال میرزا۔ خدا کا شکر ہے اور لوگ تو وبا کے ڈر سے نمازیں پڑھنے لگے ہیں گناہوں سے توبہ کرتے ہیں رات کے وقت اذانیں دے دیکر اللہ میاں کی نیند اوچاٹ کرتے ہیں اور اپنے خیال میں اذانوں کے کوڑہ سے وبا کو مار کر بھگاتے ہیں اور یار لوگ اس شعر پر مٹے ہوئے ہیں ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

پہلے دن رات میں دو بوتلیں پیتا تھا مگر جس دن سے آپ نے فرمایا ہے کہ آب وہوا کی خرابی کے وقت میں شراب تندرستی کی حفاظت کرتی ہے میں نے دوگن کر دی ہیں چار بوتلیں اُڑا جاتا ہوں اور وہ بھی نیشا پور والی نہیں خاص شیراز کی جس کا گھونٹ حلق سے لگا کر معدہ تک لکیر باندھتا چلا جاتا ــــ

حکیم صاحب۔ ؎

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار | ساقی و مغنی و شراب و سرودے
زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند | حق را بہ سجودے و نبی را بہ درودے

آپ نے بہت اچھا کیا جو دوگن کر دی جب تک وبا ہے کم نہ فرمائیے گا مگر آجکل ذرہ تربوزوں سے پرہیز چاہئے وبائی اثر پھلوں پر بھی ہو جاتا ہے ہمارے قبلہ و کعبہ شیخ فرماتے ہیں۔ الوباء لیفسد الاشجار و النباتات

فیفسد معتافانہا من المائشینہ فتفسد اھلہا من الناس۔

اقبال میرزا ۔ حکیم صاحب یہ تو فرمائیے اب قصبہ میں وبا کا کیا حال ہے۔

حکیم صاحب ۔ پہلے ہفتہ میں بہت تیزی رہی جس نے ہیضہ کیا بچا ہی نہیں ادھر کیا ادھر مرگیا علاج کی نوبت ہی نہ آئی دوسرے ہفتہ میں وہ تیزی کم ہوگئی علاج معالجہ کا موقع مل گیا بہت سے مرجاتے تھے اور تھوڑے بچ جاتے تھے اب تیسرا ہفتہ ہے اس میں بہت تو بچ جاتے ہیں۔ اور خال خال مرجاتے ہیں مگر حضرت ایک علاج میں نے اعجاز کا کیا ہے ایک مریض یا مریضہ ایسی اس مرض میں مبتلا ہوئی یا ہوا کہ نبض ساقط ہوگئی بدن تخ ہوگیا آنکھیں مچھ گئیں ناخن اور دانت نیلے ہوگئے سرسام ہوگیا چھ دن تک بیہوش رہا یا بیہوش رہی مگر تدبیر کارگر ہوگئی اور وہ اچھا ہوگیا یا اچھی ہوگئی۔

اقبال میرزا ۔ بیشک ایسے مریض کا اچھا ہونا تعجبات سے ہے خدا کو اسکی جان بچانی منظور تھی اور آپ کا نام ہونا تھا مگر یہ فقرہ سمجھ میں نہ آیا کہ مریض تھا یا مریضہ تھی اچھا ہوگیا یا اچھی ہوگئی کیونکہ ایک انسان عورت اور مرد دونوں نہیں ہوسکتا ہے۔ آخر یہ آپ نے کیا فرمایا۔

حکیم صاحب ۔ اس معالجہ میں لطیفہ تو یہی ہوا ہے۔

اقبال میرزا ۔ حکیم صاحب خدا کے لئے جلد فرمائیے مجھے تو خفقان ہوگیا یہ معمہ کیا ہے۔ اس جملہ میں آپ کے کوئی گہری حکمت ہے جو میں بالکل نہیں سمجھا آپ کا مسکرانا ہی کہے دیتا ہے کہ یہ کوئی بڑی بات ہے۔

حکیم صاحب ۔ (ہنس کر) واللہ انمول بات ہے بات کیا قارون کے خزانہ کی کنجی ہے اور آپ کے ڈھب کی ہے مگر حضرت ایسی باتیں مفت

میں نہیں سنائی جاتی ہیں ان کا کچھ شکرانہ نذرانہ بھی ہونا چاہئیے۔

اقبال میرزا۔ جو آپ فرمائیں وہ ہی نذرانہ پیش کیا جائے گر للہ آپ جلد مجھے اس بھید کو بتائیے میرے پیٹ میں تو پانی ہوا جاتا ہے۔

حکیم صاحب۔ (اقبال میرزا کے کان میں جھک کر) مجھے ایک خزانہ کا سچا پتہ مل گیا ہے اور اُس میں سے کچھ مال بھی میرے ہاتھ لگا ہے مگر مجھ میں اتنی قدرت اور ہمت نہیں ہے کہ میں اُسے نکال سکوں اور اکیلا ہضم کر سکوں آپ شریک ہو جائیں تو آسانی سے اُس پر قبضہ ہو جائے آدھا آپ کا اور آدھا میرا اور اگر آپ کو میری اس عرض کرنے کا یقین نہ ہو تو لیجئے دیکھئے یہ کیا ہے۔ یہ کہکر حکیم صاحب نے جیب سے بڑی بڑی چھ اشرفیاں نکال کر اور لوگوں کی آنکھ بچا کر اقبال میرزا کی ہتھیلی پر دھردیں اور وہ اُن کو دیکھکر اُچھل پڑا۔

اقبال میرزا۔ واللہ حکیم صاحب میں تو اس وقت تک ہنسی دل لگی کی ہی بات سمجھتا تھا مگر اس کی تو کچھ اصلیت بھی معلوم ہوتی ہے اوہو ایک ایک اشرفی پچاس پچاس روپیہ سے کم کی نہ ہوگی اور ان کے سن کہے دیتے ہیں کہ بیشک یہ اگلے وقتوں کی ہیں مگر کیا کھرا سونا بھی انگارہ کی طرح پڑا دہکتا ہے۔

حکیم صاحب۔ بھلا میں نے کبھی آپ سے دل لگی کی ہے جو آپ کو یہ خیال آیا واقعی مجھے خزانہ کا پتہ ملا ہے اور ایک خزانہ کا پتہ نہیں دو خزانوں کا ایک ہیرہ اور زمرد کے خزانہ کا۔ دوسرے حُسن کے خزانہ کا۔

اقبال میرزا۔ آج تو واللہ آپ کی تقریر میں جادو کا اثر بھرا ہوا ہے مجھے تو آپ نے پاگل بنا دیا اے لیجے وہ نشہ وشہ سب ہرن ہو گیا خدا کے لئے

پ کیوں تڑپاتے ہیں اس پہیلی کو جلدی سے بوجھ دیجئے۔

حکیم صاحب۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جو بھری محفل میں کہدی جائے
آپ جانتے ہیں مجلس میں چھچھورے اور پیٹ کے ہلکے بھی ہوتے ہیں۔ اور
ان کی وجہ سے خدا جانے بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے خلوت
میں چل کر بیٹھیے وہاں آپ کے سامنے ذرا اور احال بیان کرونگا۔

اقبال میرزا۔ (اپنی دونوں کلّوں پر تھپڑ مار کر) بہت درست بہت درست
مجھ سے غلطی ہوئی اور ہمنشینوں کی طرف مخاطب ہوکر آپ سب تشریف
رکھیں اور بدستور شغل کئے جائیں میں دوسرے کمرہ میں اٹھا جاتا ہوں۔
مجھے کچھ حکیم صاحب سے کہنا سننا ہے یہ کہکر اقبال میرزا اور حکیم صاحب
اٹھے اور دوسرے کمرہ میں جا بیٹھے۔

حکیم صاحب۔ میر مسلمان ہمارا خفتان دوسرے کمرہ میں سے اٹھا لاؤ
سردی بہت ہے۔

میر مسلمان۔ بہت اچھا۔ میر مسلمان خفتان اٹھا لایا اور حکیم صاحب کے
کندھوں پر ڈالکر کمرہ سے باہر نکل آیا اور برآمدہ میں پردہ سے لگ کر
بیٹھ گیا۔

اقبال میرزا۔ فرمائیے جناب حکیم صاحب۔

حکیم ابو الفتح طوسی۔ آٹھ نو دن ہوئے میرے پاس ایک نوجوان آدمی
بہت حسین بہت خوبصورت حسن آباد کے ایک آدمی کے ساتھ میرے
مکان پر گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگا میرے آقا سمرقند کے رہنے والے
ہیں اور اتفاقاً یہاں آئے ہوئے ہیں بزوکی سرا میں مقیم ہیں رات کو
انہوں نے ہیضہ کیا ہے آپ کی مہربانی ہوگی تشریف لے چلئے اور ان کو

دیکھ لیجیے میں اپنی عادت کے موافق بے تامل تن جام میں سوار ہو کر اُسکے
ساتھ ہولیا وہ برزو کی سرا میں زنانہ محلسرا کے اندر لے گیا میں نے
محلسرا کے کمرہ میں جاکر دیکھا کہ ایک نازک اندام پری پیکر لڑکا جس کی
عمر چودہ پندرہ سال کی ہوگی امیرانہ لباس پہنے بچھونے پر پڑا تڑپ رہا
ہے مگر بیہوش ہے۔ خیر میں نے نبض دیکھی ہاتھ پاؤں کے ناخن دیکھے اور
مجھے قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہ لڑکا نہیں عورت ہے مگر کسی باعث سے
مردانہ بھیس میں ہے اُسی شخص سے جو مجھے لیگیا تھا۔ اور جس نے اپنا
مور کھا نام بتایا تھا میں نے پوچھا کیوں بھئی تمہارے آقا کا کیا نام ہے
تو کہا مجھے یاد نہیں پھر میں نے اُسے ڈر بڑایا تو کہا ان کا نام فرخندہ جمال
ہے ایک اشرفی مجھے نذر کی ایک اشرفی دوا کے لئے دی میں پانچ چار
وقت اُسے دیکھنے کے لئے سرا میں گیا اور اپنا شبہ مٹانے کی غرض سے
بیہوشی کی حالت میں اُسے کئی بار میں نے ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسکے
سر پر دو دو گز لمبے بال ہیں جنکی خوشبو اور سیاہی کے آگے مشک اور عنبر
پانی بھرتا ہے جب وہ اچھی ہوگئی اور اُس کے اوپر پانی پھر گیا تو اُسکے
چہرہ کی آب وتاب کے سامنے دھوپ میلی دکھائی دینے لگی اُس کی آواز
کی نزاکت اور ہاتھوں کی نرمی سے میں نے یقین کرلیا کہ یہ عورت ہے
چھ سات دن میں دس اشرفیاں مور کھا نے مجھے دیں ایک دن میں اُس
نازنین کے پلنگ کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جو مور کھا نے خورجی میں
سے ایک ڈبیہ نکالی اور میری طرف سے پیٹھ کرکے ڈبیہ کو کھولنا چاہا مگر
میں نے بھی نظر لڑا ہی دی جب اُس نے ڈبیہ کھولی تو میں نے دیکھا اُسمیں
بیس پچیس تو روپیہ سے بڑی اشرفیاں رکھی ہیں اور کوئی پچاس جواہر کے

دانہ پڑے چمک رہے ہیں جن کی جوت چھت پر پڑ رہی ہے میرے خیال میں ایک ایک دانہ جواہر کا دس دس ہزار کی قیمت کا ہوگا جب میں سمجھا۔ کہ یہ کوئی شاہزادی یا وزیرزادی ہے اور مورکھا کی حسن وجوانی پر فریفتہ ہوکر اس کے ساتھ گھر سے نکل بھاگی ہے اور گہنا پاتا جواہر روپیہ اشرفیاں جو کچھ پلہ پڑ گیا ہے لے آئی ہے اقبال میرزا صاحب واللہ باللہ عورت نہیں چاند کا ٹکڑا ہے بخدا اگر تو ظالم کی چھلہ سی ہے اُسکی پیاری شکل دیکھکر آدمی کیا فرشتہ چیخ اُٹھے کیا کہوں کس قدر حسین مہ جبیں ہے۔ اقبال میرزا اس داستان کو سنکر دیوانہ ہوگیا بہت دیر تک جھومتا رہا۔ پھر یوں کہنے لگا۔

اقبال میرزا۔ حکیم صاحب خیر جواہر وواہر کو جانے دیجے وہ خود کان جواہر ہے حکیم صاحب آپ نے اُس کی تعریف میرے سامنے کرکے مجھے تو بخدا بالکل بے عقل کردیا اللہ اللہ ایسے بھی دنیا میں خوبصورت آدمی رہتے ہیں۔

حکیم صاحب۔ خیر اب زیادہ تعریف توصیف جھوٹ سمجھی جائے گی جب آپ اُس آتش کی پرکالہ کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ابوالفتح ٹھیک کہتا تھا اور کہیں صرف وہی ایک ڈبیہ جواہر کی اُسکے پاس تھوڑی ہی ہے ایجناب اُس کے ساتھ جواہر سے بھری ہوئی دو خرجیاں اچھوتی ہیں جو کروڑوں روپیہ کی قیمت کی ہونگی۔

اقبال میرزا۔ جناب حکیم صاحب قبلہ میں جانتا ہوں ہمارے دن کچھ بھلے آگئے ہیں جو دولت اپنے پاؤں سے چل کر ہمارے گھر آن پہنچی ہے خدا کا چھپر پھاڑ کر دینا اسی کا نام ہے اور آپ کا تو میں عمر بھر کیلئے غلام ہوگیا

حضرت وہ دولت مجھ تک پہنچ جائے پھر میں ساری کی ساری آپ کے سامنے دھر دونگا۔ اور جو کچھ ہاتھ اٹھا کر اُس میں سے مجھے دینگے اللہ آمین کر کے میں اُسے لے لونگا مگر قبلہ اُس معشوق کی طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھنے دونگا اس میں کسی کا ساجھا نہیں ہوسکتا ہے۔

حکیم الوالفتح طوسی۔ آپ نے میرزا صاحب یہ کیا ارشاد فرمایا کہ اگر وہ دولت مجھ تک پہنچی اے حضرت وہ تو آپ تک پہنچ گئی اُس کو تو آپ اپنی مُٹھی میں سمجھئے مگر آپ نے یہ جو فرمایا کہ میں آپ کا غلام ہو جاؤں گا اس فقرہ نے مجھے گھڑوں پانی میں نہلا دیا اے حضور میں خود آپ کا بے دام کا غلام ہوں آپ کا نمک کھاتا ہوں آپ کے شہر میں رہتا سہتا ہوں سے

من بندۂ حضرتِ کریم پروردۂ نعمتِ قدیم
گر بے ہنرم وگر ہنرمند لطفست امیدم از خداوند

وہ دولت کیا اگر قارون کا خزانہ مجھے پاجائے تو آپ پر سے وار کر پھینک دوں۔

اقبال میرزا۔ میں آپ کے ان بزرگانہ الفاظ کا جو میرے حق میں آپ نے زبان مبارک سے نکالے ہیں کسی طرح شکریہ ادا نہیں کرسکتا ہوں اب یہ فرمائیے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

حکیم الوالفتح۔ کیجے گا کیا ایسا کام ہی کیا ہے کل صبح چار ہیکڑ سپاہی بھیجدیجے اور دونوں کو پکڑوا بلائیے۔

اقبال میرزا۔ اے جناب صبح کیسی صبح تک صبر کس سے ہوسکتا ہے اسی وقت جمعدار کو بھیجکر بلوائے لیتا ہوں۔

حکیم الوالفتح۔ اس وقت بلانا مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ رات ہے آئی نہیں

۱ وہ اُٹھیں گے غدر حمعدار کریگا سخت شور وغل ہوگا بھانڈا پھوٹ جائیگا آپکی طرف سے رعایا ہو رہی ہے آپ کی بدظن اور سارا حسن آباد آپ کے خون کا پیاسا ہے اور اس سوچ میں پڑا ہوا ہے کہ کوئی موقع مل جائے تو آپ کو کسی بلا میں پھنسا دیں بادشاہ کے کان تک اس خبر کو پہنچا دیں گے پھر وہ عورت چھپ کر بادشاہ کے پاس پہنچ جائے گی تو رتی سے رائی بھر سارا حال بادشاہ سے کہے گی جو کچھ مال دولت ہے وہ بھی جائے گی مگر ساتھ ہی اسکے آپ کی جان خیر بھی بہت ہی بہت ہو گی۔

اقبال میرزا۔ سچ ہے کہ آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے میں نے سُنا ہے **بگلر بیگ** یعنی صوبہ کے پاس دس پندرہ عرضیاں حُسن آباد سے میری شکایت میں بھیجی گئی ہیں اور ایک شخص بادشاہ کے پاس میرے ظلم کی فریاد لیکر گیا ہے اچھا تو پھر صبح پر ہی رکھئے مگر ایسا نہ ہو وہ صبح کو چنپت ہو جائیں اور ہم مونچھیں پھڑکاتے اور ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

حکیم ابوالفتح۔ اس کا میں ذمہ کرتا ہوں وہ صبح کیا ابھی چھ سات دن بھی حسن آباد سے ٹالے نہیں ٹلیں گے کیونکہ مورکھا نے آج ہی مجھے چار اشرفیاں اور دی ہیں اور کہا ہے کوئی ایسی دوا بنا دیجے جس سے طاقت جلدی آجائے میں نے اُس سے کہدیا ہے دوا تو طاقت کی بن جائے گی مگر چار پانچ روز سے کم میں نہیں بنے گی اور اس پر وہ یہ کہہ گیا ہے کہ اتنے دن تو ہم ابھی یہاں ضرور ٹھیریں گے۔

اقبال میرزا۔ گر اس میں کیا مضایقہ ہے کہ چار سپاہی خفیہ طور پر سرا کے دروازہ کی نگرانی کے واسطے مقرر کر دیئے جائیں اور اُن کو سمجھا دیا جائے کہ اگر اس صورت اور اس وضع قطع کے دو آدمی صبح جانا چاہیں تو اُن کو روکیں

اور نہیں کہلا بھیجیں۔

حکیم ابوالفتح۔ یہ رائے آپ کی بہت مناسب ہے پہرہ سرا کے دروازہ پر ضرور لگا دیجیے مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔

اقبال میرزا۔ کیا مقدور ہے۔

حکیم ابوالفتح۔ تو اچھا میں رخصت عرض کرتا ہوں۔

اقبال میرزا۔ بسم اللہ مگر مہربانی فرما کر صبح ہی تشریف لے آیئے گا کیونکہ ابھی تو یہ مشورہ باقی ہے کہ اُن کو کس بہانہ سے قلعہ میں بلوایا جائے۔

حکیم ابوالفتح۔ میں تو صبح ہی آجاؤں گا مگر آپ کے ہاں صبح تین بجے شام کے ہوگی۔

اقبال میرزا۔ نہیں حکیم صاحب آج ایسا نہ ہوگا انشاء اللہ تعالےٰ میں نماز کے وقت اُٹھ بیٹھوں گا۔ آپ خاطر جمع رکھیے۔

افسوس افسوس بے پروگی کیا بُری چیز ہے اور ماہ منیر کی اس کمبخت نے کیا شاعت بنائی ہے اور کیا مٹی خراب کی ہے پہلے تو ملا بدرالدجے کے للچانے نے مصیبت توڑی پھیر بیچ میں وتو کے دسہرہ میاں مورکھا پیدا ہوئے انہوں نے آگ دیکر محل سے نکالا اور حسن آباد لے پہنچے جو حکیم صاحب آنازل ہوئے انہوں نے دیکھا کہ بھاری پتھر ہے چوم کر چھوڑ دینا پڑے گا اسلئے اپنا الو ہاتھ سے کیوں کھوؤ اقبال میرزا سے جا لگایا وہ بے دیکھے ہی فریفتہ ہوگئے دیکھیے اس بے پردگی کے ہاتھوں کیا ہونی ہے۔ یہاں تو مورکھا اور ماہ منیر کے پکڑنے جکڑنے اور پھانسنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں وہاں مورکھا اور ماہ منیر بیگم سرائے کے محل میں پڑے بےخبر سو رہے ہیں کیونکہ کئی دن جو ماہ منیر بیماری کی وجہ سے اور مورکھا تیمارداری کے باعث سے بےچین رہے

ہیں اور دن رات نہیں سوئے ہیں اب اُس کے بدلے سُکھ لے رہے ہیں رات
کے ٹھیک بارہ بجے ہیں سرا میں سناٹا ہے ہوا زور سے چل رہی ہے اندھیری
چاروں طرف چھا رہی ہے مسافر اپنے اپنے حجروں کوٹھریوں کمروں میں
بیخبر پڑے سو رہے ہیں سرا کے دروازہ میں جو بانسوں کا پھاٹک ہے اسکی
کنڈی لگی ہوئی ہے مگر ابھی قفل نہیں لگایا گیا ہے کیونکہ سرا کا چوکیدار جسکے
یہ کام سپرد ہے اپنے گھر سے ابھی نہیں آیا ہے۔ ناگہاں ایک شخص جس نے
اپنا منہ سیاہ کمبل میں چھپا رکھا تھا بہت ہلکے قدموں سے سرا کے دروازہ
پر آیا اور اپنی تیز بین آنکھوں سے اُس نے دیکھا کہ دروازہ میں چراغ جل
رہا ہے مگر کوئی مسافر یا چوکیدار نہیں دکھائی دیتا ہے اُس شخص نے اِس
موقع کو غنیمت جانا اور باہر سے ہاتھ ڈال کر اندر کے رُخ جو کنڈی لگی ہوئی
تھی کھول دروازہ میں آگیا اور پھاٹک کی کنڈی چپکے سے لگا کر چوروں
کی طرح بہت چوکنا سرا میں گھسا ہر قدم پر اُسے یہ خیال تھا کہ آہٹ نہو اسے
لیجے وہ تو ہولے ہولے اُس محلسرا کے دروازہ پر جا پہنچا جس میں ماہ منیر
اُتری ہوئی ہیں اس شخص نے محل کے دروازہ پر دستک دی مگر جب اندر
سے جواب نہ آیا تو اس نے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔

مورکھا۔ (محل کے صدر دالان میں سے جہاں وہ سویا کرتا تھا) کون۔

کھٹ کھٹ۔

مورکھا۔ کون ہے بولتا کیوں نہیں ہے آدھی بجے دروازہ کھٹ کھٹانے
سے حاصل جب تک تو بولے گا نہیں میں دروازہ کھولنے کا نہیں کئے جا

کھٹ کھٹ۔

آواز۔ (گھبرائی ہوئی) حضرت دروازہ تک آیئے آپ سے بڑا ضروری کام

ہے۔

مورکھا آواز سن کر چونکا کیونکہ اُسے وہ آواز کچھ آشنا معلوم ہوئی اور جھٹ پٹ ڈھیوڑی میں گیا مگر احتیاطاً ننگی تلوار جو اُسکے پاس رکھی ہوئی تھی ہاتھ میں لیتا گیا۔

مورکھا۔ کون صاحب ہیں اس وقت آدھی نجے پردیس میں ہمارا کونسا خالہ کا خلیجہ آگیا۔

آواز۔ (باہر دروازہ سے) حضرت میں ہوں میر مسلمان حکیم صاحب کا خدمتگار اور آپ کا نمکخوار خدا کے لئے جلد دروازہ کھولئے بہت ضروری کام ہے

مورکھا نے آواز پہچان کر دروازہ کھول دیا اور کہا خیر باشد اس وقت کیونکر آنا ہوا۔

میر مسلمان۔ اندر مکان میں چلئے ایسی بات نہیں ہے جو ڈھیوڑی میں کہدوں دوسرے میرا سانس اُکھڑ رہا ہے بھاگا ہوا آیا ہوں دم پیٹ میں نہیں سماتا ہے بیٹھ کر کہوں گا۔

مورکھا۔ الٰہی خیر اچھا آپ اندر آئیے۔

(باقی آیندہ)

فسانہ

خیالات کا اثر جسم انسان پر

بے آزار مگر خوفناک علمی تجربہ

نقب زنی کی عجیب و غریب سزا

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۵)

مذکورہ بالا دونوں شخص جو دو مشہور ڈاکٹر اور جراح تھے۔ قضائے مبرم کی طرح شارپ والے کمرہ میں آ پہنچے۔ اور اپنے قیدی کے چہرہ اور جسم کو نہایت غور سے دیکھا۔ بعد ازاں اُنہوں نے اپنے اپنے کوٹ اُتارے اور قمیصوں کی آستینیں خوب اچھی طرح چڑھالیں۔

شارپ نے اس خوفناک تجربہ سے پیشتر اپنی آزادی کیلئے کشمکش اور

کوشش کی۔ مگر افسوس کہ اُسے ذرہ برابر کامیابی نہیں ہوئی۔ اور بالآخر اُسے خاموش ہی رہنا پڑا۔

ایک ڈاکٹر میز کے نہایت قریب آیا۔ اور اُس نے ایک صندوقچہ کھولا جس کے اندر کے چمکدار اور شفاف اوزاروں کی ضو نے شارپ کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی گویا اُس کی جان نکل گئی۔ اب ایک ڈاکٹر نے ایک لمبے اور نوک دار نشتر کو اُٹھا لیا۔ اور شارپ کے قریب آ کر اُس کی ران سے کپڑا اُٹھایا۔ چونکہ شارپ میز پر سیدھا بندھا ہوا تھا۔ اور اسکی گردن بھی نہ اُٹھ سکتی تھی۔ لہٰذا اُسے اپنی آنکھوں سے تو کچھ نظر نہ آیا۔ کہ اُس پر کیا عمل کیا جا رہا ہے۔ لیکن ڈاکٹروں کی سابقہ گفتگو۔ اُن کی چڑھی ہوئی آستینوں اور اُن کے ہاتھ والے نشتر اور ٹپ ٹپ خون کے گرنے کی آواز نے اُسے یقین دلایا کہ اُس کے جسم پر عمل جراحی کیا جا رہا ہے۔ اُس کے کان صاف ٹپ ٹپ کی آواز سُن رہے تھے۔ جو گویا اُس کے خون کے نیچے رکھے ہوئے برتن میں گرنے سے ہوتی تھی۔

شارپ کا جسم رفتہ رفتہ کمزور اور اُس کے حواس میں اختلال ہونے لگا۔ اُس کا دماغ کام کرنے سے رہ گیا۔ حتیٰ کہ وہ بالکل بیہوش ہو گیا۔ اُسے اپنے تن بدن کا مطلق ہوش نہ رہا۔

(۶)

کچھ دیر بعد شارپ کے گئے ہوئے ہوش رفتہ رفتہ بجا ہونے لگے۔ آخر اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کا دماغ کام کرنے لگا۔ تاہم وہ کمزوری

بھی اس قدر محسوس کرتا تھا کہ منہ سے بول نہ سکتا تھا۔ اب اُسے رفتہ رفتہ گذشتہ خوفناک واقعات یاد آنے لگے! ڈاکٹروں کی خوفناک گفتگو، جراحی کی میز، چمکدار نشتر، یہ سب چیزیں اس کے ذہن اور اُس کی آنکھوں میں پھر رہی تھیں۔ مگر جب اُس نے ذرا اپنی طبیعت کو سنبھالا، جی کڑا کیا، اور کسی قدر غیر معمولی جرأت سے کام لیکر اپنی موجودہ حالت کا اندازہ کیا تو وہ یہ دیکھکر حیران رہ گیا کہ وہ اب پہلی سی خطرناک حالت میں گرفتار نہیں! اور نہ وہ جراحی کی میز پر بندھا ہوا ہے۔ بلکہ ایک مکلف آرام کرسی پر لیٹا ہے یہ کمرہ بھی پہلے کمرہ کی نسبت عمدہ تھا۔ سامنے وہ دونوں ڈاکٹر کھڑے ہوئے مسکرا رہے تھے!

شارپ اب بندھا ہوا نہ تھا۔ بلکہ اُس کے تمام اعضا کھلے ہوئے اور وہ بالکل آزاد تھا۔ اُس نے اپنی گردن کو اُٹھا کر دیکھا تو اپنے قریب کی ایک چھوٹی میز پر سرو پانی، نمک، اسفنج، وائن۔ برقی پٹی، کچھ دوائیں اور اسی قسم کی چیزیں رکھی دیکھیں!

اب بالکل دن نکل آیا تھا۔ دونوں ڈاکٹر شارپ کی جانب دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

شارپ نے کرسی سے اُٹھنے کی کوشش کی۔ مگر ضعف کے مارے گر پڑا۔ بڑے ڈاکٹر نے دوستانہ، مگر پُرزور لہجہ میں شارپ سے خطاب کیا۔ "میرے نوجوان دوست! تم اپنے منتشر حواس درست کرو! اب سے کچھ دیر پیشتر تم نے خیال کیا تھا کہ تم اپنے جسم سے بتدریج خون نکلنے سے مرجاؤ گے! تاہم اب تم یقین کرو کہ تمہارے جسم کا ایک قطرۂ خون بھی ضائع نہیں گیا! اور نہ تمہارے جسم پر خفیف سے خفیف عمل جراحی کیا گیا۔ بلکہ تم کو

تمہارے قوت خیال نے دھوکہ دیا ہے۔ علاوہ ازیں تم نے ہم لوگوں کی گفتگو سُنی ہے۔ جو تم کو محض فریب دینے کی غرض سے سنائی گئی تھی۔ اور ہم لوگ اس بات کا تجربہ کرنا چاہتے تھے!

"میری رائے یہ تھی کہ انسان کا جسم۔ اُن خیالات کے بالکل زیر اثر ہوتا ہے۔ جو یقین۔ اعتقاد' اور خارجی معلومات پر مبنی ہوں! مگر میرا دوست کہتا تھا کہ

"جسم کو انسانی خیالات سے کوئی نقصان یا فایدہ نہیں پہنچ سکتا اور قوت متخیلہ جسم پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی"۔

"پس ہم نے تمہارے اوپر انہیں تھیوریوں کا تجربہ کیا۔ ہم نے تمہارے ارد گرد وہ چیزیں مہیا کیں جو تمہارے خیالات پر اثر ڈالیں۔ اور اپنی باہمی گفتگو سے تمہارے اُن خیالات کو مضبوط اور قابل یقین بنایا چنانچہ تم کو یقین ہو گیا کہ ہم تم پر عمل جراحی کرنا چاہتے ہیں!

"مگر اب تم بالکل مطمئن ہو جاؤ! کیونکہ تم مثل سابق بالکل تندرست اور صحیح سالم ہو! تمہارے جسم سے خون کا ایک قطرہ تک نہیں نکالا گیا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ تم نے درحقیقت وہ علامات ظاہر کیں جو ایک آدمی کے جسم سے خون نکلنے پر رونما ہوتی ہیں۔ اور بس یہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ جسم اُن واقع شدہ (اَن ہوئی) باتوں سے متاثر ہو سکتا ہے۔ جن کی بنا خیالات پر ہو!

اب شاپ نے اپنے آپ کو ایک عجیب حالت میں گرفتار پایا۔ جو کچھ ڈاکٹر نے بیان کیا اُس کے بیشتر حصہ پر اُسے یقین آ گیا۔ اور اُسکی آزادانہ حالت نے اس امر کی تصدیق کی۔ اُس نے اِس وقت اپنے آپکو

نہ مُردہ پایا۔ نہ لب دم۔ بلکہ صحیح اور تندرست حالت میں۔ اور یہ دیکھ کر اُس کی حیرت اور خوشی کی کچھ انتہا نہ رہی!

شارپ یہ خیال کر کے کہ وہ ان ڈاکٹروں کی مصنوعی اور بزدلانہ آزمائش کا تختۂ مشق بنا ہے۔ غصہ میں آنے والا تھا کہ اس سے پیشتر ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔

"یہ سچ ہے کہ ہم کو تم پر تجربہ کرنے کا دراصل حق حاصل نہ تھا۔ لیکن ہم نے خیال کیا کہ تم ہم کو معاف کر دو گے! کیونکہ ہم تم کو اس طرح قید یا پھانسی کی سزا سے بچا سکتے ہیں! جو تم کو ایک چور کی حیثیت سے ہوتی! اور رسوائی الگ رہی!۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم ہماری شکایت کر سکتے ہو! مگر میرے پیارے دوست: ذرا اِس بات پر بھی غور کرو کہ کیا یہ کارروائی تمہارے حق میں کچھ مفید نہیں ہوئی؟

کم از کم میں ایسا خیال نہیں کرتا!!

"ہاں! میں اُس تکلیف اور درد و کرب کے معاوضہ میں۔ جو تمہیں ہمارے اس تجربہ کی بدولت اُٹھانے پڑے۔ تمہیں کچھ نقدی بھی دینا چاہتا ہوں!

ڈاکٹر نے یہ کہکر دو پونڈ جیب سے نکالے اور اُس کے ہاتھ پر رکھ دئے

اب ڈاکٹر نے شارپ سے چوری جیسے خطرناک اور مخرب اخلاق پیشہ سے توبہ کرائی۔ اور اُس نے کی بھی سچے دل سے۔ کیونکہ اُس کو اِس مرتبہ ایسی عجیب و غریب سزا ملی تھی۔ جو شاید دنیا میں کسی کو نہ ملی ہوگی اور گویا یہ روحانی سزا تھی! اس کے بعد دونوں ڈاکٹر شارپ کے دوست بن گئے۔ اور آئے حسب ضرورت ہر طرح کی امداد دیتے رہے۔ حتےٰ کہ شارپ ایک شریف طینت

آدمی بن گیا۔ اس نے تجارتی کاروبار شروع کیا۔ اور چند روز کے اندر ہی اندر اُس کا کام خوب چمک گیا۔ اور کچھ روز بعد اُس کی شادی ایک معزز خاندان میں ہو گئی۔ مگر وہ عمر بھر اس بے آزار مگر خوفناک تجربہ اور سزا کو نہ بھولا۔

"دنیا میں آنے والی کل روحیں سعید ہوتی ہیں۔ خلقی طور پر ناپاک کوئی نہیں ہوتی مبارک ہے وہ انسان جو کسی روح کو ناپاک اور تباہ ہونے سے بچائے۔ اگر ہم کسی انسان کو کسی بد اخلاقی میں مبتلا ہوتے ہی اُسے خطرہ سے مطلع کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ راہِ مستقیم پر نہ آ جائے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے! تو یاد رکھو کہ ہم اپنا فرض ادا کرنے میں قصور کرتے ہیں!"

(اظہر دہلوی)

حکیم مظفر حسین اظہر

قانون فطرت

جس طرح نظام آفرینش حکمرانوں کے قوانین کلیہ کے تحت میں ہے اسی طرح قانون فطرت کے ماتحت تمام کون ومکان۔ زمین وآسمان۔ تمام سیارے اور کرے ہیں جو اپنے اپنے محور پر گھوم رہے ہیں سلطنتوں کے قوانین صرف انسانوں پر محیط ہیں مگر قانون فطرت۔ ذی ارواح اور غیر ذی ارواح۔ تمام ارضیات وفلکیات پر محیط ہے۔ چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک اور ذرے سے لیکر آفتاب تک۔ قطرے سے لیکر سمندر تک سب ایک ہی قوت کے تابع ہیں اور ہر شے فی حد ذاتہ اپنی ساخت اور ترکیب بساطت وترتیب میں کامل ہے۔ اور اکثر ذی روح ایسے ہیں جو انسان سے بہت زیادہ قوی الحس اور قوی الادراک ہیں۔ انسان وہ کمال صنعت نہیں دکھا سکتا جو بعض غیر ذوی العقول دکھاتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو دیکھئے کہ پھولوں سے جو عرق یا لعاب لیتی ہے وہ تلخ بھی ہوتا ہے شیریں بھی۔ میٹھا اور پھیکا کسیلا بھی ہوتا ہے اور نمکین بھی۔ مگر شہد میٹھا ہی ہوتا ہے یہ کیمسٹری انسان کو نہیں آتی نہ قدرت نے اُسے سکھائی۔ پس مکھی کے برابر کوئی انسان کیمسٹ نہیں۔

بعض جانوروں کے فطری خواص حیرت میں ڈالتے ہیں جو انسانوں میں نہیں پائے جاتے کُتے کی قوت شامہ کتنی زبردست ہے۔ کوسوں سے اپنے مالک کی بو سونگھتا ہوا اُس کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے۔ اور اُسے

چاٹ لیتا ہے اور کھلاڑیاں کرتا دم ہلاتا۔ پاؤں چاٹتا مالک کے قدموں میں لوٹنے لگتا ہے اگر کسی انسان میں کتے کی وفاداری پیدا ہو جائے تو وہ فرشتہ بن جائے ؎

اے نفس پلید آدمی بن
کتے میں ولی کی خصلتیں ہیں

گھوڑا کوسوں سے شیر کی بو سونگھ لیتا ہے اور اُس کی جانب نہیں بڑھتا وہ جانتا ہے کہ یہ درندہ مجھے پھاڑ ڈالے گا کیونکہ میرے پاس اُس کے خونخوار حملے سے بچنے کا کوئی آلہ نہیں۔ گھوڑا بھی بہت بڑا وفادار ہے انسانوں کو اذیت نہیں پہنچاتا بلکہ محافظ ہے۔ اگر پورا رجمنٹ جا رہا ہو اور کوئی سوار گھوڑے سے گر پڑے تو سواروں کو سمجھا دیا گیا ہے کہ ایسے واقعہ پر چپ چاپ چاروں شانے چت لیٹے رہیں ذرا جنبش نہ کریں تمام رجمنٹ اُس پر سے گذر جائے گا مگر کسی گھوڑے کی مجال نہ ہوگی کہ سوار کے کسی عضو پر اُس کا پاؤں پڑ سکے یا اُسے کوئی تکلیف پہنچ سکے۔ یہ ہے فطرت کی تعلیم۔

جب مینہ آنے کو ہوتا ہے تو چڑیاں ریتے میں لوٹتی ہیں اور ریتا اپنے پروں پر ڈالتی ہیں عوام سمجھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چڑیاں ریتے میں نہا رہی ہیں ضرور بارش ہوگی چنانچہ بارش ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا بارش کی آمد پر ابابیلوں کا جمگھٹ ہوا میں چکر کاٹتا ہے عورتیں یہ دیکھ کر کہتی ہیں آئے ہے بُوا۔ آج تو ابابیلوں نے جھومر باندھا ہے مینہ برسے گا چنانچہ جلد بارش دیکھنے میں آتی ہے۔ اصل لفظ جُھرمٹ ہے جس کا جھومر بنایا گیا۔

جب انڈوں سے کوّوں کے بچّے نکلتے ہیں تو وہ انگاروں کی طرح سُرخ ہوتے ہیں کوّے چونکہ کالے ہوتے ہیں لہذا بچّوں کو ناجنس سمجھ کر چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں پروانے اور بُھنگے شمع سمجھ کر اُن پر گرتے ہیں جو بچوں کی غذا ہو جاتے ہیں جب دس پانچ روز میں اُن کے کالے پر اُگ آتے ہیں تو کوّے بھی آجاتے ہیں اور اپنی جنس سمجھ کر انکی پرورش کرتے اور کبوتر کی طرح جو نچوں میں غذا بھر کر اُن کو بھراتے ہیں۔ یہ ہے فطرت کی تعلیم اور یہ ہے قانون فطرت۔ مگر انسان معجزات فطرت پر غور نہیں کرتا۔ انسانوں سے معجزات و کرامات کا طالب ہوتا ہے۔

معجزہ بضم میم و فتح جیم اعجاز سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں عاجز کرنے والا بھلا انسان جو خود عاجز و ناتواں ہے کسی کو کیا عاجز کرے گا۔ ادھر کوئی سخت درد اُٹھا ادھر دنیا سے اُٹھ گیا۔ ادھر بخار یا سرسام نے آدبایا ادھر موت نے سُلفہ کر ڈالا۔ کوئی نبی کوئی ولی جو معجزات و کرامات دکھانے والے سمجھے جاتے ہیں اپنے کو اجل کے خونیں پنجے سے نہ بچا سکے یدرکم الموت ولوکنتم فی بروج مشیدہ الآیہ موت تم کو آلے گی اگرچہ تم مضبوط برجوں (قلعوں) میں ہو ۔ ۵

بسل مات رسطالیس والبقراط فی السلّ
وافلاطون مفلوجا وجالینوس مبطونا

شرح۔ حکیم ارسطو جو سل کے علاج کا موجد تھا سل ہی میں مرا حکیم بقراط جس نے سرسام کا علاج نکالا سرسام میں ہی فوت ہوا۔ افلاطون جس نے فالج کا علاج ایجاد کیا فالج ہی میں مرا۔ جالینوس جس نے استسقاء کا علاج ڈھونڈ نکالا استسقاء میں ہی فوت ہوا۔ گویا یوں چراغ تلے اندھیرا رہا۔

موت وحیات دونوں فطرت الٰہی ہیں مُردوں کا زندہ کرنا ہرگز فطرت نہیں نہ کسی نبی یا ولی نے ایسا کیا نہ کرسکتا ہے ہم قرآن مجید سے آیندہ اچھی طرح ثابت کردیں گے۔کیونکہ قرآن مجید نیچر آف گاڈ (فطرۃ اللہ) ہے اسمیں کوئی بات خلاف فطرت کیونکر ہوسکتی ہے قرآن گویا خود قانون فطرت ہے اور غور سے دیکھئے تو تمام آسمانی الہامی کتابیں فطرۃ اللہ ہیں اور آسمانی کتاب کا معیار ہی یہ ہے کہ فطرت کے مطابق ہو ورنہ وہ ایک لغو انسانی کلام ہے جس میں اختلافات بھرے ہیں کیونکہ الہام اور وحی کا مبدء اور منشاء ایک ہی ہے۔غیر ممکن ہے کہ الہام گرگٹ جیسے رنگ بدلے کہ کسی آسمانی کتاب میں کچھ اور کسی میں کچھ ہو۔ اس لئے قرآن مجید میں تمام الٰہی کتابوں کو یکساں ماننے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم سے اقرار لیا ہے کہ لا نفرق بین احدٍ من رسلہ الآیہ یعنی ہم رسولوں میں فرق نہ کریں گے کہ یہ چھوٹا اور وہ بڑا۔اسی سے دنیا میں کشت وخون ہوئے ہیں لاکھوں کے کھیت پڑے ہیں تواریخ میں صلیبی جنگیں پڑھو۔ اسلام دنیا کو متحد کرنے آیا ہے نہ کہ متفرق کرنے۔اور انسانی سوسائٹی کے لئے یہی امر قانون فطرت ہے پس جو مذہب تعصب وعناد و فساد کا حکم دیتا ہے وہ ہرگز خدائی مذہب نہیں ہوسکتا بلکہ انسانی سوسائٹی کے ناموس کا رہزن ہے کیونکہ انسان اُنس سے مشتق ہے اور قانون فطرت بھی سوسائٹی میں انس واتفاق ہی چاہتا ہے۔

اصطلاح میں ہتامعجزات کے معنی نقض قانون فطرت گھڑے گئے ہیں یعنی قانون فطرت کا توڑنا۔سبحان اللہ انسانی محدود ہستی غیر محدود قانون فطرت کو توڑ سکے۔فطرت مصدر ہے اور اس کا اسم فاعل فاطر یعنی خدائے برحق ہے پڑھو قل انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا

من المشرکین الایہ یعنی کہدے اے رسول سلام علیہ میں اپنا منہ پھیرتا ہوں
اُس فاطر برحق کی جانب جو زمین و آسمان کا فاطر ہے اور میں سیدھا مسلمان
ہوں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔" اس سے ظاہر ہے کہ خدا کی سچی اور
سیدھی سادی فطرت کا (جس میں کوئی خم و پیچ نہیں) نہ ماننا شرک ہے۔
گویا معجزہ خدا کی فطرت کا توڑنے والا ہے۔ افسوس ہے کہ لاکھوں اور کروڑوں
مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان اپنے معجزات و کرامات سے قانون
فطرت کو توڑ سکتا ہے۔

توحید کے باپ ابراہیم علیہ السلام نمرود کو صرف قانون قدرت دکھا کر
مبہوت و عاجز کیا۔ نمرود نے خدائی کا دعوے کیا تو آپ نے فرمایا فان اللہ
یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب الآیہ ترجمہ میرا خدا وہ
ہے جو آفتاب کو مشرق سے مغرب میں لاتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو آفتاب کو
مغرب سے مشرق میں لاکر دکھا۔ فبہت الذی کفر الآیہ اس پر نمرود جس نے
کفر لکا تھا مبہوت ہو گیا۔" دیکھئے ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے
وہی بات پیش کی جو ہمیشہ اُس کے سامنے تھی کوئی نئی غیر فطرتی دلیل پیش
نہیں کی اور اُس کے منہ میں گھنگھنیاں بھر دیں۔ یہ ہے قانون قدرت جو
بڑے بڑے خدائی کا دعوے کرنے والے مشرکوں کو نیچا دکھاتا ہے۔

سید احمد حسن شوکت میرٹھ

علم المناظر والمرایا

اس علم میں حسب ذیل امور سے بحث کی جاتی ہے۔

علم مناظر کے مباحث (۱) ادراک بصری یعنی آنکھ سے جو چیزیں نظر آتی ہیں کیا سبب ہے کہ کبھی ہم اُن کو غلط طور پر محسوس کرتے ہیں۔

(۲) قریب کی چیزیں بڑی اور دور کی چیزیں چھوٹی کیوں نظر آتی ہیں حالانکہ اُس چیز کا حجم اور مقدار قرب و بعد ہر حالت میں یکساں ہے۔

(۳) پانی کے اندر کی صورتیں اور وہ چیزیں جن کے آگے کوئی شفاف جسم ہوتا ہے کیا سبب ہے کہ مقدار اصلی سے ہم اُن کو بڑا دیکھتے ہیں۔

(۴) رویت ہلال۔ کسوف آفتاب۔ چاند کے منظروں کی اختلافی حالتیں۔ یہ سب اس علم کے مباحث میں داخل ہیں۔

(۵) کس حالت میں ہم کو چیزیں مربع نظر آتی ہیں اور کب مثلث دکھائی دیتی ہیں۔

یہ اور اسی قسم کی اور بہت سی باتیں اس علم میں زیر بحث ہوتی ہیں اور دلائل ہندسیہ سے ان کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

مرایائے محرقہ علم المرایا المحرقہ بھی اسی کی ایک شاخ ہے لیکن اسلام کی آبیاری سے یہ شاخ اس قدر پھلی پھولی کہ اس کا ایک تناور درخت ہو گیا۔ جسکے ثمرات کی کیفیت حسب ذیل ہے۔

مرایائے محرقہ کے اصول (۱) خطوط شعاعی آڑے ترچھے کیوں ہوتے ہیں؟

(۲) شعاع کے انعکاس و انکسار کا باعث کیا ہے؟

(۳) اس کا سمت۔ زاویہ۔ مرجع کیا ہے۔

(۴) شعاع آفتاب کے انعکاس سے مرایائے محرقہ کیونکر بنا سکتے ہیں اور اُس کا نصب کرنا اور تقابل میں ہونا کس طرح ممکن ہے۔

اس فن میں مسلمانوں کی بہت سی کتابیں تھیں جن میں اکثر کے نام علامہ ابن الندیم بغدادی نے کتاب الفہرست میں لکھے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم کو ان میں سے کوئی کتاب نہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس فن کے ذریعہ سے جنگی امور میں بھی مدد لیتے تھے۔ اور فوج کشی اور قلعوں کے محاصرہ میں اس علم کے ذریعہ سے امداد ملتی تھی۔ ہم کو اس کے متعلق کوئی خاص تصریح تو نہیں ملی لیکن علامہ ابو الخیر کے جو الفاظ کاتب چلپی نے نقل کئے ہیں اُن میں اس کی ایک خاص جھلک نظر آ رہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

مسلمان اس فن سے جنگ میں کام لیتے تھے

ومنفعتہ بلیغۃ فی محاصرات المدن والقلاع [1]	شہروں اور قلعوں کے محاصرے میں یہ علم بڑا کام دیتا ہے [1]

ابن خلدون کی غلطی

عام خیال ہے۔ اور اس خیال میں ابن خلدون جیسا محقق بھی شریک ہے کہ علم مناظر کوئی نیا علم نہیں ہے۔ یونانیوں نے اس میں بہت سی کتابیں تالیف کی تھیں اور وہ اس میں کافی دستگاہ رکھتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس خیال کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں۔ یونانیوں نے اگر کچھ کتابیں لکھی بھی ہونگی تو وہ ضائع ہو چکی تھیں مسلمانوں کو اس فن میں اقلیدس کی صرف ایک کتاب ملی جس کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ اس ترجمہ کا نام "اختلاف المناظر" ہے۔ اس میں جو باتیں بیان کی ہیں۔

یونانی اس فن میں بے بضاعت تھے

وہ اس قدر معمولی اور سطحی اور سرسری ہیں کہ ایک ذی علم کم و بیش اُن سے واقف ہو گا۔ ۱۹۰۵ء میں ہم نے اس موضوع پر ایک مستقل مضمون لکھا تھا جس میں یونانی مناظر کے مسائل نقل کر کے دکھایا تھا کہ وہ کہاں تک قابل التفات ہیں اور کیا یہ دعوے قابل تسلیم ہے کہ مسلمانوں سے قبل حکمائے یونان اس فن کو وضع کر چکے تھے۔ یہ مضمون رجب ۱۳۲۳ھ (ستمبر ۱۹۰۵ء) کے رسالہ "الندوہ" لکھنؤ میں چھپ چکا ہے۔ ناظرین اُس کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ یہاں صرف اُن اسلامی اجتہادات کے لئے گنجایش نکل سکتی ہے جن پر مناظر کی عمارت قائم ہے۔

علم مناظر میں حکمائے اسلام کی صرف پانچ کتابوں تک ہماری واقفیت محدود ہے۔

اس فن کی مشہور کتابیں (۱) کتاب المناظر لابن ہیثم۔ یہ بڑے پایہ کی کتاب ہے یورپ میں بزبان لاطینی اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ابن خلدون کی رائے میں اس کتاب کا موَلف (ابوعلی محمد بن الحسن بن الہیثم البصری) مسلمان علمائے مناظر کے طبقہ میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ وہ ۳۵۴ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوا اور ۴۳۰ھ میں بمقام قاہرہ وفات پائی۔ اُس نے اپنی کتاب میں مستقیم اور منعکس اور منعطف شعاعوں اور مقعر آئینوں کے تماثیل سے بحث کی ہے۔

(۲) کتاب الفجر و الشفق۔ اس کا موَلف اندلس کا مشہور حکیم خازن المغربی متوفی ۴۳۰ھ ہے۔ ابن ہیثم کی ایک کتاب کا بھی یہی نام ہے۔

(۳) کتاب البصریات۔ یہ بھی خازن المرزی کی تالیف ہے۔ بیسل واقع سوئیزرلینڈ میں یہ کتاب ۱۵۷۲ء میں شائع ہوئی تھی۔

(۴) انعکاس الشعاع و انعطافہ۔ یہ کتاب محقق طوسی متوفی ۶۷۲ھ ۱۲۷۳ء کی تالیف ہے۔ قزوینی کی ایک کتاب بھی اسی نام کی لکھی تھی مگر افسوس ہے کہ وہ ضائع ہو گئی۔

(۵) جامع بہادر خانی۔ فارسی زبان کی یہ بے مثل و بے نظیر کتاب علامہ غلام حسین جونپوری کی تالیف ہے۔ ابتدائے عہد اسلام سے لے کر بارھویں صدی ہجری کے آخر تک مسلمانوں نے ریاضیات و ہیئات وغیرہ میں جس قدر ترقی کی تھی یہ کتاب اُن سب کی جامع ہے۔ اس کے ایک معتدبہ حصہ میں علم المناظر والمرایا کے وہ مسائل بیان کئے ہیں جو اس فن کی جان ہیں۔ ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۵ء میں جبکہ فاضل خود زندہ تھے کلکتہ میں یہ کتاب چھپی تھی۔ اس فن میں یعقوب کندی کی بھی ایک کتاب تھی جو افسوس ہے ہم کو نہیں ملی۔ علامۂ شہرزوری اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مجھے یہ علم (مناظر و مرایا) اسی کتاب سے آیا[۱]

علم مناظر میں مسلمانوں کے کارنامے

اس عنوان میں ہم مختصر طور پر صرف وہی مسائل لکھیں گے جو خاص مسلمانوں کی ایجاد ہیں اور آج بھی علمی دنیا اُن کو صحیح تسلیم کرتی ہے۔ یہ موضوع قریباً سب کا سب

---

[۱] طبقات الحکماء للشہرزوری ج ۱ ص ۱۲ (قلمی)۔ اس مقام پر علامہ شہرزوری کے خاص الفاظ جو انھوں نے یعقوب کندی کے حالات میں لکھے ہیں یہ ہیں "وکتابہ فی المناظر فی غایۃ الحسن و انا ما حصلت علم المناظر و ما حللت اشکال ذالک العلم الا من تصنیفہ الذی ھو نادر فی ذالک المعنی"

انہیں سابق الذکر کتابوں سے ماخوذ ہے۔ کہیں کہیں تشریح البتہ جدید کتابوں سے کردی گئی ہے۔ جو بات کسی دوسری کتاب سے لکھی ہے حاشیہ میں اُس کا حوالہ منقول ہوگا۔

ہم کسی چیز کو کیونکر دیکھتے ہیں متقدمین قائل تھے کہ شعاع نظر آنکھ سے نکل کر چیزوں پر پڑتی ہے۔ ابوعلی نے ثابت کیا کہ یونانیوں کی یہ غلطی ہے۔ دراصل تمام چیزوں کی شبیہ آنکھ ہی میں آکر بنتی ہے۔ اس تحقیقات کا نتیجہ وہ ہے جو آج فوٹوگراف کی تصویروں سے نظر آتا ہے۔ یہ بات اگر دریافت نہ ہو چکی ہوتی تو یہ آلہ کبھی نہ بن سکتا۔

روشنی کیا چیز ہے (۲) یونانیوں میں روشنی کا مسئلہ ناتشخص تھا۔ مسلمانوں نے دریافت کیا کہ روشنی ایک قسم کا نورانی احساس ہے جو آنکھ کو ہوائے صافی کی حرکتوں اور موجوں سے جو ایک دوسرے کا مقابلہ کرتی رہتی ہیں محسوس ہوتا ہے۔

ایتھر کا انکشاف اُن دنوں ہوائے صافی کی نورانی موجوں کے احساس کا نام روشنی تھا۔ لیکن اب اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ زمین اور سیاروں کے مابین جو فضا ہے وہ نہ خالی ہے اور نہ ہوا سے موجود ہ سے معمور ہے۔ اُس میں دراصل ایک خاص قسم کی لطیف اور لچکدار ہوا بھری ہوئی ہے جس کو اہل یورپ ایتھر اور اہل عرب "اثیر" کہتے ہیں۔ ایتھر میں اتنی لطافت ہے کہ ٹھوس چیزوں کے ذرات بھی اُس کے نفوذ کو مانع نہیں ہو سکتے۔ اجرام نورانی سے اُس میں تموج پیدا ہو جاتا ہے اور وہی موجیں جب آنکھوں سے آکر لگتی ہیں تو اُنکے تصادم سے ایک قسم کا احساس پیدا ہوتا ہے جس کا دوسرا نام "روشنی" ہے۔ روشنی کی موجیں فضا میں موجود ہیں مگر ہم کو وہ اُس وقت محسوس ہونگی جب آنکھ سے تصادم ہوگا۔

روشنی بہت سے رنگوں کا ایک مجموعہ ہے

(۳) ۱۶۷۰ء میں نیوٹن نے دریافت کیا تھا کہ روشنی مختلف رنگوں کا مجموعہ ہے۔ اور یہ رنگ تعداد میں سات ہیں مسلمانوں نے مناظر میں جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں یہ انکشاف انہیں الفاظ میں مذکور ہے۔ اور اسی بنا پر عربی لٹریچر کا مشہور جملہ ہے کہ "بہت سے رنگوں کے اجتماع سے سب رنگ زائل ہوجاتے ہیں اور اصلی رنگ (سفید) عود کر آتا ہے"۔ نیوٹن نے رنگوں کی تعداد البتہ ایک نئی بات بتائی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ رنگوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

انتشار شعاع

(۴) انتشار شعاع سے قدما ناواقف تھے مسلمانوں نے دریافت کیا کہ "شعاعیں جب کسی کثیف شے میں ہوکر گزرتی ہیں تو منتشر ہوکر ترچھی ہوجایا کرتی ہیں"۔

ایک تاریخی واقعہ

اس شاندار انکشاف کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز ابو علی محمد بن الحسن بیٹھا ہوا تھا اور سامنے ایک طشت میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ابو علی نے بطور تفریح طبع ایک پتلی لکڑی لے کر اُس کا نصف حصہ پانی میں ڈبو دیا اور نصف باہر رکھا۔ جو حصہ پانی کے اندر تھا وہ ترچھا نظر آتا تھا۔ اس تجربہ سے اُس کو یہ معلوم ہوا کہ لکڑی کا عکس پانی سے باہر نکلنے پر ترچھا نظر آتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ ہوائے محیط کی کثافت کی وجہ سے آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں بھی آتے آتے ترچھی ہوجاتی ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ غروب ہونے کے بعد اور طلوع سے پہلے بھی آفتاب نظر آسکتا ہے۔ لیکن ہوائے لطیف (ایتھر) میں شعاعیں بدستور سیدھی رہتی ہیں اور سیدھی ہی نظر آتی ہیں۔

خطوط اُفقی میں شعاعیں کیونکر پھیلتی ہیں

اہل یورپ نے اس بنیادی قاعدہ پر عالیشان عمارت

تعمیر کی اور مدتوں کی تحقیقات کے بعد دریافت کیا کہ ہوا سے نکل کر یا پانی میں ہو کر جو شعاعیں گذرتی ہیں وہ ایسے دو اُفقی خطوط میں منتشر ہو جاتی ہیں جن میں چار اور تین کی نسبت ہوتی ہے۔ یہ قاعدہ ۱۶۲۱ء میں اسنیلیوس نے دریافت کیا تھا اور اسی نسبت سے اس قاعدہ کو اسنیلز لا کہتے ہیں۔

اُلٹی چیزیں کب اور کیوں نظر آتی ہیں

(۵) ابو علی کی تحقیقات کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ "اگر کسی تاریک مکان کی کھڑکی کھول دی جائے۔ اور اُس میں آفتاب کی چمکدار شعاعیں پڑیں تو باہر کی چیزوں کا عکس کھڑکی کے سامنے والی دیوار پر اُلٹا نظر آئیگا جس کا سبب انتشار شعاع ہے"۔ یہ انکشاف اس قدر اہم تھا کہ یورپ میں بپٹسٹا پورٹا نے ۱۵۶۰ء میں اسی دریافت کی بنا پر "کیمرا اوبسکیورا" ایجاد کیا۔

عکس دماغ تک چلا جاتا ہے

(۶) یونانی سمجھے ہوئے تھے کہ چیزوں کا عکس صرف آنکھ پر پڑتا ہے مسلمانوں نے ثابت کیا کہ نہیں۔ بلکہ آنکھ سے ہو کر دماغ تک عکس چلا جاتا ہے۔

عکس کے دماغ تک پہنچنے کی تشریح

موجودہ مذاق کے مطابق اس مسئلہ کی تشریح یوں ہے کہ مثلاً ایک چیز ہمارے نزدیک رکھی ہوئی ہے۔ آفتاب کی روشنی جب اُس پر پڑے گی تو اس کا عکس پردۂ چشم پر پڑ کر دماغ تک پہنچ جائیگا۔ اسلئے کہ غرفۂ دیوار کی طرح ثقبۂ چشم بھی آئینہ دار شعاع ہے۔ جس طرح غرفۂ دیوار کے آگے ایک محدب شیشہ لگا دو تو روشنی کا عکس صاف پڑیگا۔ اسی طرح ثقبۂ چشم کے آگے بھی ایک محدب پردہ ہوتا ہے۔ روشنی کی شعاعیں جہاں اس پردہ کے اندر پہنچیں اور آنکھ کے تل سے گزر چکیں۔ تو آنکھ کے پردۂ اوّل پر ایک تصویر کھینچ جاتی ہے۔ اور وہاں سے اُسی رگ کے ذریعہ جس کو

قوت باصرہ تفویض ہے دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔

دونوں آنکھوں سے دو چیزیں کیوں نظر نہیں آتیں؟

(۷) یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنکھیں دو ہیں اور ہم دونوں آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور روشنی کا عکس بھی دونوں آنکھوں پر پڑتا ہے۔ لازم تھا کہ چیزیں بھی (ایک ہی آن میں) دو نظر آتیں۔ ایک ہی چیز کیوں نظر آتی ہے۔ ابو علی نے اس کی وجہ یہ دریافت کی کہ "یہ بھی ایک طرح کا وہم ہے۔ اس لئے کہ ایک چیز کا عکس جس طرح ایک آنکھ پر پڑیگا اسی طرح دوسری آنکھ پر بھی پڑیگا۔ یہ جواب نہایت صحیح اور کافی تھا لیکن ایک بات پھر بھی غور طلب رہ گئی تھی۔ اب یہ اعتراض تھا کہ محدب شیشہ کو مناسب فاصلہ پر رکھ کر اگر دیکھیں تو چیزیں معمولی حجم سے بڑی کیوں نظر آتی ہیں۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا کہ آنکھ کے پہلے پردہ پر مرئیات (وہ چیزیں جن کا دیکھنا مقصود ہو اور جو دکھائی دیں) کے نقطۂ شعاعی (فوکس) کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ اور گو شعاعیں محدب شیشہ کی وجہ سے ترچھی ہوتی اور پھیل جاتی ہیں۔ تاہم آنکھ میں پہنچ کر سیدھی ہی نظر آتی ہیں ترچھی نظر نہیں آتیں۔

زمین کی طرف دیکھنے میں روشنی کیوں نظر آتی ہے

(۸) قدما کو یہ نہیں معلوم تھا کہ جب نظر نیچی ہو زمین کی طرف دیکھ رہے ہوں۔ اور آفتاب کی جانب نظر نہ ہو اس وقت روشنی کیوں محسوس ہوتی ہے۔ اس مسالہ کی توجیہ میں جو تاریکی حائل تھی مسلمانوں نے اس پر یوں روشنی ڈالی اور ثابت کر کے بتا دیا کہ ہر چند آفتاب سے روشنی کی موجیں نکل کر زمین پر پہنچتی ہیں اور ابتداءً آنکھ سے نہیں ٹکراتیں۔ لیکن زمین ایک ٹھوس جسم ہے۔ موجیں اس کے پار نہیں جاسکتیں۔ اکثر واپس لوٹ آتی ہیں۔ اور اب آنکھوں سے تصادم ہو کر

روشنی کا احساس ہوتا ہے۔

رنگ کے لئے روشنی شرط ہے

(۹) حکمائے یورپ کو اس مسالہ کی دریافت پر ناز ہے کہ رنگ دراصل روشنی کے وجود کا ایک پرتو ہے۔ یہ مسالہ عام طور پر جدید تحقیقات کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حکمائے اسلام اس کو صدہا سال قبل دریافت کر چکے تھے۔ شرح مواقف میں ہے۔

قال ابن الہیثم مستدلًّا علی ان النور شرطٌ لوجود اللون کلما ضعف النور ضعف اللون واذا انعدم النور انعدم اللون[1]

ابن ہیثم اس مسالہ پر استدلال کرتے ہوئے کہ رنگ کے وجود کیلئے روشنی ضروری چیز ہے کہتا ہے کہ جیسے جیسے روشنی کم ہوتی جاتی ہے رنگ بھی دھندلا ہوتا جاتا ہے۔ جب روشنی (بظاہر) معدوم ہو جاتی ہے تو رنگ بھی (گویا) معدوم ہو جاتا ہے

انکسار نور کی مقدار

(۱۰) روشنی کے انکسار کی مقدار پہلے نامعلوم تھی۔ اس دریافت کا شرف خاص مسلمانوں کا حصہ ہے۔ ایڈورڈ فانڈیک نے آلات رصد کی بحث میں خازن مرزی کے حالات جہاں لکھے ہیں اس کا ایک خاص فقرہ یہ ہے۔

واوضح الخازن ھذا مقدار انکسار النور اثناء مرورہ فی الکرۃ الھوائیۃ[2]

کرہ ہوا میں جاتے ہوئے روشنی کس قدر منکسر ہوتی ہے اسکی مقدار اسی خازن نے بتائی[2]

یہ عبرت کی بات ہے کہ وہ گراں بہا خزانہ (کتاب) جس میں خازن نے اس جلیل القدر انکشاف کی توضیح کی ہوگی۔ آج اسلامی دنیا میں کہیں اس کا پتہ نہ ہو اور ہم اس علمی دریافت کا واقعہ یورپ کی زبان سے سنیں!!!

---

[1] شرح مواقف۔ ج ۲۔ ص ۱۹۵۔

[2] تحفۃ ... تنوع۔ ص ۲۲۹۔

گرچہ دانیم تو آئین خرد ور بود | ایں کہ بیگانہ ہجرازی محرم باشد
لیکن آخر چہ توان کرد چو در کتب شرق | ناثرہ علم پراگندہ و درہم باشد
حل ہر مسئلہ پر پسند چہ از علم فرنگ | بعد ازیں ہرچہ بگوئیم ز تو لیم باشد

توضیح اہل یورپ علم مناظر کے بہت سے باریک اختراعات کا موجد الحسن کو بتاتے ہیں اور کبھی اُس کو الحسن بن الحسن بھی لکھتے ہیں۔ مسلمانوں میں اس نام کا کوئی عالم نہیں گزرا۔ دراصل یہ وہی محمد بن الحسن ہے جس کو ابن ہیثم کہتے ہیں۔ گو ڈاکٹر گسٹاولی بان کی عبارت سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں دو جدا جدا شخص تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ الحسن جس کی کتاب کو وہ یورپ کا ماخذ قرار دیتے ہیں وہ یہی ابن ہیثم ہے اور لاطینی و ایطالی زبانوں میں اُسی کی محققانہ کتاب کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر موصوف کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"بہت ہی عجیب الحسن کی کتاب المناظر ہے جس کا ترجمہ لاطینی اور اطالی زبانوں میں ہوا تھا اور جس سے کپلر نے اپنی کتاب مناظر میں بہت کچھ کام لیا ہے۔ اسمیں نہایت محققانہ الواب ہیں جن میں (۱) آئینوں کے نقطۂ اجتماع الضوء (۲) اور اُن میں تماثیل کے ظاہری مقامات (۳) مسئلۂ انعطاف شعاعی (۴) اور تماثیل ظاہری کا بڑا پن وغیرہ مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ اسی کتاب میں مسئلۂ مندرجۂ ذیل کو بھی جس کا حل کرنا درجۂ چہارم کی مساوات پر موقوف تھا اقلیدس سے حل کیا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے:۔ ایک مدور آئینہ میں نقطۂ انعکاس کو معلوم کرنا جس وقت کہ شئے منعکس اور آنکھ کا مقام معلوم ہو۔ موسیو شاسل جن سے بہتر اس امر میں رائے دینے والا کوئی شخص نہیں ہے الحسن کی کتاب کو یورپ کی کل معلومات علم مناظر کا ماخذ خیال کرتے ہیں" [۱]۔ (عبداللہ عمادی)

[۱] تمدن عرب۔ ص ۴۴۴۔

یادِ وطن

از جناب شمس التوحید یکتا عظیم آبادی (مقیم لکھنؤ)

خوں رُلاتی ہے اگر حسرتِ دیدارِ وطن
پھونکتی ہے تپشِ فرقتِ دلدارِ وطن

آگیا یاد جو رنگِ رخِ دلدارِ وطن
بڑھ گئی حسرتِ نظارۂ گلزارِ وطن

دل کو چین آتا ہے آنکھوں میں سرور آتا ہے
دید ہے میکدۂ حسن کی دیدارِ وطن

اپنی حسرت بھری آنکھوں میں سمائے ہوئے ہیں
کوہ و صحرا و یم و گلشن و اشجارِ وطن

جو ملا عالمِ غربت میں پریشاں ہی ملا
کس کے دل میں نہیں یادِ در و دیوارِ وطن

پاؤں تھراتے تھے جس وقت مرے طفلی میں
دیتے تھے مجھ کو سہارا در و دیوارِ وطن

اپنے حیّز کی طرف کرتی ہے ہر چیز رجوع
کیوں نہ کھینچے کششِ حسرتِ دیدارِ وطن

ہم وطن میں جو نہیں ہیں تو نظر آتے ہیں
چشمِ حیراں کی طرح روزنِ دیوارِ وطن

کیوں اتر جائیں نظر سے نہ حسینانِ جہاں
کہ نگاہوں پہ چڑھا ہے رخِ دلدارِ وطن

نہ کبھی دھوپ کی تکلیف اٹھائی ہم نے
رحمتِ حق تھا مگر سایۂ دیوارِ وطن

پوچھئے پھر نہ مرے اشکوں کے طغیانی کو
یاد جب آگئی موّاجیِ انہارِ وطن

جب خیال آیا کہ چھٹتا ہے یہ ہم سے افسوس
دیکھا اک یاس سے سوئے در و دیوارِ وطن

باغباں! تو نے نکالا تو میں جاتا ہوں مگر
دیکھ لینے دے ذرا جانبِ گلزارِ وطن

خلد میں بھی جو ترے سایۂ طوبےٰ پہنچا
آگیا یاد مجھے سایۂ اشجارِ وطن

چلتے چلتے بھی اُدھر سے نہیں ہٹتی آنکھیں
دیکھتا جاتا ہوں مڑ مڑ کے میں گلزارِ وطن

قعرِ غربت میں بھی وہ سکے خیال آئیگا
میں ہوں یکتا و فدائے در و دیوارِ وطن

یہ وہ عقدہ ہے کہ لاینحل معما جس سے ہوں

(از جناب حفیظ جونپوری)

وہ تمنّا کچھ نہیں مصروف دنیا جس سے ہوں　　تو مجھے سامان وہ دے محوِ عقبیٰ جس سے ہوں
آپ میں بھی آؤں تو بھولوں نہ تیری معرفت　　مجھکو وہ جلوہ دکھائے ہوش گم سا جس سے ہوں
طینتِ شر کو بدل دے یا الٰہی خیر سے　　دے وہ توفیقِ عمل عیبوں کا پردہ جس سے ہوں
دستگیری اللہ کی کرنا جو قسمت میں نہیں　　مقدرت اتنی تو دے اپنا سہارا جس سے ہوں
چاہتا ہوں وہ بقا جس کو ہے خاموشی پسند　　خاک ایسی زندگانی پر کہ غوغا جس سے ہوں
راز ہے وہ اپنی ہستی کا جو کھل سکتا نہیں　　یہ وہ عقدہ ہے کہ لاینحل معما جس سے ہوں

خواب غفلت میں ہے عالم رات آخر ہے حفیظ
کون ہے اپنا مخاطب میں یہ کہتا جس سے ہوں

میں نہیں تو ذکر میرا میکدے والوں میں ہے

(از جناب حفیظ جونپوری)

چشمِ ظاہر میں نہایت ہی خوشحالوں میں ہے　　وہ بہت جکڑا ہوا دنیا کے جنجالوں میں ہے
دونوں عالم میں کسی کو ایک پایا بے نیاز　　دوسرا اللہ کون ہے جو فارغ البالوں میں ہے
ایک دنیا ہو رہی ہے محو جس کو دیکھ کر　　کونسی ایسی جھلک تیرے متوالوں میں ہے

تیری آنکھوں میں اے ساقی یہ ڈورے لال لال بھر کے رکھی ہے مے گلرنگ ان پیالوں میں ہے
میں تھا وہ میکش کیا ساقی نے جس کا احترام کون خوش تقدیر ایسا میکدے والوں میں ہے
ابر تو دیتا ہی ہے ترغیب مے اے میکشو رعد کہتے ہیں جسے وہ بھی تو متوالوں میں ہے

جانشیں ہونا ہی تھا آخر کسی کو اے حفیظ
میں نہیں تو ذکر میرا میکدے والوں میں ہے

غزل

مجنوں اسی غرور میں دیوانہ ہو گیا مقبولِ خاص و عام جو افسانہ ہو گیا
غارتگرِ زمانہ پہ دیوانہ ہو گیا آباد ہو کے دل مرا ویرانہ ہو گیا
ساقی نے بھر کے غیر کو ساغر جو دیدیا لبریز میری عمر کا پیمانہ ہو گیا
وجہِ حیات اوروں کو اہلِ فنا ہوئے ہر ذرہ خاکِ شمع کا پروانہ ہو گیا
اپنے زباں کے خود ہی اثر سے فنا ہوا حال اُن سے کہتے کہتے میں دیوانہ ہو گیا
گھر تھا خدا کا دل کبھی بیت الصنم ہے اب کل تھا جو کعبہ آج وہ بتخانہ ہو گیا
دیکھا جو چشمِ مست سے ساقی نے بزم میں میرا دلِ شکستہ بھی مستانہ ہو گیا
نکلا تو بزمِ دوست سے لیکن یہ غم ہوا عالم مری نگاہ میں ویرانہ ہو گیا
محفل میں اُس نے جب مری کچھ آبرو نہ کی میں جل کے خاک صورتِ پروانہ ہو گیا
خنجر کے نیچے میں جو نہ تڑپا دمِ فنا جاری زبانِ تیغ پہ افسانہ ہو گیا

دروازہ بند رہتا ہے اُڑتی ہے خاک صدرؔ
ویران میرے مرنے سے غمخانہ ہو گیا

سیّد صدر السلام

صبح

وہ جلوہ گری مہر پُر نور — تاریکیٔ شب ہو جس سے کافور
آغاز سپیدۂ سحر کا — فق ہونا وہ چہرۂ قمر کا
وہ رنگ شفق افق سے پیدا — ہو تختۂ گل کا جس پہ دھوکا
وہ بادِ نسیم دھیمی دھیمی — وہ موجِ شمیم بھینی بھینی
ہر ایک نہال باغ گلپوش — پھرتی ہے صبا چمن میں مدہوش
قدرت کی یہ ہے شگوفہ کاری — کرتے ہیں طیور حمد باری
ہر شاخ چمن ہری بھری ہے — گویا کہ چمن نہیں پری ہے
بادِ سحری وہ عطر آگین — سرگوشیٔ غنچہ ہائے رنگین
سبزہ وہ چمن میں دھانی دھانی — وہ خندۂ گل وہ رت سہانی
نافہ ہے ختن کا ہر شگوفہ — ہے مشک فشاں ہر ایک بوٹا
شبنم سے بھرا ہے لالۂ تر — لبریز ہے یا کہ جامِ احمر
وہ آہوئے دشت محو جولاں — وہ فرطِ طرب سے مور رقصاں

ہر سمت طیور ہیں ثنا خواں
اشجار ہیں حمد حق میں جنباں

ذاکر۔ بایزید پوری

غزل

خبرگیری ہے لازم طفلِ اشکِ چشمِ گریاں کی
جنونِ بے سروساماں کو بھی حاجت ہے داماں کی

یہ طرزِ سینہ کاوی پردہ در ہے داغِ پنہاں کی
نہیں ہے خیر اب میرے چراغِ زیرِ داماں کی

کہانی بے زبانوں کی عجب تاثیر رکھتی ہے
خموشی بے سبب ہرگز نہیں گورِ غریباں کی

گرو نہیں دستِ بیدادِ اجل کا کس لئے شکوہ
شکستِ تارِ ہستی تو خبر تھی وصلِ جاناں کی

بتوں سے جس نے کی تجدیدِ بیعت وہ مسلماں ہوں
انہی کی پیروی شاہد ہے میرے دینِ ایماں کی

خزاں کی تیز دستی اس پہ گلچیں کا ستم آفت
بھلا دم لے تو کیونکر دو گھڑی ذوقِ گلستاں کی

دلِ ناز آپسندِ زخم کو کیا کیا مزے آئے
تری مژگاں سے جب چشمک ہوئی میری رگِ جاں کی

ستم ہے خندۂ دنداں نمالبہائے ساحل کا
الٰہی خیر! میری کشتیِ افتادہ طوفاں کی

کہوں کیا سوچ کی بالیدگی واقف مرِ بسمل
کہ جانِ زار لذت آشنا تھی تیغِ جاناں کی

ابوظفر واقف مونگیر

انگریزی خیالات اردو میں

ہمارے لائق دوست جناب ممتاز احمد صاحب اسکول ماسٹر دسوہہ ضلع لائل پور نے ذیل میں دو مشہور انگریزی نظموں کے ترجمے کئے ہیں۔ پہلی نظم مشہور شاعر شیکسپیر کی

ہے اور اس کے ڈراما مرچنٹ آف وینس سے لی گئی ہے۔ دوسری نظم لارڈ بائرن کی ایک معرکۃ الآرا نظم کا ایک حصہ ہے۔ یہ دونوں نظمیں شامل کے انگریزی کورس میں آ گئی ہیں۔ مدرس نے طلبا کیلئے ان کا ترجمہ کیا تھا کہ ان کو مطلب سمجھنے میں بہت وقت نہ ہو

(۱) رحم

رحم ہے اک امرِ طبعی ہو نہیں سکتا یہ جبر — آسماں یوں اس کو ٹپکاتا ہے باراں جیسے ابر
یہ ہے دوگونہ مبارک یعنی دونوں کیلئے — جو کرے اس کیلئے جس پر کرے اس کیلئے
صاحبِ قوت میں یہ پاتا ہے اوجِ برتری — اور سر آرا کو ہے زیباتر از تاجِ شہی
شوکتِ دنیا پر اس کی ہے دلیل اس کا عصا — اور نشاں ہے سطوت و تمکینِ ظل اللہ کا
رحم ہے شانِ جہانبانی سے بالاتر مگر — یہ سریرِ قلبِ سلطاں پر ہے ہوتا جلوہ گر
رحم سے موصوف ہے خود خالقِ ارض و سما — اس سے بڑھکر اور کیا دیں اسکی رفعت کا پتا
قوتِ انساں تب ہے قدرتِ یزداں کی نقل — ہو ترحم جب خمیر مایۂ دکانِ عدل
ہم دعا میں رحم کی کرتے ہیں حق سے التجا — یعنی لازم ہے ہمیں خود رحم کرنا جا بجا

(شیکسپیئر)

(۲) سمندر

موجزن رہ موجزن۔ بحرِ کبود و بیکراں — بے اثر تجھ پر پھرا کرتی ہیں لاکھوں کشتیاں
گو زمیں پر آدمی کا کام ہے غارتگری — تیرے ساحل سے ادھر لیکن حکومت ہے تری
نقش پانی پر جو ہیں تیرے تباہی کے عیاں — ان سے پر ظاہر ہیں تیری طبع کی جولانیاں
تجھ میں انساں کی نہیں غارتگری کا کچھ نشاں — ہاں مگر وہ خود تبہ ہوتا ہے تجھ میں ناگہاں
مثلِ قطرہ غرق ہو جاتا ہے کھو کر جانِ زار — بے کفن بے گور بے تابوت بے لوحِ مزار
وقت کا تجھ پر اثر ہوتا نہیں اے ازرق جبیں — تو شناسائے تغیر آفرینش سے نہیں

(لارڈ بائرن)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲ء   جملہ حقوق محفوظ

جون ۱۹۱۴ء

مخزن

نمبر ۹ جلد ۲۷

نپولین کے چھ مجسموں کی سرگذشت

مسٹر لسٹریڈ انسپکٹر پولیس اسکاٹ لینڈ یارڈ کے لئے کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کہ وہ کبھی کبھی شام کے وقت ہمارے مکان پر ملاقات کے واسطے آیا کرتا تھا۔ اس کی ملاقاتیں شرلاک ہولمز کے لئے باعث مسرت ہوتی تھیں کیونکہ اس کو اس طرح پولیس کی چوکیوں کے تمام حالات و واقعات معلوم ہوجایا کرتے تھے۔ ہولمز ان تمام حالات کو بغور سنتا اور جب کوئی معاملہ لسٹریڈ کے سپرد ہوتا تو وہ کبھی کبھی اپنی وسیع معلومات اور تجربات سے اس کو بغیر کسی نمایاں مداخلت کے چند باتیں بتلا دیا کرتا تھا۔

ایک دن شام کو لسٹریڈ کچھ دیر موسم اور اخبارات کی گفتگو کرتے رہنے کے بعد کسی گہرے سوچ میں غلطاں ہوگیا اور اپنا سگار ایک فکر کی حالت میں پیتا رہا۔ ہولمز نے اس کی طرف غور سے دیکھکر پوچھا "کیا کوئی پیچیدہ معاملہ تمہارے سپرد کیا گیا ہے؟"۔

اس نے جواب دیا "نہیں مسٹر ہولمز کوئی بہت پیچیدہ معاملہ نہیں ہے"

ہولمز۔ "تو مجھے اس کا حال سناؤ۔"

لسٹریڈ ہنسنے لگا۔

لسٹریڈ۔ "اچھا مسٹر ہولمز۔ انکار کرنے سے کیا فائدہ۔ تاہم یہ معاملہ ایسا لغو سا ہے کہ میں اس کو بیان کرتے ہوئے آپ کی تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔ اگرچہ یہ ایک ہیچ معاملہ ہے مگر نہایت عجیب معلوم ہوتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم کو ایسی باتوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ بہ نسبت ہمارے اور تمہارے پیشہ کے ڈاکٹر واٹسن کے پیشہ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔"

میں۔ "کیا تمہارا مطلب بیماری سے ہے۔"

لسٹریڈ۔ "پاگل پن۔ اور ایک عجیب قسم کا پاگل پن۔ تم یقین نہیں کر سکتے کہ آجکل لندن میں کوئی ایسا شخص رہتا ہو جس کو نپولین اول سے اتنی سخت نفرت ہے کہ جہاں اس کی کوئی تصویر پائے اس کو وہیں توڑ ڈالے۔"

ہولمز اپنی کرسی میں بیٹھ گیا۔

ہولمز۔ "یہ میرے مطلب کی بات نہیں۔"

لسٹریڈ۔ "بیشک۔ یہی میں کہہ رہا تھا لیکن جب وہ شخص ان تصاویر کیلئے نقب زنی کرتا ہے تو پھر معاملہ ڈاکٹری کے حلقہ سے نکلکر پولیس کے ہاتھ جا پڑتا ہے۔"

ہولمز دوبارہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

ہولمز۔ "نقب زنی! یہ نہایت دلچسپ بات ہے۔ ذرا تفصیل سے بیان کرو۔"

لسٹریڈ نے اپنی سرکاری نوٹ بک نکالی اور اس کے اوراق پر نظر ڈال کر کہا۔ "پہلی رپورٹ جو ہم کو ملی اس کو عرصہ چار روز کا گذرتا ہے۔ یہ رپورٹ موریس ہڈسن کی دکان سے ہوئی تھی جو کیننگٹن روڈ میں تصاویر اور

بت فروخت کرتا ہے۔ اُس کا نائب دُکان پر سے تھوڑی دیر کے لئے کہیں چلا گیا تھا مگر کسی چیز کے گرنے کی آواز سن کر دوڑ کر جو اندر آیا تو اُس نے دیکھا کہ نپولین کے مجسمہ کے جو معہ اور چند چیزوں کے میز پر رکھا ہوا تھا ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ وہاں سے نکلکر وہ سڑک پر آیا اور گو چند راہروؤں نے بیان کیا کہ دُکان سے ابھی ایک آدمی بھاگتا ہوا نکلا ہے، لیکن نہ تو کوئی ایسا آدمی نظر آیا اور نہ کوئی ایسا سبب ہی معلوم ہو سکا جو اس پر چسپاں ہو سکے۔ یہ ایک ایسی بے معنی حرکت خیال کی گئی جو وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں اور اسکی رپورٹ اُس حلقہ کے کانسٹبل سے کر دی گئی۔ اُس مجسمہ کی قیمت چند شلنگ سے زیادہ نہ تھی اور اسلئے معاملہ کو ایک بچوں کی سی حرکت سمجھ کر اُس میں کوئی خاص جستجو نہ کی گئی۔

بہرکیف دوسرا واقعہ اس سے زیادہ پیچیدہ اور زیادہ سخت ہے۔ یہ گذشتہ شب ہی کو واقع ہوا ہے۔ کینگٹن روڈ میں مورس ہڈسن کی دُکان سے چند سو گز کے فاصلہ پر ایک نہایت مشہور طبیب رہتا ہے جس کا نام ڈاکٹر بارنی کاٹ ہے۔ اس کی پریکٹس دریائے ٹیمز کے جنوب میں بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا مکان اور مطب کینگٹن روڈ ہی میں ہیں مگر اُس کی ایک شاخ سرجری اور ادویات کی دو میل کے فاصلہ پر لوئر برکسٹن روڈ میں بھی ہے۔

ڈاکٹر بارنی کاٹ شہنشاہ نپولین کا ہمدرد مدح خواں ہے اور اُس کا گھر شہنشاہ فرانس کی تصاویر و سوانح و واقعات کی کتب سے بھرا ہوا ہے۔ تھوڑا عرصہ گذرا کہ اُس نے مورس ہڈسن کی دُکان سے ایک فرانسیسی طرز کے نپولین کے دو روغن دار ڈھانچ خریدے تھے۔ ایک تو اُس نے اپنے مکان واقع کینگٹن کے ہال میں رکھا اور دوسرا لوئر برکسٹن روڈ کی سرجری کی دُکان کے آتشدان پر

آج صبح جب ڈاکٹر بارنی کاٹ اپنے مکان پر آیا تو یہ دیکھ کر وہ نہایت متعجب ہوا کہ شب کو اُس کے مکان میں نقب دیا گیا ہے اور ہال میں سے سوائے روغن دار مجسمہ کے اور کوئی چیز نہیں چرائی گئی ہے۔ کوئی شخص اُس مجسمہ کو باہر نکال لے گیا ہے اور باغ کی دیوار پر زور سے مار کر اُس کے پاش پاش ٹکڑے کر دیئے ہیں۔

ہولمز نے اپنے ہاتھوں کو آپس میں مَلا۔

ہولمز۔ فی الحقیقت یہ بالکل نئی بات ہے۔

لسٹریڈ۔ بیشک۔ میرا خیال تھا کہ اس سے تم خوش ہو گے، مگر میں نے ابھی اپنا بیان ختم نہیں کیا ہے۔ ڈاکٹر بارنی کاٹ ٹھیک بارہ بجے اپنی سرجری کی دکان پر پہنچا۔ تم خیال کر سکتے ہو کہ وہ کتنا متعجب ہوا ہو گا جب اُس نے وہاں پہنچکر دیکھا کہ رات کو کھڑکی کھولی گئی ہے اور دوسرے مجسمہ کے ٹکڑے تمام فرش پر بکھرے پڑے ہیں۔ جہاں یہ رکھا تھا وہیں اس کو پاش پاش کیا گیا تھا۔ ان دونوں واقعات میں سے ہم کو کسی سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ وہ کون بدمعاش یا پاگل شخص تھا جس نے یہ کام کئے ہیں۔ اب مسٹر ہولمز تم سے تمام واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں۔

ہولمز۔ گو یہ واقعات عجیب ہیں مگر بے سروپا نہیں کہے جا سکتے۔ مہربانی فرما کر آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دونوں مجسمے بالکل ویسے ہی تھے جیسا کہ ایک مورس ہڈسن کی دکان پر توڑا گیا تھا۔

لسٹریڈ۔ یہ سب ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے تھے۔

ہولمز۔ تو یہ بات اس قیاس کے خلاف شہادت دیتی ہے کہ انکا توڑنے والا نپولین سے حقارت رکھتا ہے۔ اس بات کو خیال کرتے ہوئے کہ لندن میں

اُس شہنشاہ اعظم کے کتنے بُت ہونگے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ نامعلوم بت شکن ایک ہی قسم کے بنے ہوئے تین مجسموں سے کیوں اپنا کام شروع کرتا ہے۔

لسٹریڈ۔ پیشتر میں نے بھی ایسا ہی خیال کیا تھا، لیکن لندن کے اُس حصہ میں صرف مورس ہڈسن ہی ایسے بت فروخت کرتا ہے اور یہی تین اُس کی دُکان میں مدت سے رکھے ہوئے تھے۔ پس، گو بموجب تمہارے کہنے کے لندن میں اور بھی بہت سے مجسمے ہیں، لیکن یہ اغلب ہے کہ اُس ضلع میں صرف یہی تین ہوں اسلئے ایک مقامی پُرجوش آدمی اپنا کام لازمی وہیں سے شروع کریگا کیوں ڈاکٹر واٹسن تمہارا کیا خیال ہے؟

میں۔ اسے جنون خیال کرنے کے واسطے کوئی کافی ثبوت نہیں ہے۔ ایسی حالت کو موجودہ فرانسیسی عالمان علم ارواح "آڈی فکس" کہتے ہیں جو کریکٹر کے لحاظ سے تو بے معنی ہوتی ہے مگر کسی دوسری طرح پر کامل صحت عقل رکھتی ہے ایک ایسا شخص جس نے نپولین کے حالات کو غور سے پڑھا ہے اور جس کے آبائی خاندان کو "جنگ اعظم" سے کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے، وہ ظاہرا اس "آڈی فکس" کے اثر میں آکر اس خیالی جرم کا مرتکب ہوسکتا ہے۔

ہولمز۔ (سر ہلاکر) میرے دوست واٹسن یہ بات درست نہیں کیونکہ "آڈی فکس" کی کوئی مقدار ایسے جنونی کو اس قابل نہیں رکھ سکتی کہ وہ یہ معلوم کرسکے کہ بُت کس کس جگہ رکھے ہوئے ہیں۔

میں۔ اچھا تو تم کیا خیال کرتے ہو؟

ہولمز۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس شخص کی اس حرکت کا کوئی خاص مطلب ضرور ہے۔ مثلاً بُت ڈاکٹر بارنی کاٹ کے ہال میں نہیں توڑا گیا کیونکہ ایک ذراسی آہٹ سے گھر والے بیدار ہوجاتے، اور

اس لئے باہر لیجا کر توڑا۔ لیکن سرجری کی دکان میں جہاں ایسے خطرہ کا گمان نہ تھا بت وہیں پر توڑا گیا۔ یہ معاملہ ظاہر میں ہیچ معلوم ہوتا ہے مگر میں اس کو ہیچ نہیں سمجھتا، کیونکہ ایسے ہی میرے چند ہیچ مقدمات میں کسی بڑے راز کی پوشیدگی کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ واٹسن تم کو خاندان آبرنٹی کا خوفناک معاملہ تو یاد ہوگا۔ لسٹریڈ میں تمہارے تین شکستہ بتوں کا مذاق نہیں اڑاتا ہوں۔ اور میں تمہارا حد درجہ احسانمند ہونگا اگر تم کسی اور ایسے ہی عجیب واقعہ کے تازہ انکشاف سے مجکو اطلاع بخشو گے۔"

جس انکشاف کے لئے میرا دوست ملتجی ہوا تھا وہ نہایت جلد اور بیحد رنج آلود طریقہ سے ظہور پذیر ہوا۔ دوسرے روز صبح کو میں ابھی کپڑے پہن ہی رہا تھا کہ اتنے میں کسی نے دستک دی اور ساتھ ہی ہولمز ہاتھ میں ایک ٹیلیگرام لئے ہوئے داخل ہوا۔ اس نے اسے آواز بلند سے پڑھا۔

فوراً آؤ۔ ۱۳۱ پٹ اسٹریٹ کینگٹن۔ لسٹریڈ

میں نے پوچھا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟

ہولمز۔ خبر نہیں۔ کچھ ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ یہ مجسموں کے قصہ کا خاتمہ ہے۔ اس حالت میں ہمارے دوست بت شکن نے لنڈن کے دوسرے مقامات میں کام شروع کیا ہوگا۔ واٹسن میز پر کافی رکھی ہوئی ہے اور میں دروازہ پر گاڑی دیکھتا ہوں۔"

نصف گھنٹہ میں ہم پٹ اسٹریٹ میں پہنچ گئے۔ یہ ایک خاموش جگہ میں واقع ہے۔ ایک قطار میں مکان ۱۳۱ تھا، جو نہایت عمدہ اور پختہ بنا ہوا تھا۔ اثناء راہ میں ہم نے دیکھا کہ مکان کے سامنے ایک عجیب طرز سے جنگلہ لگا ہوا ہے۔ ہولمز نے سیٹی بجائی۔

ہولمز:۔ بائی جارج! یہ تو کوئی واقعہ قتل معلوم ہوتا ہے۔ لندن کے خبرو ہندہ لڑکے کو اور کوئی چیز آج نہیں روک سکتی تھی۔ کوئی بے رحمی کا واقعہ ہے۔
واٹسن یہ کیا ہے۔ بہت سے آدمیوں کے قدموں کے نشان بنے ہوئے ہیں خیر لسٹریڈ وہ سامنے کی کھڑکی میں ہے اُس سے تمام حالات ابھی معلوم ہوئے جاتے ہیں۔"

لسٹریڈ نے ہمارا استقبال نہایت سنجیدگی سے کیا اور ہم کو ایک نشست کے کرہ میں لے گیا جہاں فلالین کا لبادہ پہنے ہوئے ایک معمر شخص ٹہل رہا تھا ہمارا اُس سے بطور مالک مکان کے تعارف کرایا گیا اور نام مسٹر ہارس ہارکر اڈیٹر سنٹرل پریس سنڈیکیٹ بتلایا گیا۔

لسٹریڈ۔ یہ پھر نپولین کے مجسمہ کا قصہ ہے۔ مسٹر ہولمز کل رات تم اس میں دلچسپی لیتے معلوم ہوتے تھے، اس لئے میں نے خیال کیا کہ تم غالباً موقعہ پر موجود ہونے سے خوش ہوگے، جبکہ معاملہ نہایت بین طور سے نمایاں ہوا ہے۔

ہولمز۔ تو کیا واقعہ ہوا؟

لسٹریڈ۔ قتل۔ مسٹر ہارکر کیا تم ان جنٹلمینوں سے تمام واقعہ بیان کرنے کی تکلیف گوارا کروگے؟

ہارکر نہایت غمگین شکل بنائے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوا۔

ہارکر:۔ یہ ایک نہایت غیر معمولی بات ہے کہ میں تمام عمر دوسرے آدمیوں کے اخبار جمع کرتا رہا ہوں اور اب جبکہ ایک سچے واقعات کا میرے سامنے ظہور ہوا ہے تو میں اتنا پریشان ہوگیا ہوں کہ دو لفظ بھی ملا کر نہیں کہہ سکتا اگر میں یہاں ایک اخبار نویس کی حیثیت سے آیا ہوتا تو ہر شام کے اخبار میں میرے دو کالم ضرور ہوا کرتے۔ چونکہ اس وقت میری حیثیت اور ہے اسلئے

میں اپنے تمام قیمتی علم کو مختلف آدمیوں سے قصہ بیان کرنے میں ضائع کر رہا ہوں اور خود کوئی نفع نہیں اٹھاتا۔ بہرکیف مسٹر شرلاک ہولمز میں نے آپکا نام سنا ہے اور اگر تم اس عجیب واقعہ کو بتلا سکو تو میری تمام قصہ بیان کرنیکی محنت وصول ہو جائیگی"۔

ہولمز بیٹھ کر سننے لگا۔

ہارکر:۔ "یہ تمام وقوعہ اُس نپولین کے مجسمہ کے طفیل معلوم ہوتا ہے جو میں نے اسی کمرہ کے واسطے عرصہ چار ماہ کا ہوا خریدا تھا۔ یہ میں نے ہارڈنگ برادرز کی دُکان سے جو ہائی اسٹریٹ اسٹیشن سے دو دُکان آگے ہے سستی قیمت پر مول لیا تھا۔ میری اخبار نویسی کا کام زیادہ دیر تک شب کے وقت ہوتا ہے اور کبھی لکھتے لکھتے صبح بھی ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی آج ہوا۔ میں رات کے تین بجے اپنے کمرہ میں، جو اس مکان کی سقف کے پس پشت واقع ہے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس وقت مجھے نیچے ایک آواز معلوم ہوئی۔ میں نے غور سے سُنا مگر دوبارہ آواز نہ آئی اس لئے میں نے خیال کیا کہ یہ آواز کسی اور طرف سے آئی تھی۔ یکایک پانچ منٹ کے بعد ایک نہایت خوفناک چیخ کی آواز سُنائی دی۔ مسٹر ہولمز میں نے ایسی وحشت انگیز آواز کبھی پیشتر نہیں سُنی تھی۔ وہ آواز تمام عمر میرے کانوں میں گونجتی رہیگی۔ دو تین منٹ تک میں خوف کے باعث بےحس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کے بعد میں دست پناہ ہاتھ میں لیکر زینہ سے نیچے اُترا۔ جب میں اس کمرہ میں آیا تو دیکھا کہ کھڑکی کھلی پڑی ہے اور آتش دان پر سے بُت غائب ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نقب زن کا ایسی چیز کے لینے سے جو محض ناچیز تھی، کیا مطلب تھا۔ تم خود دیکھ سکتے ہو کہ کوئی شخص اس کھلی کھڑکی سے گذر کر سامنے والے

دروازہ کے پا انداز تک بغیر لانبے قدم رکھے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نقب زن نے کیا کام کیا ہے۔ اس لئے میں نے جا کر دروازہ کھولا۔ جب تاریکی میں باہر آیا تو میرا قدم ایک مردہ آدمی کے جسم پر پڑا۔ میں جلدی سے چراغ لینے کے لئے اندر گیا اور آکر اس غریب آدمی کو دیکھا۔ اس کے حلق پر زخم کاری لگا تھا اور ساری زمین خون میں تر ہو رہی تھی۔ وہ اوندھا پڑا تھا اور اس کے گھٹنے سکڑے ہوئے تھے اور اُس کا منہ ایک خوفناک طریقہ سے کھلا ہوا تھا۔ مجھے خواب میں بھی یہ صورت ضرور دکھائی دیگی! میں نے اپنی پولیس کی سیٹی بجائی اور اس کے بعد میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے پولیسمین کو ہال میں اپنے برابر کھڑا پایا۔

ہولمز۔ اچھا تو مقتول کون تھا؟

لسٹریڈ۔ ہم کو ابھی کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے مقتول کا پتہ چل سکے۔ اُس کا جسم گورستان میں رکھا ہوا ہے اور ابھی تک ہم نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا۔ وہ ایک قدآور، سانولے رنگ کا مضبوط شخص ہے اور اُس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔ اُس کا لباس غریبانہ ہے، مگر اس سے اُس کے مزدوری کرنے کا پتہ نہیں چلتا۔ اُس کے قریب ہی سینگ کی شکل کا ایک چاقو خون میں پڑا ہوا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا آیا اسی ہتیار سے قتل واقع ہوا ہے یا یہ مقتول کا مال ہے۔ اُس کے کپڑوں پر نام نہیں تھا اور اس کی جیب میں سوائے ایک سیب، ایک رسی، لندن کے ایک شلنگ والے نقشے، اور ایک فوٹو گراف کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ یہ رہے۔

بظاہر یہ فوٹو کسی چھوٹے کیمرے سے ایک مجمع کے درمیان سے لیا گیا تھا اس میں ایک کمر بستہ، تیز نظر شخص کی شکل تھی جس کی بھویں گنجان تھیں۔ اور

جس کے چہرہ کا حصہ نیپولین لنگ پر کی تھوتھنی سے مشابہ تھا۔
ہولمز۔ (اُس تصویر کو غور سے دیکھکر) اور اُس مجسمہ کا کیا ہوا؟
لسٹریڈ۔ ہم کو تمہارے آنے سے کچھ ہی پیشتر اس کی اطلاع ملی ہے۔ اُس کے ٹکڑے کیمپڈن ہاؤس روڈ میں ایک خالی مکان کے مقابل باغ میں پائے گئے ہیں۔ میں انہیں دیکھنے جا رہا ہوں۔ کیا تم بھی چلتے ہو؟
ہولمز۔ بیشک میں بھی ایک نظر دیکھوں گا۔ (فرش اور کھڑکی کو دیکھکر) اُس آدمی کی یا تو بڑی بڑی ٹانگیں تھیں یا وہ نہایت چست آدمی تھا۔ کیونکہ اتنا فاصلہ طے کر کے اُس کھڑکی کے کنارہ پر پہنچ جانا اور کھولنا ایک مشکل کام ہے مسٹر ہارکر کیا تم ہمارے ساتھ اپنے مجسمہ کے ٹکڑے دیکھنے چلتے ہو؟
وہ افسردہ اخبار نویس اپنی لکھنے کی میز پر بیٹھ چکا تھا۔
ہارکر۔ گو شام کے اخبارات مفصل حالات سے شائع ہو چکے ہونگے تاہم میں اب کچھ اس واقعہ پر ضرور لکھوں گا۔ تم کو ڈونکاسٹر کا واقعہ یاد ہو گا؟ اُس وقت وہاں صرف میں ہی جرنلسٹ تھا، لیکن یہ میرا ہی اخبار تھا جس میں کوئی حال شائع نہیں ہوا تھا، کیونکہ اس واقعہ کے صدمے سے میں کچھ بھی نہ لکھ سکا اور اب میں اپنے دروازہ پر کے واقعات شائع کرنے میں اور تاخیر نہ کرونگا۔"

جب ہم کمرہ سے نکلے تو ہم نے اُس کی قلم کی آواز کاغذ پر چلتی ہوئی سنی۔ وہ جگہ جہاں مجسمے کے ٹکڑے پائے گئے تھے، صرف چند سو گز کے فاصلہ پر تھی۔ سب سے پہلے ہماری نظر اُس شہنشاہ اعظم پر پڑی جس نے ایک نامعلوم شخص کے دل میں اتنے جوش اور نفرت کو پیدا کر دیا تھا۔ اُس کے ٹکڑے ٹکڑے گھاس پر بکھرے پڑے تھے۔ ہولمز نے اُن میں سے دو ایک کو اُٹھا کر غور سے

دیکھا۔ مجھے اُس کے پُرشوق چہرے اور مطلبانہ انداز سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ آخرکار وہ کسی نتیجہ پر پہنچ گیا ہے۔

لسٹریڈ۔ ہاں تو۔

ہولمز نے اپنے مونڈھے ذرا بلند کئے۔

ہولمز۔ ابھی ہم کو بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ اور ـــــ اور ـــــ ہاں چند باتوں پر غور کرنا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مجرم کے نزدیک یہ ناچیز مجسمہ ایک انسانی جان سے کیوں زیادہ قیمت رکھتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر اُس کا مطلب صرف توڑنے ہی کا تھا تو تعجب ہے اس نے مکان ہی میں کیوں نہ توڑا۔ اور باہر لیجا کر کیوں توڑا۔

لسٹریڈ۔ وہ اس مقتول آدمی کے مل جانے سے پریشان ہو گیا، وہ نہ سمجھ سکا کہ کیا کرے۔

ہولمز۔ یہ تو ٹھیک ہے، لیکن میں خاص طور پر تم کو اس باغ والے مکان پر، جس میں مجسمہ توڑا گیا ہے، توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

لسٹریڈ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

لسٹریڈ۔ چونکہ یہ مکان خالی تھا، اس لئے باغ میں توڑنا اس کے لئے باعث خلل اندازی نہ تھا۔

ہولمز۔ اچھا۔ لیکن بازار سے فاصلہ پر ایک اور بھی تو خالی مکان ہے جس سے گذر کر وہ یہاں پہنچا ہو گا۔ اُس نے اُسے وہیں کیوں نہ توڑا جبکہ ہر قدم پر اُسے کسی آدمی کے مل جانے کا خطرہ تھا۔

لسٹریڈ۔ میں اسے چھوڑے دیتا ہوں۔

ہولمز نے بازار کے لیمپ کی طرف اشارہ کیا جو ہمارے سر کے اوپر

آویزاں تھا۔

ہولمز۔ وہ اپنا فعل یہاں دیکھ سکتا تھا اور وہاں نہیں۔ اُس کا یہ مطلب تھا۔

لسٹریڈ۔ بیشک! یہ ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر بارنی کاٹ کا بت بھی لمپ کے قریب ہی توڑا گیا تھا۔ اچھا تو مسٹر ہولمز ہم اس کا کیا کریں؟

ہولمز۔ اس کو یاد رکھو اور لکھ لو۔ ہم کو کوئی دوسری ایسی چیز معلوم ہوگی جو اس سے کچھ نسبت رکھتی ہوگی۔ لسٹریڈ اب تمہارا کیا کارروائی کرنیکا ارادہ ہے؟

لسٹریڈ۔ میرے خیال میں اس معاملہ کا برآمد کرنا مقتول کی شناخت پر منحصر ہے، جو آسانی سے ہوسکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوجائیگا کہ یہ کون شخص ہے اور اسکے ہم صحبت کیسے اشخاص ہیں تو ہم کو معلوم ہوجائیگا کہ گذشتہ شب اسکاپٹ اسٹریٹ میں کیا کام تھا اور کس شخص نے اس کو مسٹر ہارپس ہارکر کے دروازہ پر قتل کیا ہے۔ کیا اس طرح نہ کیا جائے؟

ہولمز۔ بلاشک۔ مگر اس واردات کے برآمد کرنے کے لئے بھی ایک طریقہ نہیں ہے۔

لسٹریڈ۔ تو تم کیا کروگے؟

ہولمز۔ میں تم سے الگ رہونگا۔ میں اپنے طریقہ پر کام کروں اور تم اپنے طریقہ پر۔ بعد میں ہم اپنے اپنے نوٹ ملائیں گے۔

لسٹریڈ۔ بہت اچھا۔

ہولمز۔ اگر تم واپس پٹ اسٹریٹ کو جاؤ تو مسٹر ہارپس ہارکر سے میری جانب سے کہدینا کہ ہولمز کا کامل یقین ہے کہ گذشتہ شب تمہارے مکان میں قاتل ایک خطرناک دیوانہ تھا۔ یہ اُس کے آرٹیکل کے واسطے مفید ہوگا۔

لسٹریڈ نے گھور کر دیکھا۔

لسٹریڈ۔ تم جو کہہ رہے ہو اس پر تمہارا پورا یقین ہے؟
ہولمز مسکرانے لگا۔
ہولمز۔ ہاں۔ لیکن مجکو یقین ہے کہ یہ مسٹر ہاریس ہارکر اور سنٹرل پریس سنڈکیٹ کے خریداروں کے لئے باعث دلچسپی ہوگا۔ واٹسن اب ہم کو پورے دن کام میں مشغول رہنا ہوگا۔ لسٹریڈ اس میں آسانی ہوگی اگر تم ہی آج شام کو چھ بجے ہم سے بیکر سٹریٹ میں ملو۔ اس فوٹو کو جو مقتول کے لباس میں نکلا ہے' میں اُس وقت تک اپنے ہی پاس رکھوں گا۔ یہ ممکن ہے کہ آج شب ہم کو ایک چھوٹی سی مہم میں تمہاری مدد واعانت کی ضرورت ہو' اگر میرے خیالات غلط ثابت نہ ہوئے۔ اچھا گڈ بائی۔

شرلاک ہولمز اور میں دونوں وہاں سے ہائی اسٹریٹ میں گئے۔ اور ہارڈنگ برادرز کی دکان پر ٹھہر گئے' جہاں سے کہ مجسمہ خریدا گیا تھا۔ نوجوان نائب نے ہم سے کہا کہ مسٹر ہارڈنگ دوپہر تک واپس آئیں گے' اور چونکہ میں ایک نووارد ہوں اسلئے کوئی بات نہیں بتلا سکتا۔ ہولمز کے چہرہ سے ناامیدی اور تکلیف کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

ہولمز۔ اچھا واٹسن۔ اس وقت رہنے دو۔ سہ پہر کو پھر آئیں گے۔ میں جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ان بتوں کی اصل تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ اس غرض سے کہ شاید کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو ان کی عجیب قسمت کے فیصلہ کا حال بتلا سکے اب کینگٹن روڈ میں مسٹر مورس ہڈسن کے پاس چلنا چاہیے شاید کہ وہ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈال سکے۔

ایک گھنٹہ کی سواری کے بعد ہم تصاویر فروش کی دکان پر پہنچے۔ یہ ایک پستقد مضبوط شخص تھا۔ اُس کا چہرہ سرخ تھا۔ اور اُس کے کاموں میں تیزی پائی جاتی تھی۔

اُس نے کہا۔جی ہاں۔میری ہی میز پر وہ بت توڑا گیا تھا۔ہم نہیں جانتے کہ ہم سے کس لئے محصول اور ٹکیس لیا جاتا ہے، جبکہ ایک آوارہ گرد آدمی ایک غیر شخص کے مکان میں داخل ہو کر اُس کی اشیاء کو توڑ پھوڑ ڈالتا ہے جی ہاں۔میں نے ہی ڈاکٹر بارنی کاٹ کو دو بت فروخت کئے تھے۔جناب بدقسمتی ہے۔مجکو تو یہ کسی نہلسٹ کا کام معلوم ہوتا ہے۔سوائے انارکسٹ کے کوئی بتوں کو نہیں توڑ سکتا تھا۔یہ سوال کہ میں نے کس سے وہ مجسمے خریدے تھے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ معاملہ سے کیا تعلق رکھتا ہے۔لیکن اگر تم جاننا ہی چاہتے ہو تو میں نے وہ جیلڈر اینڈ کو کے یہاں سے خریدے تھے، جن کا پتہ چرچ سٹریٹ اسٹپنی ہے۔وہ تجارت میں بہت مشہور اشخاص ہیں اور اُن کا کاروبار بیس سال سے جاری ہے۔میرے پاس کتنے بت تھے؟ تین۔دو اور ایک تین ہی ہوتے ہیں۔دو ڈاکٹر بارنی کاٹ کو فروخت کئے اور ایک دن کی روشنی میں میری ہی میز پر توڑ ڈالا گیا۔کیا میں اس فوٹوگراف کو پہچانتا ہوں؟ ہیں نہیں۔میں نہیں پہچانتا۔ہاں۔ہاں۔یہ تو بیپو ہے۔یہ ایک اٹالین کاریگر تھا اور میری دکان میں عمدہ کام کرتا تھا۔یہ کمانیوں پر ملمع کیا کرتا تھا۔اور دوسرے نفیس اور باریک کام اس کے متعلق تھے۔گذشتہ ہفتہ سے یہ میری دکان سے غیر حاضر ہے اور تب سے میں نے اس کا کچھ حال نہیں سُنا ں مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔جب تک وہ میرے پاس رہا میں نے اُس میں کوئی عیب نہیں پایا۔وہ بت کے توڑے جانے سے دو روز پیشتر چلا گیا تھا۔

جب ہم دکان سے باہر آئے تو ہومز نے کہا "مورس ہڈسن سے جو معلوم ہو سکتا تھا وہ تو معلوم ہو گیا۔اس بیپو کا تعلق کیننگٹن اور کینسنگٹن دونوں سے

معلوم ہوتا ہے، جو یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ اچھا واٹسن اب اپنی میں جیلڈر اینڈ کو کے یہاں چلیں جو ان بتوں کا منبع ہے۔ نہایت تعجب کی بات ہوگی اگر ہم کو وہاں سے کچھ اطلاع نہ مل سکے۔"

ہم نہایت تیزی سے فیشن ایبل لندن، ہوٹلوں والے لندن، تجارتی لندن، تھئیٹروں والے لندن، علم والے لندن، اور آخر میں لب دریا لندن کی حد سے گذر گئے۔ اس کے بعد ہم دریا کے کنارے ہزاروں ارواح کے شہر میں داخل ہوئے جہاں کہ مقبوضہ مکانات گرمی اور دھوئیں سے تنگ آ رہے تھے۔ اس جگہ ایک وسیع جگہ میں جو کبھی لندن کے دولتمند تاجروں کا مسکن تھا، ہم کو بت تراشی کی دکانات ملیں جن کی تلاش میں ہم تھے۔ باہر کی طرف ایک میدان میں قابل یادگار معماری کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ اندر کے کمرہ میں پچاس کاریگر نقاشی کر رہے تھے اور مٹی کے ڈھانچے ڈھال رہے تھے۔ مینیجر نے جو ایک جرمن موٹا تازہ آدمی تھا، ہمارا مہذبانہ استقبال کیا اور ہولمز کے ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ اس نے اپنی کتاب میں دیکھکر کہا کہ سینکڑوں بتوں کی اس سنگ مرمر کے نپولین کے سر سے نقل آتاری گئی ہے لیکن وہ تین بت جو ایک سال یا اس سے قبل مورس ہڈسن کو بھیجے گئے تھے اُن چھ بتوں میں سے تھے جن میں سے تین کینسنگٹن والے ہارڈنگ برادرز کو فروخت کئے گئے تھے۔ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ یہ چھ شکل دوسرے بتوں سے مختلف ہوں۔ اس خیال پر کہ کوئی شخص ان کو کیوں برباد کرتا ہے، وہ ہنسنے لگا۔ تھوک فروشی میں اُن کی قیمت چھ چھ شلنگ ہوتی تھی، لیکن خردہ فروش اُن کو بارہ یا زیادہ شلنگ میں بھی فروخت کرتے ہیں۔ ڈھانچے کے دونوں رخ دو مٹیوں سے بنائے گئے تھے۔ پھر ان دونوں یک رخی مورت کے ٹکڑوں کو پیرس کے ضماد سے جوڑ کر پورا بت بنا لیا گیا تھا

یہ کام جس کمرہ میں ہم تھے وہیں کے اٹالین کاریگروں نے کیا تھا۔ جب وہ بت تیار ہو گئے تو ایک میز پر راستہ میں خشک ہونے کے لئے رکھ دیئے گئے تھے اور اس کے بعد کوٹھا ہیں بند کوائے گئے۔ بس وہ اتنا ہی بتلا سکا۔

لیکن فوٹو کے دیکھنے پر مینجر کے دل پر عجب اثر پڑا۔ اُس کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور اس کی بھویں اُس کی نیلی آنکھوں پر سکڑ گئیں۔

مینجر۔ یہ بدمعاش! ہاں میں اس کو خوب جانتا ہوں۔ یہ ہمیشہ ہمارا قابل عزت نوکر رہا اور اس مقام پر پولیس اسی کے طفیل سے آئی۔ اس کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گذرا کہ اُسے بازار میں ایک دوسرے اٹالین کے چاقو مارا تھا اور پھر ہمارے کارخانہ میں بھاگ آیا۔ پولیس بھی پیچھے پیچھے آن پہنچی اور اسکو یہاں سے گرفتار کر لے گئی۔ اس کا نام بیپو ہے اور دوسرے نام سے میں واقف نہیں۔ انصاف کیجئے کیا ایسے آدمی کو رکھنا مناسب تھا۔ تاہم وہ ایک عمدہ کاریگر تھا بلکہ عمدہ ترین۔

ہولمز۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟

مینجر۔ وہ شخص یہاں ہی رہتا تھا اور ایک سال کا عرصہ ہوا وہ یہاں سے چلا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اب کہیں باہر چلا گیا ہے۔ مگر اُس نے پھر کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔ اُس کا ایک عمزاد بھائی یہاں کام کرتا ہے اور وہ تم کو اس کا پتہ بتلا دیگا۔

ہولمز۔ نہیں۔ نہیں۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ اُس سے ایک لفظ بھی نہ کہنا معاملہ نہایت سخت ہے اور جتنا زیادہ میں دریافت کرتا ہوں اُتنا ہی زیادہ یہ بھی اہم ہوتا جاتا ہے۔ جب تم اپنے بہی کھاتہ میں اُن مجسموں کی فروخت دیکھ رہے تھے تو میں نے دیکھا تھا کہ تاریخ سال گذشتہ کی تین جون تھی۔ کیا تم

بتا سکتے ہو کہ بیوکا گرفتاری کس تاریخ کو عمل میں آئی تھی؟

مینیجر - میں تم کو فہرست ادائیگی سے بے ترتیب طور پر بتا سکتا ہوں - ہاں - (چند اوراق الٹ کر) اس کی تنخواہ گذشتہ مئی کی بیس تاریخ کو ادا کی گئی تھی -

ہولمز - میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں - میں اب زیادہ آپ کے وقت میں مخل ہونا نہیں چاہتا -

اس کے بعد وہ جلدی سے اس طریق پر اٹھا کہ مینیجر ہماری اس تلاش کے متعلق کچھ نہ دریافت کر سکا اور ہم پھر مغرب کی طرف روانہ ہوئے - دوپہر بہت ڈھل چکی تھی جب ہم نے ایک جگہ جلدی جلدی کھانا حلق سے اتارا - اس جگہ ایک اخبار دیکھا جس کے درمیان میں یہ سرخی تھی "کینسنگٹن میں لڑائی - ایک دیوانہ کے ہاتھ سے قتل" - اخبار کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ مسٹر ہارکر نے آخرکار اپنے حالات شائع کر دیئے ہیں - دو کالم جو اس کی بحث سے پُر تھے - اور باقی اس ترتیب سے اس واقعہ کے حالات تھے - ہولمز نے اسے اچار دان سے لگا کر رکھ دیا اور کھانے کے درمیان پڑھتا رہا - دو تین مرتبہ وہ مسکرایا -

ہولمز - واٹسن معاملہ ٹھیک ہو گیا - سنو "یہ جاننا تسکین بخش ہے کہ اس واقعہ کے متعلق رایوں میں اختلاف نہیں ہے - مسٹر لسٹریڈ جو کہ ایک تجربہ کار پولیس افسر ہیں اور مسٹر شرلاک ہولمز جو کہ ایک مشہور سراغرساں شخص ہیں ان دونوں کا تجزیہ ہے کہ یہ تمام نازیبا واقعات جو ایسے غمگین طور سے ختم ہوئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر جنون سے ہے اور کسی مستحکم جرم سے نہیں - ایسے واقعات صرف ایک گمراہ دماغ کا نتیجہ ہو سکتے ہیں" - واٹسن پریس ایک نہایت کار آمد آلہ ہے بشرطیکہ تم اسے استعمال کرنا جانتے ہو - اگر تم کھا چکے ہو تو پھر کینسنگٹن کو

واپس چلیں۔ دیکھیں ہارڈنگ برادرز کا مینجر اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔

اُس بڑی تجارت گاہ کا مالک ایک پھرتیلا، تیز مزاج اور چالاک شخص تھا۔ اُس کا سر صفا تھا اور اُس کی زبان تیز چلتی تھی۔

اُس نے کہا "جی ہاں۔ میں نے شام کے اخبارات میں پیشتر ہی تمام حالات پڑھ لئے ہیں۔ مسٹر ہارکر ہمارا ہی خریدار ہے۔ چند ماہ ہوئے کہ ہم نے اُس کو بت فروخت کیا تھا۔ ہم نے اس قسم کے تین بُت اسٹینی سے جیلڈر اینڈ کو سے خریدے تھے۔ وہ تمام فروخت ہو چکے۔ میں نے وہ کن کن کو فروخت کئے؟ یہ میں اپنی کتاب دیکھکر آسانی سے بتلا سکتا ہوں۔ ایک تو مسٹر ہارکر کو۔ ایک مسٹر جوزیہ براؤن کو، جن کا پتہ لیبرنم لاج، لیبرنم ویل چسوک ہے۔ اور ایک مسٹر سینڈی فارڈ کو جو موٹر گروو روڈ، ریڈنگ میں رہتے ہیں۔ میں نے یہ شکل کبھی نہیں دیکھی ہے جو تمہارے فوٹو میں ہے۔ تم کو یقین کرنا چاہئے کہ میں نے کبھی پہلے ایسا بدشکل چہرہ نہیں دیکھا ہے۔ ہمارے اسٹاف میں کیا اٹالین ہیں؟ جی ہاں۔ ہمارے یہاں چند کاریگر ہیں اور کچھ صاف کرنے والے۔ یہ لوگ میرے بہی کھاتہ کو جب چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔ میری کتابوں کے دیکھ لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ یہ نہایت عجیب کام معلوم ہوتا ہے اگر تم اور کچھ دریافت کرنا چاہتے ہو تو میں بتلانے کو تیار رہوں۔"

مسٹر ہارڈنگ کے بیان کرتے وقت ہولمز کچھ نوٹ کرتا رہا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان باتوں سے مطمئن ہے۔ اس نے سوائے اس کے اور کچھ نہ کہا کہ اگر ہم جلدی مکان کو نہ گئے تو لسٹریڈ سے نہ مل سکیں گے۔ غرض جب ہم بیکر اسٹریٹ میں پہنچے تو دیکھا کہ لسٹریڈ وہاں پیشتر ہی سے موجود تھا اور ایک بے صبری کے انداز سے چہل قدمی کر رہا تھا۔ اُس کے چہرہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُس کا دن بھی

فضول صرف نہیں ہوا ہے۔

لسٹریڈ۔ ہاں مسٹر ہولمز آپ نے کیا پتہ نکالا؟

ہولمز۔ ہم آج تمام دن مشغول رہے اور وقت بھی ضائع نہ گیا۔ ہم نے دونوں خردہ فروشوں سے ملاقات کی اور تھوک فروش کی دکان پر بھی گئے۔ اب میں ہر بت کا حال شروع سے لیکر آخر تک بیان کر سکتا ہوں۔

لسٹریڈ۔ بت! اچھا مسٹر ہولمز تمہارا طریقہ اور ہے اور میں اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن میری دانست میں میرا آج کا کام بہ نسبت تمہارے کام کے زیادہ اچھا ہے۔ میں نے مقتول کو دریافت کر لیا ہے۔

ہولمز۔ یہ بات ہے۔

لسٹریڈ۔ اور میں نے سبب قتل بھی دریافت کر لیا ہے۔

ہولمز۔ بہت خوب۔

لسٹریڈ۔ ہم کو یہ ایک انسپکٹر سے معلوم ہوا جو خاص طور پر سیفرن ہل اور اٹالین متعلقات پر متعین ہے۔ مقتول کی گردن پر کیتھولک فرقہ کا نشان تھا اس سے اور اس کے رنگ و روغن سے بھی معلوم ہوا کہ وہ جنوب کا باشندہ ہے۔ انسپکٹر ہل نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ اس کا نام پیٹرو وینوکی ہے اور نیپلز کا رہنے والا ہے۔ اس کا شمار لندن کے بڑے بڑے گلے کاٹنے والوں میں سے ہے اس کا تعلق میفیا سے ہے جو ایک پولیٹیکل خفیہ جماعت ہے اور اپنا اثر بذریعہ قتل بڑھا رہی ہے۔ دیکھیو معاملہ کیسا صاف ہوتا جاتا ہے۔ دوسرا شخص بھی کوئی اٹالین ہی ہے۔ اور میفیا کا ممبر بھی۔ اس نے کسی طرح پر قواعد کی خلاف ورزی کی ہے۔ پیٹرو اس پر متعین کیا گیا ہے۔ غالباً جو فوٹو مقتول کی جیب میں ملا ہے وہ اسی کا ہے۔ تاکہ وہ کسی دوسرے شخص کو دھوکے میں قتل نہ کر دے۔ وہ

اس آدمی کے پیچھے بھاگتا ہے اور اس کو جب مکان میں داخل ہوتے دیکھتا ہے تو باہر اس کا انتظار کرتا ہے اور بعدہٗ دھکم دھکا میں خود اپنے ہاتھ سے زخمی ہوتا ہے۔ کیا مسٹر ہولمز یہ بات نہیں ہے؟

ہولمز نے اپنے دونوں ہاتھ ملا لئے۔

ہولمز۔ خوب لسٹرڈ خوب لیکن تمہارے بیان سے مجسموں کا تعلق دور رہ جاتا ہے۔

لسٹرڈ۔ مجسمے! تم ان کا خیال دماغ سے نکال دو۔ یہ کوئی بات نہیں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی وارداتیں تو ہر چھٹے ماہ ہوتی رہتی ہیں۔ ہم تو صرف قتل کی جستجو کر رہے ہیں اور قریب قریب میں تمام باتوں تک پہنچ گیا ہوں۔

ہولمز۔ اور دوسری بات؟

لسٹرڈ۔ وہ نہایت آسان ہے۔ کل میں آپ کے ہمراہ اٹالین مقامات پر جاؤنگا اور فوٹو والے شخص کو جرم قتل میں گرفتار کر لوں گا۔ کیا تم ہمارے ساتھ چلو گے؟

ہولمز۔ نہیں۔ ہم اس سے زیادہ آسانی سے اپنا کام پورا کر سکتے ہیں مجھے یقین ہے۔ کیونکہ یہ سب ایک ایسے شخص کی گرفتاری پر منحصر ہے جو ہمارے قبضہ سے باہر ہے لیکن مجکو امید ہے۔ اگر تم آج ہمارے ہمراہ چلو تو اس شخص کو پا سکتے ہو۔

لسٹرڈ۔ اٹالین مقامات میں؟

ہولمز۔ نہیں۔ میرے خیال میں ہم اسے چسوک میں پائیں گے۔ اگر لسٹرڈ تم آج رات ہمارے ساتھ چسوک چلو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کل ہم تمہارے ساتھ اٹالین مقامات کو چلیں گے اور تھوڑی سی دیر میں کچھ ہرج بھی نہ ہوگا۔ اب چند گھنٹے ہم آرام کر سکتے ہیں کیونکہ گیارہ بجے سے پیشتر ہم روانہ نہ ہو سکیں گے

اور صبح سے پیشتر واپس آنے کی بھی امید نہیں ہے۔ لسٹریڈ تم ہمارے ہی ساتھ کھانا کھاکر اس کوچ پر تھوڑی دیر آرام کر لو۔ واٹسن تم ابھی ایک قاصد کو بلاؤ کیونکہ مجھے ایک خط روانہ کرنا ہے اور یہ نہایت ضروری ہے کہ خط ابھی جائے۔

ہولمز نے شام کا وقت پرانے روزانہ اخبارات کی اوراق گردانی میں صرف کیا جن سے ہمارا ایک کمرہ بھرا ہوا تھا۔ لیکن جب وہ ختم کر چکا تو اسکی آنکھوں سے خوشی ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن اس نے ہم دونوں سے کوئی بات نہ کی چونکہ میں ہولمز کے ہمراہ رہا تھا۔ اس لئے مجھکو معلوم ہوتا تھا کہ ہولمز کے نزدیک یہ بے سروپا واقعات باقی ماندہ دو بتوں پر بھی اپنا اثر ڈالیں گے، جن میں سے ایک چیسوک میں تھا۔ بلاشک ہمارے سفر کا منشاء یہ تھا کہ ہم اس شخص کو اثنائے فعل میں گرفتار کریں۔ میں اپنے دوست کی چالاکی کی تعریف کر رہا تھا کہ اس نے کس طرح ایک غلط خبر شام کے اخبارات میں درج کرائی ہے جس کو پڑھ کر وہ شخص اپنا کام بلاخوف جاری رکھ سکے گا۔ مجھے بالکل بھی تعجب نہیں معلوم ہوا جب ہولمز نے مجھ سے اپنا ریوالور لے چلنے کے لئے کہا اس نے بھی اپنا گوپھیہ اٹھا لیا جو اس کا مرغوب ہتیار تھا۔ گیارہ بجے ایک چار پہیوں والی گاڑی دروازہ پر آگئی اور ہم اس میں بیٹھکر ہمیر اسمتھ پل کے اس طرف ہو کر مقام مقصود کو روانہ ہوئے۔ وہاں گاڑی والے کو ٹھہرا دیا گیا تھوڑی سی چہل قدمی کے بعد ہم ایک علٰحدہ سڑک پر پہنچے جس کے ادھر ادھر نفیس مکانات اپنی اپنی زمینوں میں بنے ہوئے تھے۔ سڑک کے لیمپ کی روشنی میں ہم نے ایک مکان پر "لیبرنم وار" لکھا ہوا دیکھا۔ مکین ظاہرا آرام کرنے کے لئے چلے گئے تھے، کیونکہ ہر طرف اندھیرا ہو رہا تھا۔ صرف ہال کے دروازہ

ین
ں سے کچھ روشنی نکلکر باغ کے دروازہ پر پڑ رہی تھی۔ لکڑیوں کی باڑ جو
کان کو سڑک سے جدا کرتی تھی، اندر کی طرف نہایت گہرا سیاہ سایہ ڈال
رہی تھی اور اسی جگہ ہم چھپ کر بیٹھ گئے۔
ہولمز۔ (آہستہ سے) "شاید ہم کو یہاں دیر تک انتظار کرنا پڑیگا۔ ہم کو تاروں کا
شکریہ ادا کرنا چاہئے، کیونکہ آج بارش نہیں ہے۔ ہم وقت گذارنے کے
سگرٹ بھی نہیں پی سکتے۔ خیر ہم کو کوئی ایسی چیز حاصل ہوگی جو ہماری تکالیف
کا کافی معاوضہ ہو سکے۔"

لیکن ہم کو بہت انتظار نہ کرنا پڑا جیسا کہ ہولمز نے کہکر ہم کو ڈرا دیا تھا
اور یہ ایک فوری اور عجیب طرز سے ختم ہوا۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے پاس بغیر
کوئی آہٹ آئے باغ کا دروازہ کھلا اور ایک سیاہ صورت شخص جو شل
لنگور کے تیز و طرار تھا باغ کے راستے میں دکھائی دیا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ دروازہ
سے نکلتی ہوئی روشنی سے گذر کر مکان کے سیاہ سایہ میں غائب ہو گیا۔ تھوڑی
دیر تک کوئی آواز نہ آئی اور اس عرصہ میں ہم دم بخود بیٹھے رہے۔ اس کے
بعد نہایت آہستہ سے ایک آواز ہمارے کانوں میں آئی۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی
آواز بند ہو کر پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ آدمی مکان میں جا رہا تھا۔ ہم نے کمرہ میں
ایک تاریک لالٹین کی جھلک دیکھی۔ ظاہرا جو چیز وہ وہاں تلاش کر رہا تھا
اس جگہ نہ تھی کیونکہ اس کے بعد روشنی ایک پردہ پر اور پھر دوسرے پر
پڑتی معلوم ہوتی تھی۔

لسٹرڈ۔ (آہستہ سے) "ہمیں اس کھڑکی کے پاس چلنا چاہئے اور جب وہ
کودے گا ہم اسے گھیر لیں گے۔"

لیکن پیشتر اس کے کہ ہم حرکت کریں وہ آدمی دوبارا ظاہر ہوا اعجوبہ

وہ روشنی میں آیا ہم نے دیکھا کہ اُس کے بغل میں کوئی چیز ہے۔ اُس نے دزدانہ نظر سے اپنے چاروں طرف نظر ڈالی۔ بازار کی خاموشی نے اُس کو مطمئن کر دیا اُس نے ہماری طرف پشت کر کے وہ چیز زمین پر رکھدی۔ اس کے بعد ایک کھٹکی کی آواز آئی۔ اور اسی کے ساتھ ہی کسی چیز کے ٹوٹنے کی۔ وہ آدمی اپنے کام میں اتنا مشغول تھا کہ ہمارے قدموں کی آہٹ جبکہ ہم گھاس پر آہستہ آہستہ اُس کی طرف چل رہے تھے، نہ سن سکا ہولمز شیر کی سی جست کر کے اُس پر جا پڑا اور فوراً میں نے اور لسٹریڈ نے اُسکی دونوں کلائیاں پکڑ کر ہتکڑیاں پہنا دیں۔ جب ہم نے اُس کا رخ پھیرا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک عیب اور زرد چہرہ کا آدمی ہے۔ وہ ہماری طرف دیکھ رہا تھا اور فوٹو سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔

لیکن صرف یہی ہمارا مجرم نہ تھا جس پر ہولمز اتنی توجہ کر رہا تھا۔ پا انداز کے پاس دوزانو بیٹھکر ہولمز دیکھنے لگا کہ کیا چیز اندر سے لائی گئی ہے۔ یہ ایک نپولین کا مجسمہ تھا جیسا کہ ہم نے ایک آج صبح دیکھا تھا اور اس کے بھی ویسے ہی ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ ہر ٹکڑے کو ہولمز نے بڑی ہوشیاری سے روشنی کے سامنے کیا، لیکن وہ دوسرے ٹکڑوں سے کسی طرح پر بھی مختلف نہ نکلا۔ وہ ابھی دیکھ ہی چکا تھا کہ ہال میں روشنی ہو گئی۔ دروازہ کھلا اور مالک مکان جو ایک خوش طبع اور گول چہرہ کا شخص تھا کرتہ اور پاجامہ پہنے ہوئے ظاہر ہوا

ہولمز۔ کیا مسٹر جوزیہ براؤن ہیں؟

وہ۔ جی ہاں۔ کیا تم مسٹر شرلاک ہولمز ہو؟ تمہارا خط مجکو مل گیا تھا اور میں نے ویسے ہی عمل کیا۔ ہم نے مکانوں کے دروازے اندر سے مقفل کر دیئے اور انتظار کرنے لگے۔ میں خوش ہوں کہ تم نے اس بدمعاش کو گرفتار کر لیا ہے۔ میں آپ

صاحبوں سے التجا کرتا ہوں کہ اندر آ کر کچھ نوش کر لیں"۔

بہر کیف لسٹریڈ چاہتا تھا کہ اُسے محفوظ جگہ میں پہنچا دے۔ اسلئے گاڑی منگائی گئی اور ہم چاروں لندن کو روانہ ہوئے۔ ہمارے قیدی نے کوئی لفظ منہ سے نہ نکالا۔ لیکن وہ ہم کو برابر گھورتا رہا۔ اور ایک مرتبہ جب اتفاق سے میرا ہاتھ اُس کے قریب پہنچ گیا تو وہ مثل ایک بھوکے بھیڑیئے کے کاٹ کھانے کو دوڑا۔ ہم بہت دیر تک پولیس کی چوکی پر ٹھہرے رہے اور اس کی تلاشی لینے پر سوائے چند شلنگ اور ایک لانبے نیام دار چاقو کے اور کچھ نہ نکلا۔ چاقو کے دستہ پر تازہ خون کے کثیر نشانات تھے۔

لسٹریڈ۔ (ہمارے چلتے وقت) معاملہ ٹھیک ہو گیا۔ اب ہم اس شخص کو پہچان لیگا اور نام بتا دیگا۔ تم کو معلوم ہو جائیگا کہ میری میفیا والی تجویز درست ہے یا نہیں۔ مسٹر ہولمز میں تمہارا احسانمند ہوں جس جوانمردی سے تم نے اسکو گرفتار کرایا۔ گر یہ میں اب تک نہ سمجھ سکا۔

ہولمز۔ "مجھے بیان کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ابھی ایک گھنٹہ قبل ہے۔ اس کے علاوہ ابھی دو تین باتیں اور بھی ہیں جو ابھی ختم نہیں ہوئیں اور یہ معاملہ اُن چند معاملات میں سے ہے جن کا اختتام پر پہنچانا ایک بڑا کام ہے۔ اگر تم کل چھ بجے پھر ہمارے مکان پر آؤ تو میں تم کو بتلا سکوں گا کہ ابھی تم معاملہ کو مطلق نہیں سمجھے ہو جس میں چند ایسی باتیں ہیں جو اس معاملہ کو تاریخ جرائم میں ایک بڑی جگہ دیتی ہیں۔ واٹسن اگر تم اس معاملہ کی چند اور باتیں میرے ہمراہ دیکھ لو گے تو میں شہادت دیتا ہوں کہ تم نپولین کے مجسموں کے عجیب و غریب حالات سے کئی صفحے پُر کر لو گے"۔

دوسرے روز شام کو جب لسٹریڈ ہم سے ملا تو اُس نے قیدی کے متعلق

بہت سی باتیں بتلائیں۔ اُس نے کہا کہ اس کا نام بپو ہے اور دوسرا نام نامعلوم ہے۔ اٹالین نوآبادی میں وہ ایک نکوکار متصور ہوتا تھا۔ کبھی وہ ایک عمدہ کاریگر تھا اور معقول تنخواہ پاتا تھا۔ بعد، یہ بُرے فعل کرنے لگا اور یہ دو مرتبہ پہلے بھی قید بھگت چکا ہے۔ ایک مرتبہ تو ایک چھوٹی سی چوری پر اور ایک مرتبہ جیسا ہم نے سُنا ہے ایک آدمی کے قتل کرنے پر۔ وہ انگریزی بخوبی بول سکتا ہے۔ اُس نے بتوں کے توڑنے کا سبب ظاہر نہیں کیا اور اس بحث پر اُس نے کسی سوال کا جواب دینے سے قطعی انکار کر دیا۔ لیکن پولیس نے معلوم کیا ہے کہ یہ بت اُسی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں جبکہ وہ جیلڈر اینڈ کو کے یہاں کام کیا کرتا تھا۔

ان باتوں کو جو ہم پیشتر ہی سے جانتے تھے ہولمز سنجیدگی سے سنتا رہا۔ لیکن چونکہ میں اُس کی حالت سے واقف تھا، میں دیکھتا تھا کہ اُس کے خیالات کہیں اور ہیں اور اُس کے چہرہ سے اضطرابی اور امید کی جھلک اُس کے چھپائے نہ چھپتی تھی۔ آخرکار وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا اور اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں کسی نے گھنٹی بجائی تھی۔ ایک منٹ بعد ہم نے زینہ پر قدموں کی آواز سنی اور ایک معمر سُرخ چہرہ کا آدمی جس کی مونچھیں خاکی رنگ کی تھیں، اندر آیا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک پرانی وضع کا مخملی بیگ تھا جسے اُس نے میز پر رکھ دیا۔

نووارد۔ کیا مسٹر شرلاک ہولمز موجود ہیں؟

ہولمز۔ (سر جھکا کر اور مسکرا کے) کیا آپ مسٹر سینڈی فارڈ ریڈنگ والے ہیں؟

نووارد۔ جی ہاں۔ مجھے کچھ دیر ہو گئی ہے، لیکن گاڑی بے وقت پہنچی۔ تم نے اُس بت کی نسبت لکھا تھا جو میرے پاس ہے؟

ہولمز۔ بیشک۔
نووارد۔ یہ آپ کا خط ہے۔ تم نے اس میں لکھا ہے کہ میں نپولین کا سر خریدنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے جو تمہارے پاس ہے دس پونڈ دینے پر آمادہ ہوں۔ کیا یہ درست ہے؟
ہولمز۔ بیشک۔
نووارد۔ میں تمہارا خط پڑھ کر نہایت متعجب ہوا کہ تم کو میرے پاس بت کے ہونے کا کس طرح علم ہوا
ہولمز۔ بیشک۔ لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مسٹر ہارڈنگ نے ہم سے بیان کیا تھا کہ انہوں نے آخری بت تم کو فروخت کیا ہے اور انہیں نے تمہارا پتہ بتلایا تھا۔
نووارد۔ یہ بات ہے لیکن انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ میں نے یہ کس قیمت کو خریدا تھا؟
ہولمز۔ نہیں۔
نووارد۔ اچھا تو میں ایک راست باز آدمی ہوں گو کوئی بڑا دولتمند نہیں ہوں۔ میں نے اسے پندرہ شلنگ میں خریدا تھا اور میرا فرض ہے کہ تم کو دس پونڈ لینے کے قبل یہ جتا دوں۔
ہولمز۔ مسٹر سینڈی فارڈ مجھے یقین ہے کہ تم کو ضرور شک پیدا ہوا ہوگا لیکن میں نے قیمت زبان سے نکالدی ہے، اسلئے میں اس پر قائم ہوں۔
نووارد۔ اچھا مسٹر ہولمز یہ آپ کی عنایت ہے۔ تمہارے لکھنے کے مطابق میں وہ بت اپنے ہمراہ لے آیا ہوں۔
یہ کہکر اس نے بیگ کھولا اور ویسا ہی ایک ثابت مجسمہ اس نے ہماری

میز پر رکھدیا، جن کے کہ ہم کئی مرتبہ ٹکڑے دیکھ چکے تھے۔ ہولمز نے اپنی جیب سے ایک کاغذ اور ایک سو پونڈ کا نوٹ نکالکر میز پر رکھ دیا۔

ہولمز۔ مسٹر سینڈی فارڈ ان گواہوں کے سامنے اس کاغذ پر دستخط کردو اور لکھ دو کہ "میں اپنے تمام حقوق جو اس مجسمہ پر عائد ہو سکتے ہیں تم کو منتقل کرتا ہوں" میں ایک پابند قانون شخص ہوں، اور کوئی نہیں جان سکتا کہ آیندہ کیا بات پیدا ہو۔ مسٹر سینڈی فارڈ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ تمہارا روپیہ ہے اور میں گڈ ایوننگ کہتا ہوں۔

جب وہ نووارد نظر سے غائب ہو گیا تو شرلاک ہولمز کی حرکات نے ہماری توجہ اپنی طرف کھینچی۔ اُس نے پیشتر ایک صاف سفید کپڑا میز کی دراز سے نکالا اور میز پر پھیلا دیا۔ اس کے بعد اس نے وہ نوخریدہ مجسمہ کپڑے کے بیچ میں رکھا۔ آخر میں اُس نے اپنی چھڑی اُٹھا کر نپولین کے سر پر جمائی۔ بت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور ہولمز اُن پر جھک گیا۔ پھر وہ ایک ساتھ خوشی سے اُچھل پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک ٹکڑا تھا جس کے درمیان میں کوئی سیاہ چیز لگی ہوئی تھی۔

ہولمز۔ جنٹلمین! میں تم کو بارجیا کا مشہور سیاہ موتی دکھاتا ہوں۔

لسٹریڈ اور میں اختیاری صدمہ سے کچھ دیر تو خاموش بیٹھے رہے۔ اسکے بعد ہم دونوں تالیاں بجانے لگے جس طرح کسی نازک کھیل کے وقت بجاتے ہیں۔ ہولمز کے زرد رخساروں پر رنگ آگیا اور اُس نے مثل مالک ڈراما کے جب اُس کے خادم بندگی کرتے ہوتے ہیں، سر جھکا دیا۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہا اور کچھ دیر کے لئے اُس نے محبت نوع انسانی کو تعریف و آفرین کے لئے وقف کر دیا۔ لیکن دوستوں کا تعجب اور تعریف دیکھکر یہ حالت موقوف

ہو گئی۔

ہو لمز۔ جنٹلمین! یہ موتی دنیا کے گوہروں میں بہت زیادہ مشہور ہے، اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے گذشتہ واقعات سے یہ معلوم کیا کہ یہ ڈیکر ہوٹل میں شہزادہ کولونا کے بستر سے غائب ہو کر اُن چھ مجسموں میں غائب ہو گیا تھا جو جیلڈر اینڈ کو کے یہاں بنائے گئے تھے۔ لسٹریڈ تم کو یاد ہو گا کہ اس بیش بہا گوہر کے غائب ہو جانے سے کیسی کھلبلی مچی تھی اور لندن کی پولیس اس کے تلاش کرنے سے کتنی عاجز ہو گئی تھی۔ میں بھی اس کی جستجو پر مقرر کیا گیا تھا لیکن میں اس معاملہ پر کچھ بھی روشنی نہ ڈال سکا۔ شہزادہ کی خادمہ پر شبہ پڑتا تھا جو ایک اٹالین تھی، اور اس کا ایک بھائی بھی لندن میں تھا۔ لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکا۔ اس خادمہ کا نام **لکریشیا وینو کی** تھا اور میرے خیال میں پیٹرو اُس کا بھائی تھا جو دو شب گذریں قتل ہو گیا۔ میں نے پرانے اخبارات میں تاریخیں دیکھیں تو معلوم ہوا کہ موتی کا غائب ہونا بیپو کے کسی جرم میں گرفتار ہونے سے دو روز پیشتر واقع ہوا ہے۔ اور اُس کی گرفتاری جیلڈر اینڈ کو کے یہاں ٹھیک اُسی وقت عمل میں آئی تھی جبکہ یہ بت بن چکے تھے۔ اب تم حالات کے تسلسل کو جان سکتے ہو۔ موتی بیپو کے قبضہ میں تھا۔ اُس نے یہ پیٹرو کے پاس سے چرایا ہو گا، یا وہ پیٹرو کا راز دار ہو گا، یا وہ اُسکا اور اُس کی بہن کا درمیانی شخص ہو گا۔ ہم کو معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسی بات درست ہے۔

یقینی امر یہ ہے کہ موتی اُس کے پاس تھا اور اسی حالت میں پولیس نے اُس کا تعاقب کیا۔ وہ کارخانہ میں گھس گیا جہاں کام کیا کرتا تھا۔ اُس نے سمجھا کہ صرف چند ہی منٹ میں وہ اس قیمتی چیز کو پوشیدہ کر سکتا ہے،

ورنہ تلاشی لینے پر اُس کے پاس سے برآمد ہوگا۔ نپولین کے چھ مجسمے راستہ میں خشک ہو رہے تھے، اُن میں سے ایک ابھی نرم تھا۔ بپو نے جو ایک چالاک کاریگر تھا ایک لمحہ میں اُس بت میں سوراخ کرکے اُس میں موتی رکھدیا اور ایک دو مرتبہ ہاتھ لگا کر سوراخ کو نامعلوم کر دیا۔ یہ ایک نفیس ترکیب تھی۔ کوئی بھی موتی کو یہاں سے نہیں پا سکتا تھا۔ بپو کو ایک سال کی قید ہوگئی۔ اور وہ چھؤں مجسمے فروخت ہو گئے۔ اب وہ بجز ان کے توڑنے کے نہیں جان سکتا تھا کہ موتی کس میں ہے۔ ہلانے سے بھی یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ خشک ہونے پر موتی بت میں جم گیا تھا، جیسا کہ ہوا۔ بپو نا امید نہیں ہوا اور اُس نے اپنا کام نہایت فراست و ہوشیاری سے شروع کیا۔ اُس نے اپنے عمزاد بھائی کے ذریعہ سے جو جیلڈر کے یہاں کام کرتا ہے معلوم کر لیا کہ وہ بت کن کن خردہ فروشوں کو فروخت کئے گئے ہیں پھر وہ مورس ہڈسن کی دُکان پر ملازم ہو گیا اور اس طرح اُسے تین مجسموں کے توڑنے کا موقع مل گیا۔ لیکن اُن میں موتی نہ نکلا۔ اس کے بعد اُس نے چند اٹالین ملازمین سے دریافت کر لیا کہ باقی تین بت کہاں گئے۔ پہلا ہارکر کے یہاں تھا۔ اس جگہ اُس کے رازدار نے اُس کا تعاقب کیا، جو بپو کو موتی کے کھوئے جانے کا ذمہ وار گردانتا تھا۔ اس نے اُس کے چاقو مارا اور اس طرح یہ قتل واقع ہوا۔

میں۔ اگر وہ اُس کا رازدار تھا۔ تو اُس کے فوٹو کے رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟۔

ہولمز۔ اُسے ڈھونڈھنے کے لئے تا کہ کسی تیسرے شخص سے دریافت کر سکے ظاہرا یہی سبب ہو سکتا ہے قتل کے وقوعہ کے بعد میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ بپو اپنا

کام بہت جلد انجام دیگا کیونکہ اُسے خوف تھا کہ پولیس اس کے راز سے واقف ہوجائیگی۔ اور اسلئے اُس نے پولیس کی آگاہی سے پیشتر اپنا کام ختم کرنیکا ارادہ کر لیا۔ مجھے اب تک یہ نہ معلوم ہوسکا کہ آیا اُس کو موتی ہارکر کے یہاں ملا۔ یا نہیں۔ نہ مجھے یقین تھا کہ وہ موتی تلاش کر رہا ہے۔ البتہ یہ جانتا تھا کہ وہ کسی چیز کی تلاش میں ہے۔ کیونکہ اُس نے بُت کو باغ میں دور لیجا کر لیپ کے قریب توڑا تھا۔ ہارکر کا بُت اُن تین میں سے ایک تھا۔ اب یہ ظاہر تھا کہ باقی ماندہ دو میں سے وہ پہلے لندن والے کو توڑیگا۔ میں نے پیشتر ہی مالک مکان کو اطلاع دے دی تھی تاکہ کوئی دوسری واردات وقوع میں نہ آئے۔ اور اسکے بعد ہم کامیاب واپس آئے۔ اس کے بعد سے مجکو یقین ہوگیا کہ یہ بارجیا والا موتی ہے۔ مقتول کے نام نے ان دونوں واقعات کو جوڑ دیا۔ اب صرف ایک ریڈنگ والا ہی بت رہ گیا تھا اور اُسی میں موتی ہونا چاہئے تھا۔ میں نے تمہارے سامنے ہی اُسے اُس کے مالک سے خریدا اور وہ یہ ہے۔"

ہم تھوڑی دیر سناٹے میں بیٹھے رہے۔

لسٹریڈ "مسٹر ہولمز تم نے بہت سے مقدمات کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے مگر اس سے عمدہ کبھی کوئی آپ نے انجام نہ دیا ہوگا۔ ہم اسکاٹ لینڈ یارڈ والے آپ پر حسد نہیں کرتے ہیں بلکہ ہم فخر کرتے ہیں اگر تم کل ہمارے یہاں آؤ تو معمر انسپکٹروں سے لیکر نوجوان کانسٹبلوں تک کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو آپ سے ہاتھ ملاتا اپنا فخر نہ تصور کرے۔"

ہولمز "جناب کا شکریہ۔ واٹسن اس موتی کو الماری میں بند کردو۔ لسٹریڈ گڈ بائی" فقط

(ماخوذ) محمد ابراہیم خان تجلی خورجوی

علم الآثار

(آرکیالوجی)

علم الآثار کا منشا کیا ہے؟

دنیا میں بے شمار قومیں اور سلطنتیں گذری ہیں۔ تاریخ نہ سب کا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ سب کے حالات مدون ہیں۔ ایسی قومیں بھی تھیں جن کی تمام یادگاریں مٹ چکی ہیں اور وہ بھی ہیں جن کے تذکرہ سے تاریخ تو خاموش ہے مگر ان کے نقش قدم کا نشان اب تک باقی ہے۔ انیسویں صدی کا دنیا پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ان مردہ اقوام کو زندہ کر دکھایا۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات نہ ہوئی ہوتی تو ہم کو یہ کیونکر معلوم ہوتا کہ ارض شام کی سامی النسل (سمیٹک) قوم فنیقیہ (فنیشیہ) نے یورپ میں نوآبادیاں بسائی تھیں۔ قانون تورات عراق کے عرب سلاطین کے قانون سے ماخوذ تھا۔ عاد و ثمود و عمالقہ وغیرہ جن کی سطوت و جبروت کا قرآن حکیم میں بھی تذکرہ ہے۔ اور جن کے شان و شکوہ کے برباد ہونے اور کفر و شرک سے تباہی آنے پر عرب کو خدا نے عبرت دلائی ہے۔ یہ اصل میں عربی قومیں تھیں اور عرب و یمن کے علاوہ شام و مصر و عراق و سندھ میں ان کی متعدد و عظیم الشان سلطنتیں قائم تھیں۔ یورپ نے اور صرف یورپ نے یہ باتیں ہم کو بتائیں۔ کھنڈروں اور ویرانوں کی خاک چھانی۔ قدیم یادگاروں۔ کھدی ہوئی تختیوں پتھر کی سلوں اور اینٹوں کے نقوش اور کتابوں سے اُن اقوام کی تاریخ ترتیب دی اور اُن کے تمدن۔ تہذیب۔ شائستگی اور علوم و فنون کا سلسلہ

یہ علم یورپ کا زیر بار احسان ہے

مرتب کیا۔ اسی چیز کا نام علم الآثار ہے اور اسی کو آرکیالوجی کہتے ہیں۔

لیکن اگر اس حکیمانہ ضرب المثل کا مفہوم صحیح ہے کہ لا جدید تحت الشمس (کرۂ آفتاب کے تلے کوئی نئی چیز نہیں) تو ہم کو علم الآثار کے لئے بھی عہد قدیم کے علوم و فنون میں تفحص کرنے کی حاجت ہے۔

مصر کے آثار قدیمہ اور اہل عرب

مصر کا قدیم تمدن ہر زمانے میں حیرت انگیز تھا۔ آج اس کے لئے اجپٹیالوجی کے نام سے ایک مستقل فن مرتب ہے۔ پہلے کوئی خاص علم تو نہ تھا مگر اہل علم کی ادھر توجہ ضرور تھی۔ مصر کے فتح ہونے پر سب سے پہلے مسلمانوں کی نظر جس چیز پر پڑی وہ [illegible] سر بفلک اہرام۔ ابو الہول کے بت کا عجیب و غریب تناسب۔ فراعنہ کی حنوط شدہ لاشیں۔ تصویری زبان کے کتابے اور خط ہیروغلیف کی عبارتیں تھیں۔ ان چیزوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے مصر کے قبطی لٹریچر کی جانب اُن کو توجہ ہوئی۔ یہ ذخیرہ عربی میں لایا گیا۔ فرعون کا قانون مالگزاری عربی میں ترجمہ ہوا جس سے اُسکے زمانہ کی مالگزاری اور اُس کے مصارف کی تعداد اور تفصیل معلوم ہوئی[۱]۔ جابر بن حیان نے ہیروغلیفی میں مہارت پیدا کی۔ آثار قدیمہ کے اسرار دریافت کئے۔ خط تصویر کے نقوش اور کتابوں کا مطلب حل کیا اور اس موضوع میں ایک خاص کتاب تالیف کی جس کا نام بقول مؤلف کشف الظنون "اسرار البرابیات" تھا[۲]۔ (برابیات اور برابی لفظ "بربا" کی جمع ہے۔ اس سے

جابر اور علم الآثار

وہ قدیم تاریخی عمارتیں اور پرانی یادگاریں مراد ہوتی ہیں جن کے تصاویر و نقوش میں کچھ لکھا ہو۔ اس قسم کی تحریر کا نام "خط برباوی" ہے)

---

[۱] مقریزی ج ۱ ص ۵، ۶۔

[۲] کشف الظنون۔ ج ۱ ص ۹۴ و ۹۵۔

ذوالنون مصری اور علم الآثار

ذوالنون مصری جو بڑے صوفی۔ بڑے حکیم۔ بہت بڑے کیمیاگر اور علم حدیث میں امام مالک رح کے شاگرد رشید تھے۔ وہ اس فن کے بھی عالم تھے۔ مسعودی نے بڑے وثوق کیساتھ صرف ایک واسطے سے روایت کی ہے کہ ذوالنون کو مصر کی قدیم عمارتوں کے کتابے پڑھنے کا نہایت شوق تھا۔ اور انہوں نے خط ہیروغلیف کے نقوش اور تصویریں بڑی کوشش سے پڑھی تھیں مسعودی کے خاص الفاظ جیسا کہ علامہ مقریزی نے نقل کئے ہیں۔ یہ ہیں۔

اخبرنی غیر واحد من بلاد اخمیم من صعید مصر عن ابی الفیض ذی النون بن ابراهیم المصری الاخمیمی الزاهد وکان حکیماً وکانت له طریقة یاتیها ونحلة یعضدها وکان ممن یقرء علی اخبار هذه البرابی وامتحن کثیراً مما صور فیها ورسم علیها من الکتابة والصور۔ قال رأیت فی بعض البرابی کتاباً تدبرته فاذا هو۔ (هنا ذکر نص تلک الکتابة) ورأیت فی بعضها کتاباً تدبرته فاذا فیه (هنا ذکر نص تلک الکتابة) له

اخمیم جو مصر کا بالائی حصہ ہے۔ وہاں کے کئی شخصوں نے مجھے ابوالفیض ذوالنون بن ابراہیم صوفی ساکن اخمیم واقع مصر کا حال بیان کیا۔ یہ بڑے حکیم تھے اور انکا ایک خاص طریقہ و مشرب تھا جسکی تائید کیا کرتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں تھے جو مصر کے برابی کی خبریں پڑھتے رہتے ہیں۔ ان برابی پر جو تصویریں بنی ہیں اور کتابیں اور صورتیں منقوش ہیں ذوالنون نے اکثر کی جانچ کی تھی۔ فرماتے تھے کہ ایک جو نقش تھا میں نے غور کیا تو معلوم ہوا ہے (یہاں کتابے کی عبارت نقل کی ہے) اور ایک دوسرے پر جو کتابہ تھا اسکو غور کیا تو یہ مضمون تھا (اسکے بعد پھر عبارت نقل کی ہے۔ له)

مسعودی کا یہ قول کہ ذوالنون ان لوگوں میں تھے جو مصر کے برابی کی خبریں

له مقریزی۔ ج ا ص ۳۹۔

پڑھتے رہتے ہیں" صاف بتا رہا ہے کہ اور لوگ بھی اس فن سے واقف تھے

ابوزید بلخی اور علم الآثار

اور اس زمانہ میں اُس کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ مقریزی کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اہرام پر جو کتابہ تھا ابوزید بلخی نے اس کو پڑھا تھا[1]۔ مقریزی نے ایک اور واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم طرز تحریر کے پڑھنے والے مسلمانوں میں بہت سے تھے اور اکثر علما کو آثار قدیمہ کے فن میں دستگاہ تھی[2]

علم الآثار کے موجد اہل عرب تھے

ارض یمن دنیا میں اپنی قدامت کیلئے مشہور ہے۔ گذشتہ زمانے میں حکمائے یونان و اسکندریہ کو اُس کے تمدن نے مدتوں متحیر رکھا ہے۔ وہاں کے باشندے بھی یہی عرب تھے اور اُن کی زبان بھی عربی ہی تھی لیکن وہ عربی آجکل کی متعارف عربی سے بہت مختلف تھی حتے کہ علامہ ابن خلدون اس کو بالکل ایک جداگانہ زبان کہتے ہیں[3]۔ یمن میں اُن دنوں عرب کے قبیلۂ حمیر کی سلطنت تھی لہذا موجودہ عربی جس طرح قبیلۂ مضر کے انتساب سے مضری کہی جاتی ہے۔ اسی طرح قدیم عربی کو حمیری کہتے تھے اور اسکے طرز تحریر معروف کا نام خط مسند تھا۔ اس زبان کا علم یورپ کو اب ہوا ہے۔ انیسویں صدی کے وسط تک خط مسند مستشرقین کے لئے ایک عقدۂ لاینحل تھا لیکن مسلمانوں میں اس کے جاننے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ ہرمس نے علم کیمیا میں ایک کتاب لکھی تھی جو بڑی تلاش سے خلیفہ مامون الرشید کو دستیاب ہوئی یہ کتاب حمیری زبان اور خط مسند میں تحریر تھی۔ مامون کے لئے اس کا ترجمہ

[1] مقریزی۔ جلد ا ص ۱۱۵

[2] مقریزی ج ا ص ۱۱۶

[3] مقدمہ ابن خلدون۔ ص ۴۰۹۔

عربی زبان میں کیا گیا۔ اس ترجمہ کا نام الستر فی الکیمیاء تھا اور مترجم اس خط (مسند) اور زبان (حمیری) کا عالم تھا۔[1]

ہرمس کو عرب و حمیر سے تعلق نہ تھا۔ حمیری زبان میں اُس کی کتاب کا موجود ہونا صاف بتا رہا ہے کہ اسلام کے قبل بھی عرب میں تالیف و ترجمہ کا رواج تھا اس لئے کہ یہ کتاب عہد جاہلیت ہی کی یادگار تھی۔ اہل عرب کی نسبت یہ بھی مشہور ہے کہ غیر زبان سے انہیں کبھی انس نہ تھا لیکن عرب جاہلیت کی نسبت یہ شبہ صحیح نہیں۔ وہ اگر غیر زبان سے واقف نہ ہوتے تو اس کتاب کا ترجمہ کیونکر ہوتا۔

عبداللہ عمادی

غزل

وصل کے وعدے وہ فرماتے رہے
ہر دفعہ لیکن مکر جاتے رہے

بارے اک دن ہمنشیں ایسا ہوا
جس سے وعدے کی قسم کھاتے رہے

کھول کر دل وصل میں مجھ سے تمام
راز دل اپنا وہ بتلاتے رہے

مہرباں پا کر طلب بوسہ کیا
پہلے تو پہلو میں شرماتے رہے

ڈرتے ڈرتے شوخ سے جب دیر تک
ہم سوال اپنا یہ دُہراتے رہے

چپکے سے بولے کہ ہو جیسی خوشی
شکلِ یہ آپ سے ہم جاتے رہے

چاند سے رخسار کے بوسے لئے
یوں فیوضاتِ محسن ہم پاتے رہے

لطف تھا افسوس یہ اک آن کا
میرے پہلو سے وہ پھر جاتے رہے

یاد کر آنکھے لطف کو مگر
باسط اپنے دل کو بہلاتے رہے

---

[1] کشف الظنون ج ا ص ۵۵۵۔

نصرت و کامیابی کے اسباب

کامیاب زندگی کی راہیں

آہ ازیں راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست

"دنیا کروہات سے بھری ہے، حوادث سے لبریز ہے، انسان وہ ہے۔ جو ان حوادث پر غالب آئے۔ اور مسلمان وہ ہے جو ان کروہات کی سطح سے بلند ہو کر مستحبات کی شہ نشین تک پہنچ جائے۔" یہ الفاظ امیر یعقوب بن لیث نے اُس وقت کہے تھے جب وہ اپنی بے سروسامانی کے عالم میں ایک بڑی سلطنت (ایران) پر حملہ کی طیاریاں کر رہا تھا، وہ ذات کا ایک ٹھٹھیرا (صفار) تھا۔ اور بہت ہی ادنیٰ حیثیت رکھتا تھا۔ مگر قدرت نے اُس کو بتا دیا تھا کہ مسلمانوں میں ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق ہی نہیں ہے، اسلام سب کو اعلیٰ بنا دیتا ہے اور جس کی ظاہری حیثیت ادنیٰ ہو وہ بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ امیر یعقوب جن دنوں ملک گیری کی طیاریوں میں سرگرم تھا ایک دن پورے ہتھیار لگا کر زرہ بکتر پہنے بالاخانہ کی چھت پر ٹہلنے لگا، گرمیوں کی دوپہر تھی، گرم ہوائیں چل

تھیں، اور سایہ میں بیٹھنے والے بھی دھوپ کی تپش سے غرق عرق تھے، مگر وہ اسی عالم میں چار گھنٹہ تک برابر ٹہلتا رہا اور جب اترنے لگا تو وہی الفاظ اس کی زبان سے ادا ہوئے جنہیں ہم سر آغاز تحریر میں ابھی ابھی لکھ چکے ہیں، ایک مصاحب نے جب اس بے سبب جفاکشی کی علت دریافت کی۔ تو جواب دیا کہ "میرے ارادے نہایت بلند ہیں، میں کامیاب زندگی کا آرزومند ہوں مجھے اس کے لئے زمانہ میں انقلاب برپا کرنا ہے جس کی راہیں بہت ہی دشوار گزار ہیں، میں اپنے نفس کو آزما رہا تھا کہ حدت آفتاب کے مقابلہ میں استقلال کس حد تک میرا ساتھ دے سکتا ہے، میں اس آزمائش میں پورا اترا ہوں عجب نہیں کہ آنے والی حقیقی آزمائشوں میں بھی پورا اتروں اور مستقل مزاجی سے ہر ایک مشکل مصیبت پر غالب آؤں"۔ ان شاندار باتوں کو نری باتیں ہی نہ جانو، انہیں باتوں نے ایک ذلیل ٹھٹھیرے کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمی بنا دیا تھا اور انہیں کی وجہ سے تاریخ میں بحیثیت ایک عظیم الشان فرماں روا کے اب تک اس کا نام مشہور ہے سچ ہے ؎

نازپروردِ تنعم نہ بَرد راہ بہ دست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

"بسیار است و نیست" روئے زمین پر انسانوں کا ایک جنگل لگا ہے۔ مگر انسانیت کا پھل بہت کم درختوں میں نظر آتا ہے، باغ عالم کے تیس کروڑ بن لچٹے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام کا نکھرا ہوا رنگ روپ شاید ہی کسی میں ہو، جب اس کثرت میں اتنے قلیل انسان اور اس زیادتی میں اس قدر کم مسلمان نظر آئیں تو اگر بلقان میں انسانیت گداز مظالم ہوئے تو کیا عجب ہے اور اگر طرابلس پر اسلام سوز حملے اب تک ہو رہے ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے،

حیرت تو اُس وقت ہوتی جب ایسا نہ ہوتا اور تعجب تو جب آتا کہ یہ باتیں ظہور میں نہ آتیں ؎

عجب از کشتہ نباشد بہ در حضرت دوست
عجب از زندہ کہ چوں جاں بدر آورد سلیم؟

تاہم دنیا انسانوں سے خالی نہیں، اور زمانہ سے مسلمان بالکل ہی ناپید نہیں ہو گئے ہیں پھر کیا سبب ہے کہ اسلام پر نامسلمان غالب آ رہے ہیں اور آ گئے ہیں جس ملک کو دیکھو اور جس پہلو سے دیکھو۔ غلبہ و تسلط نامسلمانوں ہی کا ہوگا اس کا باعث کیا ہے اور خدا اپنے دین کی ذلت کیوں گوارا کر رہا ہے؟ ہمارے شہر لاہور کے وسیع النظر محقق (مولوی عبدالرحیم صاحب) نے اس مسائل کی تحقیق میں انتہائی فاضلیت صرف کی ہے، ہم نے ۳۰- اپریل و یکم مئی ۱۹۱۴ء کی اشاعتوں میں اسلامی ہندوستان کی ایک مبسوط و مفصل تاریخ کی جانب اہل نظر کو توجہ دلائی تھی، ہم خوش ہیں کہ صاحب موصوف کی عملی توجہ اس طرف پہلے ہی سے مبذول ہے، وہ تاریخ ہند کے کئی حصے تالیف کر کر شائع کرا چکے ہیں، بقیہ حصوں کو وہ خود مرتب کر رہے ہیں اور کمال تحقیق سے مرتب کر رہے ہیں اسی ذیل میں جہاں بابر کے واقعات لکھے ہیں وہاں کامیابی و ناکامی کے اسباب بھی بتائے ہیں اور نہایت دل پسند حکیمانہ رنگ میں اس کا فلسفہ بتایا ہے جس سے ہماری تمام تاریخیں ساکت و خاموش ہیں اور اس خصوصیت کی بنا پر یہ حصہ تاریخ ایک ایسی شان امتیازی رکھتا ہے جو مقدمۂ ابن خلدون کے بعد اور کہیں نظر نہیں آتی، اس زیر تالیف حصہ میں ایک طویل و دقیق بحث و تنقید کے بعد لکھتے ہیں :-

"شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کی تیسری جلد میں سچائی اور

یقین کی طاقت کو نصرت و کامیابی کا اصلی سبب قرار دیا ہے۔ اُنکی رائے میں قرآن کریم کے وعدہ کے مطابق "خدا پر ایمانداروں کی امداد لازم ہے" ایمان دل سے سچ ماننے اور یقین رکھنے کو کہتے ہیں، اسلئے سچائی اور یقین کی تلوار جس کے ہاتھ میں ہوگی وہ ضرور فتح پائیگا، قرآن نے اس کیلئے اسلام کی شرط لازمی نہیں قرار دی ہے، جس قوم کے کیرکٹر میں یہ اوصاف موجود ہو نگے وہ بہرحال کامیاب و منصور ہوگی، قرآن نے باطل پرستوں کو بھی مومن کہا ہے، مشرکوں کے لئے بھی یہی لقب استعمال کیا ہے، البتہ یہ بتا دیا ہے کہ باطل پہ ایمان لانے والے خدا سے کفر کرتے ہیں اور جو شرک پر ایمان لاچکے ہیں وہ خدا کا تذکرہ سن کر گھبرا اُٹھتے ہیں۔ غرضکہ جو کچھ بھی ہو کافروں اور مشرکوں میں بھی ایک طرح کا ایمان موجود ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ ایمان حقیقت میں کفر کے مُرادف ہے، ایمان کے مراتب بھی ہیں اور فرق مراتب کے لحاظ سے خواہ مسلمان کا ایمان ہو یا کافر کا دونوں میں زیادتی و کمی بھی ہوا کرتی ہے، وہ مومن جن کے ایمان میں کچھ خلل ہو اُن کے مقابلہ میں خدا اُن لوگوں کی مدد کیا کرتا ہے جن کا ایمان خلل سے پاک و صاف ہو، یعنی جن کو اپنے عقیدہ کی چاہے وہ کسی قسم کا اچھا یا بُرا ہو، سچائی اور یقین پر کامل بھروسا ہوگا۔ اُن کے لئے کامیابی ضروری ہے، جب کفار مسلمانوں پر غالب آرہے ہوں تو سمجھ لو کہ مسلمانوں کا ایمان خراب ہوگیا ہے اور کفار جس بات پر ایمان رکھتے ہیں اُس کی صداقت کے پورے معتقد ہیں لہذا کامیابی بھی اُنہیں کے لئے ہے۔ مسلمانوں کا ایمان اگر درست ہو تو جس طرح کسی پیغمبر کو کبھی شکست نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے اُسی طرح کوئی مسلمان بھی ناکام نہیں رہ سکتا" حافظ ابن القیم نے کامیابی کا اصلی ذریعہ استقلال و ثابت قدمی کو قرار دیا ہے

جس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں "صبر" کہتے ہیں اور یہی رائے محقق دوانی کی بھی ہے، لیکن امیر تیمور نے تزک تیموری میں اپنی کامیابی و ظفرمندی کے جو اسباب بیان کئے ہیں اُسکی ذیل میں اپنی اولاد کو وصیت کی ہے کہ جب کسی سے مقابلہ ہو تو اپنے دل میں اس بات کا یقین کرلو کہ یہ ظالم ہے اور ہم اس کے ظلم سے خدا کی مخلوق کو نجات دلانے کے لئے اپنی جان دینے کو آمادہ ہیں، یہی خیال اپنی تمام جماعت میں پھیلا دو ہمیں نے اسی ذریعہ سے بہت سے فتوحات حاصل کئے ہیں" فاضل مولف نے اس کے بعد اپنی ذاتی تحقیق کی تفصیل کی ہے جو خاص قرآن کریم سے ماخوذ ہے اور جس کو ہم کسی دوسری فرصت میں درج کریں گے، لیکن بہرحال ان تشریحات کا مدعا اصلی یہی ہے کہ جن اقوام میں صداقت و استقلال و یقین و ثبات قدم و جفاکشی کے اوصاف ہونگے جو اعلیٰ کیرکٹر کے حقیقی جوہر ہیں وہ کبھی ناکام نہ رہینگے بلکہ ہمیشہ کامیاب ہوا کریں گے۔

خود اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ مسلمانوں میں اعلےٰ درجہ کا کیرکٹر ہونا چاہئے جس میں یہ خصوصیت نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ لیکن غور کرو، کیا یہ امتیاز ہم میں اس وقت موجود ہے، اور کیا بغیر اس کے ہماری زندگی کامیاب ہوسکتی ہے، جن قوموں کو ہم کافر کہتے ہیں، مشرک سمجھتے ہیں، اُن میں یہ اسلامی افعال و خواص بدرجۂ کمال موجود ہیں، اور اسی وجہ سے زندگی کے ہر شعبہ میں وہ ہم پر غالب ہیں اور ہم اُن کے دست نگر بنے ہوئے ہیں، یونان و بلغاریہ کو غلبہ کیوں ہوا کیا وہ ظالم نہیں ہیں، کیا انھوں نے لاکھوں مسلمانوں کے خون نہیں بہائے کیا بیشمار بندگانِ خدا پر اُن کی وجہ سے آفت نہیں آئی، مصیبت نہیں نازل ہوئی، پھر کیا خدا کو یہ باتیں گوارا ہیں، کیا وہ قتل ناحق اور بے سبب خونریزی کو

پسند کرتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں! مگر اُس نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا ہے۔ کہ جن قوموں میں ایک طرح کا کیرکٹر ہوگا، صداقت ہوگی، استقلال ہوگا، ثابت قدمی ہوگی، وہ اپنے قول کے پکّے ہونگے، بات کے دھنی ہونگے، اعتقاد میں تذبذب نہ رکھتے ہونگے، اُن کے کفر پر وہ اسلام تصدق ہو جائیگا جو ان ممتاز خصوصیات اسلام سے معرّا ہوگا، مسلمان مٹ گئے اور مٹ رہے ہیں، اسلئے کہ اُن کے نقلی اسلام موجودہ سے کافروں کا اصلی کفر کہیں اچھا تھا اور ہے، کفر کی تاریکی نے موجودہ اسلام کی دھندلی روشنی سلب کرتی ہے اور سلب کر لی ہے، اسلئے کہ کسوف کامل یا پورے سورج گرہن کے وقت کی تیرگی و زوال آمیز روشنی سے شب کا اندھیرا زیادہ صاف ہوتا ہے، قدرت کا یہ قانون ہے اور اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے، مسلمان اگر زندگی اور کامیاب زندگی کے آرزومند ہیں تو اُن کو اپنی قوم میں اعلیٰ کیرکٹر کے بہترین اوصاف پیدا کرنے ہونگے کہ یہی منشائے اسلام بھی ہے، ورنہ قانون قدرت جس طرح آجتک بیشمار قوموں کو برباد کر چکا ہے اُن کی ہستی بھی تباہ کر ڈالے گا، وہ وقت جلد آنے والا ہے جبکہ قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لئے ہر مسلمان کو چار و ناچار آمادہ ہونا پڑے گا اور پھر اُس وقت بتا دیگا کہ موت و حیات کی کشمکش میں کیا پیش آئی ہے۔ حیف ہے اُن مسلمانوں پر جن کا موجودہ اسلام آجکل کے کفر سے بھی گیا گزرا ہو، اور صد حیف ہے اُن کافر نما مدعیان دین پر جو مسلمانوں کی نسل میں ہونے اور مسلمان کہے جانے پر بھی کفر کی تشبیہ اور کافروں کے شبیہ بننے پر مرتے ہیں اور اس میں بھی پورے نہیں اُترتے ہیں۔

در کفر ہم کامل نۂ زنار را رسوا مکن

عمادی

ابوالبرکات سید شاہ روشن پیر قادری

آپ حضرت محبوب سبحانی کی
اولاد میں ہیں۔ اور اپنے آبائے کرام کے خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ جاگیر وجہ معاش ہے
آپکے دادا حضرت سید شاہ علی نادری قاضی القضات ملک میسور اور آپکے نانا
حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہما مشہور نزدیک و دور ہیں۔ آپکے اجداد کرام
علوم متنوعہ میں ارباب تصانیف کثیرہ ہیں۔ فرمانروایان بیجاپور و کرنول آپکے
اجداد کے مرید رہے ہیں۔ سالگندہ نلنلہ اور بیجاپور کی جاگیریں آج بھی آپکے
خاندان میں جاری ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی ابا عن جدٍ وراثتاً آپ کو ترکہ میں
ملے ہیں۔ علوم متعارفہ عربی فارسی انگریزی و کنڑی زبان میں آپکو دستگاہ کامل حاصل ہے۔ پیشوایان مذاہب
مختلفہ سے آپکو اکثر مباحثات و مذاکرات علمی رہا کرتے ہیں۔ سوامی ابھیدانند ایسا تھ
آپکا مذاکرہ علمی اور پادری گولڈ اسمتھ صاحب سے مباحثہ مذہبی بہت مشہور ہے۔ آپ
مسلمانوں کی بہبودی مقاصد و اغراض اہل اسلام کے استحصال میں بڑی ہی سعی و حمایت کرتے
ہیں۔ خدمت قوم کو وظیفہ روزمرہ بنا رکھا ہے۔ مسٹر کیر ہارڈی کیساتھ سنہ سلف گورنمنٹ
پر آپکا گفتگو اور دسہرہ اسمبلی میں پریس ایکٹ پر صوان معار تقریر کرنیکے بعد آپکی تصویر پریس
آف انڈیا میں طبع ہوئی تھی۔ آپ اسلام کے بڑے حامی و مددگار ہیں۔ چند مسلمانوں کو جو مرتد ہوگئے
تھے پادریوں سے بزور واپس لیا اور مسلمان بنایا۔ آپ اکثر اردو انگریزی اور کنڑی میں لیکچر دیا کرتے ہیں
کل ہی کی بات ہے کہ ٹون ہال میں آپنے اسلام پر ایک زور اور با اثر انگریزی میں لیکچر دیا۔ اور
اسلام کو ایک عالمگیر اور ہر زمانے کے لائق کا مذہب ثابت کیا۔ آپ ہندو اور مسلمانوں میں اتفاق
و اتحاد قائم کرنیکی پر زور کوششیں کرتے رہتے ہیں ہندو اور مسلمانوں میں آپکی سعی مشکور سے اتفاق و اتحاد

تعزیت نامہ

(جو ایک عزیز کی وفات پر لکھا گیا)

یا اخی

اس مرگ بے ہنگام نے بیم آخرت سے ہمارے آنسو رواں کر دیئے ہیں افسوس افسوس۔ (. . .) اپنے عزیزوں دوستوں۔ اپنے بھائی بہن اپنی والدہ۔ اپنی بیوی اور اپنی بیٹی داماد سے اس قدر جلد بچھڑ گئے۔

پہلے ہی سے ہمارا دردرسیدہ دل۔ اکثر موتوں سے شکستہ اور زخم زخم ہو رہا ہے۔ خیال آتا ہے کہ فریاد کی جائے۔ مگر ہماری زبان پر صبر و رضا کی مُہر لگ جاتی ہے اور ہم کو توفیق و ہدایت ہوتی ہے نہ اخلاص کے ساتھ اُس روحِ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی جائے جو ہم میں سے منتقل کر لی گئی ہے جو ہمارے درمیان سے اُٹھا لی گئی ہے! اُس بارگاہِ احدیت میں دعا کیجائے جس کی رحمت سے کوئی نا امید نہیں۔ جس کی مغفرت سے کسی کو یاس نہیں۔

سزاوار ہے کہ دنیا اور آرائش دنیا ہماری نگاہوں میں اس ثقل اور پھونک سے بھی زیادہ حقیر ہو جو چمڑے کو دباغت دینے کے بعد (ببول کی چھال کا) رہ جاتا ہے۔ واللہ۔ دنیا کی محبت نہایت ہی مذموم ہے۔ اس دنیا نے اُسی کو چھوڑا ہے۔ اُسی سے بیوفائی کی ہے جس نے اسے طلب کیا ہے اور جس نے اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کے حلقہ کو وسیع اور دراز کیا ہے۔

کاش ہم اس منظر کا معائنہ کر لیتے جسے ہم میں سے مرجانے والے دیکھ چکے ہیں اگرچہ کچھ ان مُردوں نے دیکھا ہے ابھی ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اور وہ وقت بالکل قریب ہے جبکہ یہ پردۂ حجاب سرتا سر اٹھا دیا جائیگا!

دنیا اور اس کی لذتیں دنیا والوں سے نہایت سرعت اور تیزی کیساتھ روگردانی کر رہی ہیں۔ یہ وہ سرائے ہے جو عنقریب فانی ہونے والی ہے اور اس کے ساکن اس سے باہر ہونے والے ہیں۔ آہ! یہ دنیا اپنے باشندوں کے لئے فنا کی قبریں تیار کرتی ہوئی اپنے ہمسایوں کو بھی جو اس کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں موت کی طرف کھینچ رہی ہے! بس اب اس گھر سے کوچ کا ارادہ اور رحلت کی تیاری کرنا ہی بہتر ہے جس کے مکینوں کے لئے نیستی و زوال مقدر ہو چکے ہیں!

ایسے مکان کی کیا توصیف کی جائے جس کے اول میں تو رنج و تعب ہے اور آخر میں فناد۔ اس کی حلال چیزوں میں تصرف کرنے سے حساب کا سامنا ہوتا ہے۔ اور اس کے محرمات میں مبتلا ہونے سے عذاب کا۔ جو اس میں رہ کر دولتمند اور غنی ہو گیا وہ مفتون اور دیوانہ ہے اور جو اس میں فقیر ہے وہ حزن و الم میں گرفتار ہے!

یہ دنیا فریب دینے والی ہے۔ اس کی روشنی بہت جلد اوجھل ہو جائیگی۔ وہ وقت قریب ہے کہ آرزوئیں امیدیں اور حسرتیں قطع ہو جائیں گی! کاش ہم صحتِ بدن کی حالت میں کوئی سامان آخرت مہیا کر لیں! اسلئے کہ صحت و تندرستی کے مالک دشوار و شدید امراض کے سوا اور کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے۔ یہی عزیز و اقارب۔ یہی دوست احباب! عنقریب ہم کو اموات کے مکان میں تنہا چھوڑ دیں گے۔ ایک تنگ و تاریک خوابگاہ

کے حوالے کر دیں گے ہمیں ایسے غربت کے مکان میں لے جائیں گے جہاں سے پھر ہماری زیارت کسی کو نصیب نہ ہوگی۔ حوادث زمانہ ہمارے نشانات کو مٹا دیں گے۔ برباد کر دیں گے! اور یہ تر و تازہ بدن متغیر ہو جائیں گے قوت وار ہڈیاں مندرس و بوسیدہ ہو جائیں گی! بہتر ہے کہ ہم اپنے دلی تفکرات کو امر آخرت میں مشغول کر دیں۔ زہد و تقوےٰ ہماری خواہشات کو روک دے۔ خوفِ خدا کو ہم اپنا پیشوا بنالیں۔ ہم اپنی لذتوں کے سنر اور حاجتوں کے ظہور میں سست و گمراہ نہ ہو جائیں۔ تاکہ قبر میں ہماری نیند نہایت خوشتر نیند ہو۔ اور روز حساب ہمارے لئے نہایت مامون ہو۔

پروردگارا! مجھے اپنے نفس پر مسلط ہونے کی توفیق عطا فرما۔ تاکہ میں خوف خدا کو اپنا لباس بنالوں۔ میں شہوات نفسانیہ کے پیراہن کو اتار ڈالوں۔ میں ہوا و ہوس کو اپنے دل سے دور کر دوں۔ میں اپنے نفس سے خود محاسبہ کروں قبل اس کے کہ مجھ سے حساب لیا جاوے۔ میں اپنے گناہوں سے توبہ کروں قبل اسکے کہ میری سانس کے راستہ کو موت کا پھندا تنگ کر دے!

افسوس یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اس دنیا میں کیا کیا صدمے پیش آئینگے جن کا پہلے سے تدارک کیا جائے۔ دنیا کی خوشحالیاں رنج و اندوہ سے ملی ہوئی ہیں۔ بعینہ دنیا کا یہی عالم ہے کہ ابھی سرسبز تھی ابھی خشک پڑی ہے۔ اور خرمن ہستی کو فنا کی ہوائیں اڑائے لئے جاتی ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس نے کوئی ساعت دنیا میں خوشی سے گذاری ہو اور اس کے بعد ہی آنسوؤں کا تار نہ بندھ گیا ہو۔

اس دنیا کا یہی وطیرہ ہے۔ یہ سخت دھوکے دینے والی ہے۔ یہ سراسر

فریب ہے۔ اس دنیا میں سوائے زہد و پرہیزگاری کے کسی چیز میں بہتری نہیں۔ واللہ۔ دنیا کے عیش مکدر ہیں۔ اس کی شیرینیاں ناگوار ہیں۔ اسکی حلاوتیں تلخ ہیں۔ اس کے اسباب مٹنے والے ہیں۔ اور اس کی زندگی کا اثر موت ہے! کیا ہم اُن لوگوں کے مساکن میں سکونت پذیر نہیں ہیں جن کی عمریں ہم سے زیادہ طویل تھیں جن کی آرزوئیں حد سے زیادہ طویل تھیں انہوں نے کن کن طریقوں سے دنیا کو اختیار نہ کیا مگر آخرکار دنیا سے کوچ کر گئے حوادثات زمانہ اُن پر مسلط ہو گئے۔ اب تو ان کی قبریں پتھروں کے ڈھیر ہیں مٹی ان کے لئے کفن کا کام دے رہی ہے۔ اب ان میں ذرہ بھی ناہمواری باقی نہیں۔ اب ان پر کیسا ہی سلوک کیا جائے مگر منع نہیں کر سکتے اب کینہ ان کے دلوں سے نکل چکا ہے۔ اب حسد ان سے بالکل زایل ہو چکا ہے!!۔

ہم نے اکثر دیکھا ہے۔ بارہا معائنہ کیا ہے۔ کہ ایک شخص اپنی آرزوں پر فائض ہوا چاہتا ہے اور اپنی تمناؤں کے بالکل قریب ہے۔ ناگاہ موت آئی اور اس کے نخل آرزو کو قطع کر دیا۔ اب کوئی آرزو ہی نہ رہی جس تک پہنچنے کی تمنا کی جائے۔ اس دنیا کی خوش حالیاں کس قدر فریب دینے والی ہیں۔ اس کا سایہ کتنی جلد دھوپ سے مبدل ہو جائیگا۔ ہم اس دنیا میں وہ نشانہ ہیں جس پر موت تیر اندازی کر رہی ہے!

ہمارے اصول (آباؤ اجداد) گذر گئے۔ ہم ان کی فروع (اولاد) موجود ہیں۔ تو کیا اصل کے زایل ہونے پر فرع باقی رہ سکتی ہے؟ ہر شخص اُس شئے سے ملاقات کرنے والا ہے جس سے اسباب دنیوی جمع کرتے وقت کراہت کی جاتی ہے۔ انجام کار یہ بدن روح سے خالی ہو جائیگا۔ یہ متحرک شئے ساکن

ہوجائیگی۔ یہ گویا زبان بالکل بستہ ہوجائیگی۔ آہ۔ وہ تنہا مکان۔ وہ وحشتناک منزل۔ وہ غربت میں اکیلا مکان۔ یہ رستہ کی درازی۔ یہ دور دراز کا سفر۔ یہ زادراہ کی قلت۔

میرے آقا قادرا پروردگارا۔ کریما شما آمرزگارا۔ میرے وہ گناہ بخش دے جنہیں تو جانتا ہے ہم نہیں جانتے مجھے اُس چیز سے پرہیز کرنے کی توفیق فرما جو باقی رہنے والی نہیں! بیشک تو سنسان بیابانوں میں حیوانات وحشی کی آوازوں کو سنتا ہے۔ تو خلوتوں میں بندوں کے گناہوں سے واقف ہے تیرا تقوےٰ تیرا خوف ہمارے قلوب کے درد کی دوا ہے۔ ہماری ضلالت کی سیاہی کی ضیا ہے۔ ہمارے سینوں کے فساد کی اصلاح کرنے والا ہے۔ ہماری قبروں کی تاریکی کے لئے ایک روشن چراغ ہے!!

قریب ہے وہ وقت جبکہ ہم موت کا پیالہ پی کر گویائی کو گونگے پن سامعہ کو بہرے پن اور حرکت کو سکون سے بدل لیں گے۔ ہماری خبریں منقطع ہوجائیں گی یہ رنگ و روغن والی صورتیں مکروہ ہوجائیں گی۔ یہ نرم و نازک بدن مٹی میں اَٹ جائیں گے۔ آہ اس زمین نے کس قدر تازہ بتازہ جسموں اور رنگ و روغن والی صورتوں کو کھالیا۔ جو نعمتوں میں پلے تھے۔ جنھوں نے عزتوں میں پرورش پائی تھی۔ جنہیں اپنے عیش و طرب کا ترک گورا نہ تھا۔ ناگاہ۔ زمانے نے انہیں اپنے خار و خاشاک سے ڈھنک ڈالا۔ گردش ایام نے ان کی قوتیں توڑ ڈالیں۔ انہیں ایسے آلام و مصائب میں گرفتار کردیا جس سے وہ واقف ہی نہ تھے۔ ایسے رنج و غم کا ہمراز بنادیا جسے وہ اپنے پاس بھی نہ آنے دیتے تھے۔ ہم اپنے ایسے جسم کو آرام پہنچانے کے لئے کیوں کسی پر ظلم کریں جو کہنہ اور بوسیدہ ہونے کے لئے عجلت کر رہا ہے۔ جو مدتوں ا

تک ہزاروں من مٹی کے نیچے پڑا رہیگا!!

اے پاک و منزہ خدا تو مثال کے ذریعہ سے نہیں پہچانا جا سکتا۔ بجھے از روئے مشاہدہ نہیں دیکھ سکتے۔ تو جسم و جسمانیات و ہیئات سے مبرا ہے تیری ازلیت میں ابتدا کو کچھ دخل نہیں اور تیری ابدیت کے لئے کوئی انتہا نہیں۔ نفس موجودات کے سوا تیرے لئے کوئی حجاب نہیں۔ تو ہرگز فانی نہیں۔ وہم و عقل کی تجھ تک رسائی نہیں۔ قوائے باطنی تیرا تصور نہیں کر سکتے حواس ظاہری تیرے ادراک سے عاجز ہیں۔ ہاتھوں کی چھونے والی قوت تیرا احساس نہیں کر سکتی۔ تیرے حالات و صفات بدلنی نہیں۔ تو ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے لیل و نہار کی گردشیں تجھے کہنہ نہیں کر سکتیں۔ تو ہر ایک وجود کا قائم کرنے والا ہے اور تیری قدرت ہر مخلوق کو تھامے ہوئے ہے جیسا کہ تو خلقت دنیا سے پہلے تھا ویسا ہی اس کی فنا کے بعد ہو جائیگا۔ ہم تیرے سامنے اپنی برائیوں کو ظاہر کر رہے ہیں اور تو ہمارے عیوب کو ڈھانک رہا ہے۔ ہم تیرے عذاب سے کنارہ کش ہو رہے ہیں اور تو ہمیں مہلت دیئے جا رہا ہے!

جو لوگ اس دنیا میں متوطن تھے آخر اُن کو اُنہیں مقامات (قبور) کو وطن بنانا پڑا جن سے وحشت کرتے تھے۔ اسی شغل کی طرف رُخ کیا جس سے جدا رہتے تھے۔ انجام کار اُن مشاغل دنیا کو چھوڑ دیا جن کی طرف کار آخرت کو ترک کر کے متوجہ ہوتے تھے۔ اب ہم کو لازم ہے کہ پروردگار کی اطاعت پر صابر رہ کر اُس کی نعمتوں کے اتمام کے منتظر رہیں۔ کیونکہ کل کا دن آج کے دن سے بالکل قریب ہے۔ ساعتیں آج کے دن کو گذارنے کے لئے کس قدر جلدی کر رہی ہیں۔ مہینے کے ختم کرنے میں ایام کس قدر مستعجل ہیں۔ اور سال کو

ختم کر دینے کی مہینوں کو کس قدر جلدی پڑی ہوئی ہے۔ اور عمر کے گذا ۔۔نے کے لئے برسوں کو بس قدر عجلت ہے!!

پروردگارا! تو مجھ کو توفیق عمل۔ توفیق توبہ عنایت فرما! قبل اسکے کر کرامٌ کاتبین کے قلم نامۂ اعمال کی تحریر سے فارغ ہو جائیں! بیشک موت لذات کو قطع کرنے والی اور خواہشات کو مکدر کرنے والی ہے! وہ ایسی قاتل ہے جس سے خون بہا نہیں لیا جا سکتا! قریب ہے کہ اسکے اثر شیم کی تاریکیاں۔ اس کی آتش امراض کے شعلے۔ اس کی عالم جانکنی کی بیہوشیاں اس کے روح کو باہر نکالنے والے آلام۔ اس کی گھیر لینے والی تاریکیاں ہمیں ڈھانک لیں۔ ہمارے پکارنے والوں کو متفرق ہمارے رازداروں کو خاموش کر دے۔ ہمارے آثار مٹا دے۔ ہمارے آباد گھر ویران کر دے!!

بارخدایا! مجھے دنیا سے بیزاری اور حذر کی توفیق عطا فرما! اسلئے کہ یہ بڑی مکارہ ہے۔ یہ سخت فریب دینے والی ہے۔ دیدیتی ہے اور پھر چھین لیتی ہے۔ پہناتی ہے اور پھر اتروالیتی ہے۔ اس کی آسایشوں کو ہمیشگی نہیں اور اس کا رنج و تعب منقضی نہیں ہوتا!

علی کو اس نعمت سے کیا کام جو فنا ہونے والی ہے۔ اس لذت سے کیا غرض جو باقی نہیں رہیگی! جب ناگہانی موت سامنے آگئی تو وہ وقت حیلہ گری اور چارہ سازی کا نہیں۔ ہیہات ہیہات۔ اب گریز کہاں! جو اسباب عبادت کہ فوت ہوئے ہو گئے! جو زمانۂ اطاعت گذر گیا گذر گیا!!

پروردگارا تو اسی قابل ہے کہ تیری پرستش کی جائے۔ اگر تیری طلب کی جائے تو یہ بہترین طلب ہے۔ اگر تجھ سے امید رکھی جائے تو عمدہ ترین

امید ہے!

خداوندا۔ مجھے تیری طرف حاجت ہے۔ میں تیرا محتاج ہوں۔ اور تیرے فضل و کرم کے سوائے کوئی چیز اس احتیاج کو رفع نہیں کرسکتی!

خدایا! مجھے اس دارالعمل میں اپنی خوشنودی و رضا کا جامہ پہنا دے مجھے اپنے سوا دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بے نیاز کردے! بیشک تو اپنی مشیتوں پر قادر اور بڑا قدرت والا ہے!!

تو مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں لے۔ اپنی رحمت و بخشش کے غلاف میں اُن کو لپیٹ لے۔ تو ایسا رحیم ہے۔ کہ تیرا بخشش کرنا تیرے جود و کرم کے خزانے کو کم نہیں کرسکتا اور تیرا بخشش نہ کرنا تیرے رحمت کے ذخیرہ کو زیادہ اور وافر نہیں کرسکتا۔ بیشک تو اپنی رحمت پر قادر اور بڑا مغفرت کرنے والا ہے!

(المخلص) مشیت الٰہی پر شاکر

علی غفرلہٗ

فہرست مضامین مخزن بابت ماہ جون ۱۹۱۴ء

آزادئ نسواں

پڑھایا مجھکو اک زہرہ جبیں لیڈی نے بچپن سے — خوشا قسمت کہ میرے سر ہوئی کوئی نہ مُلّانی
گورنس کا مری خوش ہو کے وہ تہذیب سے کہنا — سبق تم اپنا کر لو یاد اے خاتونِ لاثانی
نصیب اپنا کہ ابا نے اٹھایا غیر سے پردہ — بنی رہتی وگرنہ عمر بھر میں حیف نندانی
ہوا پھر نام میرا درج کالج کے رجسٹر میں — کہاں تک لے گیا دیکھو مجھے شوقِ زباندانی
روش ایسی کہ فیشن میرے دم سے ناز کرتا تھا — وہی ملبوس یورپ کا - وہی بولی وہی بانی
جدھر سے میں نکل جاتی ہر اک سکتے میں رہ جاتا — بپا کرتی تھی محشر ہر قدم پر چال مستانی
سخنور دم میں رہتے دل مری پُر لطف باتوں سے — کیا کرتی تھی ہنگامِ سخن میں وہ گل افشانی
کسی سے بھی نہیں تھی روک مجھکو ملنے جلنے کی — فقط اک عہد وہ اٹھنے سے تھی کیا کیا نہ آسانی
بہت سے لوگ روز و شب مرے بنگلے پہ آتے تھے — کہیں سید کہیں وہ شیخ - وہ مرزا - وہ افغانی
حجاب آتا تھا پہلے مجھکو ان باتوں میں تھوڑا سا — بہت جلدی مری آنکھوں کا لیکن مر گیا پانی
مری قسمت بھی وابستہ ہوئی اک ایسے انساں سے — کہ جو تھا مجلسِ تہذیبِ نو کا رکنِ لاثانی
پڑھایا اُسنے میرے دل کو کیا کیا - کیا کہوں تمسے — مری ان خوبیوں کی قدر اُسنے خوب ہی جانی
ادھر اُسکا پیانو کا بجانا وقتِ فرصت میں — ادھر شیریں صداؤں سے مرا کرنا غزلخوانی
کہیں کچھ بھی ہو - لکچر ہو - تماشہ ہو - تھیٹر ہو — سدا میں ساتھ رہتی تھی نہ اُنکو تھی پریشانی
بہت کچھ فائدہ مجھکو ہوا - آنکھیں کھلیں میری — سلیقہ بڑھ گیا جی کی ہوئی کم یوں گر انجانی
یہاں تک جا کے پہنچی ایک دن اسٹیج پر میں بھی — عجب انداز سے کی میں نے اک اسپیچ طولانی
مگر اک نوجواں ہنستا تھا آزادئ نسواں پر — بالآخر دیکھکر اُسکو ہوئی مجھ میں حیرانی
بتاؤں تمسے کیا نام کہ ہے وہ کون مردانہ؟ — ظرافت نوجواں خوش طبع ہے باسط وہ بسوانی

باسط بسوانی

ادستانی - (یہ نظم متعلق آزادئ نسواں)

تازہ غزلیں

(از جناب حفیظ جونپوری)

مرتبہ ختم۔ اگر کثرتِ زر پر ہوتا
آج کوئی بھی نہ قاروں کے برابر ہوتا

کون کہتا ہے کہ معشوق وفا کرتے ہیں
ہو بھی ایسا تو یہ مجھکو نہیں باور ہوتا

دشتِ وحشت میں علاجِ سرِ شوریدہ ہے کیا
پھوڑتے سر جو در یار کا پتھر ہوتا

طرفہ شوخی اُسے کہئے کہ تجاہل کہئے
چھیڑ کر پوچھتے ہیں وصل ہے کیونکر ہوتا

سادگی پر تو یہ عالم ہے کہ دنیا غش ہے
کون جیتا جو ترے ہاتھ میں خنجر ہوتا

کہتے ہیں ماتمِ فرہاد کیا شیریں نے
مجھکو دم بھر کیلئے بھی نہیں باور ہوتا

اپنے ہی عکس سے آئینے میں بل کی لینا
سیر جب ہوتی کہ تم سے کوئی بہتر ہوتا

اہلِ مجلس کو پلا شیخ ترے رقص سے کیا
مست سب ہوتے اگر دور میں ساغر ہوتا

کوئی بھی مونس و غمخوار نہ ہوتا نہ سہی
یہ تو ہوتا کہ ترا نام زباں پر ہوتا

ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے جو وہ بھی ہوتے
پھر تو کچھ اور سماں اور ہی منظر ہوتا

کیوں لئی فردِ عمل حشر میں بیکار حفیظ
دل ہی بہلاتے اگر نامۂ دلبر ہوتا

چھوڑ کر دامنِ احمد پھر ٹھکانا ہی نہیں
اپنے سر بارِ شفاعت کوئی لیتا ہی نہیں

ہو گیا بہرِ زیارت اُس کی بر آئی مراد
پھرتے میں خالی جو جائے یہ وہ دربار ہی نہیں

تو نے سمجھا نہ تو تیری ہی طلب کا ہے قصور
اُس طرف کی تو کشش میں کمی کرتا ہی نہیں

ہے اگر شوقِ زیارت تو ہے چلنے میں کہیں
اس سفر میں پیش و پس کرنا تو زیبا ہی نہیں

بے طلب ہر ایک کو دینا اسی کا کام ہے
بار اٹھا سکتی خدائی کا کبھی شانہ نہیں

نام ہے کس کا علی ہمنام ہے کس کا علی
قول فیصل ہے علی کا کوئی ہمتا ہی نہیں

عنتر و مرحب ہوئے اک وار میں ہیچ رنگ واہ
جنگ میں دستِ خدا اوچھا تو پڑتا ہی نہیں

ہر گھڑی ذکرِ اویس افسانۂ بہلول ہے
اب ترے نزدیک واعظ کوئی شیدا ہی نہیں

آپ ختم الانبیا ہیں آپ ہیں ختم الرسل
مرتبے تک آپکے کوئی بھی پہنچا ہی نہیں

ایسی آنکھوں میں کہیں ہے وحشتِ یثرب کی فضا
باغ تو ہے باغِ جنت کی تمنا ہی نہیں

ہر مورخ نے لکھا حربِ علی کے باب میں
پھر شجاع ایسا ہوا دنیا میں پیدا ہی نہیں

مرتبہ بعدِ نبوت کے امامت ہی کا ہے
اس سے اونچا دیکھئے تو کوئی درجا ہی نہیں

مدح خوان حسن کا ہوں لینا ہے صلا اس سے حفیظ
داد کوئی دے نہ دے اسکی تو پروا ہی نہیں

حضرت مولانا مضطر مظفرپوری مقیم لکھنؤ

ہجومِ یاس و حرماں تھا خیالِ زلفِ جاناں تھا
اندھیری رات کا فرقت کی وحشت خیز ساماں تھا

جو میری موت کا خواہاں تھا میرا دشمنِ جاں تھا
وہی ہمراہِ میت آج با حالِ پریشاں تھا

وہاں غیروں کی مہمانی میں وہ سرگرمِ ساماں تھا
تڑپتا بسترِ غم پر یہاں بیمارِ ہجراں تھا

شریکِ بیکسی تھا دردِ فرقت صورتِ ہمدم
انیسِ کنجِ تنہائی خیالِ روئے جاناں تھا

بہت رک رک کے چلتی تھی مری گردن پہ اے قاتل
تری تلوار میں بھی نازِ معشوقانہ پنہاں تھا

جدا ہوتے ہی گردن مٹ گیا جھگڑا جدائی کا
یہ جوہر خوب تجھ میں تیغِ نازِ یار پنہاں تھا

تری صورت تھی آنکھوں میں ترا تیر نظروں میں
کوئی اس گھر میں مہماں تھا کوئی اس گھر میں مہماں تھا

پری زادوں کے مجمع جمگھٹے تھے نازنینوں کے
مرا کاشانۂ دل بھی کبھی تختِ سلیماں تھا

بجا ہے انکو نفرت کیوں نہ ہو گی سیرِ گلشن سے
کہ ہر جا خندۂ گل صورتِ چاکِ گریباں تھا

جو ہوئی پرسشِ جرمِ محبت صاف کہدونگا — ملایا جس نے اُس بت سے وہ تیرِ اشتیاقِ دل تھا
رہائی تیرے لینے کی بہ تدبیر تھی یہ ہی ہے — خیالِ کاکلِ پیچاں اُسے زنجیرِ زنداں تھا
لگا کر تیغِ ابرو تم نے ٹکڑے کر دیا ناحق — اسی دل میں تمہاری چاندسی صورت کا ارماں تھا
سحر ہوتے ہی سنتے ہیں ہوا آزاد دنیا سے — وہی دیوانۂ گیسو جو کل محبوسِ زنداں تھا
کمر تک کھولکر گیسو جہاں گذرے بلا آئی — اُٹھا کر اک نظر دیکھا جدھر عالم پریشاں تھا

بڑی شوکت سے میت مضطرِ بیکس کی نکلی تھی
سرِ تابوت حسرت تھی قلق تھا غم نگہباں تھا

از جناب شمس التوحید یکتا بہاری عظیم آبادی (مقیم لکھنؤ)

دلِ تاریک جلوہ خانۂ لیلیٰ ہوگا — دیکھنا عشق کے اعجاز سے یہ بھی ہوگا
کون سے دل کو نہیں جامِ محبت کا مزا — دل نہ ہوگا کوئی پیمانۂ خالی ہوگا
روح نے عالمِ بالا کا ارادہ باندھا — خانۂ تن بھی بس اب مائلِ پستی ہوگا
صورتِ آئینہ یہ خانۂ دل صاف ہے — جلوہ افروز یہیں شاہدِ معنی ہوگا
پھر ہلانے لگی زنجیر نسیمِ وحشت — مست اب اور بھی دیوانۂ لیلیٰ ہوگا
ہجرِ ساقی میں مری آنکھ رہیگی پُر نم — یہ وہ ساغر ہے کہ اک لحظہ نہ خالی ہوگا
ہائے اے دردِ ستانے کی کوئی حد بھی ہے — ارے کمبخت تو پہلو سے جدا بھی ہوگا
نازِ معشوق سے کچھ کم نہیں غمزے اسکے — دلِ ناداں کبھی بہلانے سے راضی ہوگا
اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں کچھ بھی حاصل — بس وہی ہوگا جو منظورِ الٰہی ہوگا
یاس و حرماں کے سوا کوئی نہیں شاملِ حال — کون اب ہجر کی شب وجہِ تسلی ہوگا
تم سا غمازِ جفا کار نہیں دنیا میں — یہ تو مشہور ہے تم نے تو سنا بھی ہوگا
ایک اک بات میں ہے درد کا پہلو یکتا — دل سے نکلیگی تو کچھ دل پہ اثر بھی ہوگا

از جناب ملک قمر الدین احمد - قمرؔ - امرتسری

گردشِ جام نہیں بادۂ گلفام نہیں — دل کو آرام نہیں پاس دلآرام نہیں
زاہدا نوش بھی کر غم کو فراموش بھی کر — گردشِ جام ہے یہ گردشِ ایام نہیں
سیر ہو جائے جو ساقی ترے خمخانوں سے — میں وہ کمظرف نہیں میں وہ کم آشام نہیں
عشق سے ہم نہ کبھی عشق ٹلے گا ہم سے — ہوسِ پختہ ہماری طمعِ خام نہیں
حسن جو تم کو ملا وہ نہ ملا یوسف کو — بخششِ خاص ہے یہ مرحمتِ عام نہیں
جاں نثاری ہے مری عشق شعاری میری — طلبِ جاہ نہیں خواہشِ انعام نہیں
سربلندی نے کیا اور فروتن مجھ کو — بھر بھرا کر جو چھلک جائے میں وہ جام نہیں
بےخبر ہوں کہ ہے کیا عشق میں مشرب میرا — شاغلِ کفر نہیں - مائلِ اسلام نہیں
میں ہوں اُس عالمِ لاہوت میں اے دل کہ جہاں — دن نہیں رات نہیں - صبح نہیں شام نہیں
ہنس کے کہتے ہیں بھلا کیوں کوئی مانے تیری — یہ کوئی وحی نہیں - یہ کوئی الہام نہیں
پاک رکھ نطق کو ہر لغو کی آلائش سے — قابلِ مدح کبھی - قائلِ دشنام نہیں
ہر زباں پہ ہیں زمانے کی جفا کے شکوے — کس طرف ظلم نہیں کس کے گھر کہرام نہیں
میں تو کس گنتی میں ہوں جرمِ محبت میں قمرؔ — کون بدنام نہیں - موردِ الزام نہیں

التماس

چونکہ بعض امور کی وجہ سے مخزن میں ایک ماہ کی کمی پڑ گئی تھی اور ہر رسالہ ایک ماہ کی دیر بعد نکلتا تھا - ہمارا فرض تھا کہ اس کمی کو پورا کر دیں اسلئے ہم نے مئی و جون ۱۹۱۴ء کی دونوں اشاعتیں اکٹھی نکال کر اپنے اس فرض کو پورا کر دیا ہے - اب ناظرینِ مخزن کو چاہئے کہ وہ بھی اپنا فرض انجام دیں یعنی اس کی ترقی اشاعت میں کوشش کریں ؎

مینجر

آنکھوں کا سچا علاج

اناڑی اور جاہل دوا فروشوں نے [illegible] بے سمجھے اور [illegible] اشتہار نے رکھے ہیں اور آنکھ کی تشریح سے [illegible] واقف [illegible] نہیں [illegible] کہ آنکھ میں کس قدر طبقہ ہیں [illegible] آتا ہے کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ تقبہ عنبیہ کیا ہے [illegible] کتاب میں پڑھا نہ ہاتھ سے کام کیا۔ اسلئے مریضوں کی بہی سہی آنکھوں کی حالت [illegible] ۔ ایسے شہر آشوب اور طوفان بے تمیزی میں کسی دوا کا اشتہار دینا اپنا اور اپنی دوا کا وقار کھونا ہے مگر میں جانتا ہوں ابھی دنیا میں علم و ہنر کے قدردان باقی ہیں۔ اور زمانہ عقل سلیم سے خالی نہیں ہے۔ اور سچی دواؤں کی حاجت ہے۔ اسلئے مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ دوا مجھے حاذق الملک حکیم عبد المجید خان صاحب دہلوی مرحوم و مغفور نے بتائی تھی تیس برس سے میں اپنے مطلب میں برابر آزما رہا ہوں۔ یہ آنکھوں میں پانی اترنے کو جسے نزول الماء کہتے ہیں۔ اور دھند۔ جالے۔ پڑبال۔ رتوندے کو ازبس مفید ہے جب آنکھوں کے سامنے بھنگے اڑتے دکھائی دیں سمجھ لیجئے کہ پانی اترنے والا ہے۔ یہ دوا منگائیے۔ اور استعمال کیجئے۔ پانی نہیں اترے گا اترتا ہوگا تو رک جائیگا۔ اور آنکھ صاف ہو جائیگی۔ قیمت دوا فی ماشہ (عہ) ایک مریض کو ایک ماشہ دوا کافی ہوگی۔ محصول بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ

حکیم سید ناصر نذیر فراق محلہ رودگراں متصل رسالدار آتمند خاں دہلی مکان میر ظریف مرحوم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۳ء

جملہ حقوق محفوظ

جولائی ۱۹۱۴ء

ایڈیٹر شیخ عبدالقادر بی اے

جلد ۲۷

نمبر (۱۰)

مخزن



اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی سمجھتے ہیں۔

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ● ان شہروں میں اردو مروج ● ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

یونین سٹیم پریس لاہور میں چھپا اور مولوی غلام رسول صاحب تحصیلدار پنشنر نے شائع کیا

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

مقامات خلافت ۔ مولفہ شیخ عبد القادر بی ۔ اے ۔ بیرسٹر ایٹ لا ۔ ۸ر

رسوم دہلی ۔ مولفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ قیمت ۱۲ر

اقبال لکھن ۔ مصنفہ مولوی شبیر الدین احمد خان صاحب ۔ قسم اول عمار قیمت عمر

ابو مسلم خراسانی ۔ رسالہ الہلال مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف کا ترجمہ عمر

درود جانستان ۔ مصنفہ مولوی سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی ۔ دہلی کی زبان میں دلی کا سچا واقعہ ہر

خیالستان ۔ سید سجاد حیدر صاحب بی ۔ اے کے مصنفہ قصوں کا مجموعہ عہ

انتخاب مخزن مخزن کی سابقہ ۹ جلدوں کا انتخاب عہ

مثنویات میر حسن ۔ مثنوی بے نظیر بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کر کے شامل کر دی ہے عہ

سیر تبت ۔ انگریزی کتاب فور ایرین ان تبت کا با محاورہ ترجمہ ملک تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ ۱۰ر

حکمت عملی فلسفہ عملی پر مبسوط اور جامع کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی ۸ر

الانسان ۔ علم الانسان میں بے نظیر کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی عمار

النحل شہد کی مکھیوں کے تاریخی حالات اور پرورش کے متعلق دلچسپ کتاب مولفہ سید احسین صاحب بی اے ایل بی ۱۰ر

صبح زندگی ۔ اول عمار ۔ دوئم مہر

خواب ہستی قیمت سہر ـــــــ تیر و نشتر قیمت ۱۰ر

اُجرت اشتہارات

	سالم صفحہ سرورق پر	نصف صفحہ سرورق پر	سالم صفحہ اندرونی	نصف صفحہ اندرونی
سالانہ	۳۰	۱۷	۲۰	۱۲
ششماہی	۱۷	۱۲	۱۰	معہ

ایک دفعہ کیلئے } سرورق پر (لعہ) کسی اندرونی صفحہ پر (۳ر)

مخزن

ہوالناصر

شادی مرگ

(سلسلہ کیلئے دیکھو مخزن ماہ اپریل ۱۹۱۴ء)

اگر کیا عجب ہے، حیدری بیگم جس طرح میری بیوی کے ہمنام ہے صورت شکل میں بھی ملتی جلتی ہو اور جو اس میں دلربائی اور دل آرائی تھی اس میں بھی ہو یہ خیال آتی ہے وہ آصف آباد والی بیگم پر بغیر دیکھے بھالے فریفتہ ہوگیا ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ادھر نے اپنے دل کی پلیٹ میں حیدری بیگم کا ایک خیالی فوٹو اتار لیا اور وہ ایک ذوق شوق کے عالم میں حیدری بیگم کو خط لکھنے بیٹھا اُس کے دیوانے اور سرے دل کا تقاضا تھا کہ حیدری بیگم پر اپنا ارمان اور شوق اچھی طرح ظاہر کرے مگر عقل نے کہا ؎

میرجی صاحب سچ تو کہو گر دل میں تمہارے سانگ نہیں
الفت سبزہ۔ ولیوں سے اور گھر میں بھونی بھانگ نہیں

ایک باعصمت پردہ نشین شریف زادی کو ایک دم سے ایسا لکھنا مصلحت نہیں ہے سچ بڑا چلتا ہوا منتر ہے جو مصیبت تم پر گزری ہے وہ آئے لکھ بھیجو یقین ہے کہ اگر اُس کا فرادا کا دل پتھر کا بھی ہوگا تو تمہاری گرم تحریر پڑھ کر موم ہو جائیگا

سر ما اگرش وفاست خود می آید   گر آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چہ ادر پئے او میگر دی   بنشیں گر او خداست خود می آید

جب دیکھو کہ وہ پرچائے میں آگئی تو مطلب کی چھیڑ چھاڑ کر دیکھنا۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اوتھر کی قلم میں کس بلا کا زور تھا۔ اور اُس کا لٹریچر کس قدر دل ربا۔ دلکش۔ دلچسپ۔ دلپذیر۔ دل پسند۔ دلآویز۔ دل فگار۔ دل دوز۔ ہوتا تھا اُس نے خط اس تمہید سے شروع کیا کہ میرا نادان بچہ آپکو اپنی ماں سمجھا ہے اور مجھ پر اور میرے بچے پر حیدری بیگم کے مرنے سے یہ ماجرا گذرا ہے خط کیا مرثیہ تھا جب وہ آصف آباد حیدری بیگم کے پاس پہنچ گیا تو اُس نے تیر خدنگ کا کام دیا کم سنی کے ساتھ نادانی ضرور ہے اسلئے حیدری بیگم کا دل ہل گیا اور خط پڑھ کر اُس کے کلیجہ میں گھونسا سا لگا آخر اور بیخبر حیدری بیگم کو اوتھر کے اوپر رحم آیا اور اُس نے اوتھر کو اُس خط کے جواب میں بہت سے فقرہ اُس کی بیوی کی تعزیت میں حسرت اور افسوس کے اور بعض کلمہ تسکین بخش بھی لکھے اور اب ان دونوں میں دن رات خط کتابت ہونے لگی۔ اور دونوں طرف سے خط بیس بیس صفحہ پر لکھے ہوئے آنے جانے لگے گو ماہ سے حیدری بیگم تیرا ظرف نہ سکھ کو کانوں کان خبر نہ کی اوتھر اور حیدری بیگم کے دلوں میں خصوصیت پیدا ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے کو اپنے گھروں کی

تھوڑا تھوڑا اسی اور ہلکی سے ہلکی باتیں لکھنے لگے۔ خاصکر جب حیدری بیگم کو معلوم ہوا کہ اوتھر اُسی نسل کا سید زادہ ہے جس پاک نسل کی یہ ہری بھری بوٹی ہے تو وہ اور خوش ہوئی اور اوتھر کے ساتھ اپنی محبت ناز و ادا کے ساتھ جتانے لگی معشوق ضرور بے پروا ہوتے ہیں اُن کے سینکڑوں گاہک اور ہزاروں خریدار بھی سہی وہ ٹیڑھی ترچھی باتیں بھی کرتے ہیں وہ اپنے چاہنے والوں کو منہ بھی نہیں لگاتے ہیں اُن کے سر ٹھوکروں سے ٹھکراتے ہیں اُن کی لاشوں کو پاؤں سے روندتے بھی ہیں مگر دل کا مالک خدا ہوتا ہے اپنے جی میں عاشقوں کی ضرور قدر کرتے ہیں گلاب کا پھول اپنے جمال پر جس قدر چاہے ناز کرے اپنے جوبن پر جتنا چاہے غرور کرے بلبل کی فریاد کان دھر کر نہ سنے مگر بلبل کا آہ و نالہ اُس کے کلیجہ کو پارہ پارہ کر ڈالتا ہے یہ پنکھڑیاں نہ سمجھو گلاب کے دل کو بلبل کے اثر عشق نے ٹکڑہ ٹکڑہ کر ڈالا ہے کہربا ناتوان گھانس کو اپنی جانب سے حقارت کیساتھ کھینچ کر اپنے قدموں پر اُس کا سر رکھوا تا ہے مگر گھانس کی حرارت عشق بھی کہربا کو زرد کئے بغیر نہیں رہتی ہے۔ حیدری بیگم نے اپنے تئیں بہت سنبھالا بہت روکا تھا مگر اوتھر کی محبت نے پھر بھی اُسے مغلوب کیا اور میرزا داغ کا کہنا سچ ہو گیا ؎

تھامنا دل کو کہ شوقِ زلفِ دلبر لے چلا
روکنا مجھکو کہ یہ سودا مرا سر لے چلا

اگرچہ حیدری بیگم نے خط و کتابت اس انداز سے کی کہ کسی پہلو سے اُس کی رغبت اوتھر کی طرف ظاہر نہ ہو اور خدا گواہ ہے اُس باعصمت پردہ نشین نے کبھی کسی خط میں کوئی فقرہ ایسا نہیں لکھا جس پر بدگمان شخص نکتہ چینی کر سکے اُس کا دل اور اُس کا دماغ گندے خیالوں سے بالکل پاک تھا مگر اوتھر کو

وہ اپنے حسن کا قدردان ضرور جانتی تھی اُس کے دل میں سمائی تھی کہ اوتھر ایک ایسا آئینہ ہے جس کے اندر مجھے اپنی محبوبیت کا جلوہ دکھائی دے گیا اوتھر کی ہی بدولت مجھے معلوم ہوا کہ میری نرگسی آنکھوں کی دیکھت تلوار کی دھار سے کہیں تیز ہے میں جدھر نظر بھر کر دیکھ لوں فوجیں کی فوجیں شہید کر ڈالوں میری سیاہ پلکیں زہر کے بجھے ہوئے تیروں کے ترکش ہیں جو ایک آن میں ہزاروں آدمیوں کا کلیجہ چھلنی کر سکتے ہیں میری زلفیں عنبر اور مشک سے زیادہ خوشبودار اور دھواں دھار ہیں میں اپنی رخسار کے چمک سے بجلیاں گرا سکتی ہوں۔ میں حُسن وجمال کا ایک لہلہاتا ہوا گلشن ہوں جس میں لالہ وگل سنبل وریحان بھی ہیں سیب وانار جیسے میوہ بھی رنگین اور میٹھے ڈالیوں میں پڑے جھوم رہے ہیں سرو شمشاد بھی ہیں بلور کی شفاف پٹریاں بھی ہیں اور اُن پٹریوں کے اردگرد سبزہ بھی زمرد جیسا اپنی بہار دکھایا کرتا ہے اُس میں نہریں بھی ہیں جنکے اندر پانی کی جائے شیر وشکر مل کر بہتے ہیں اول میں تو اوتھر کی تصانیف نے حیدری بیگم کو اس کی طرف متوجہ کیا مگر آخر میں اوتھر کی سچی محبت نے حیدری بیگم کو اس کی دلداری کے لئے مجبور کر دیا ایک بار حیدری بیگم کی کلائی میں درد ہوا اور اُس نے اوتھر کو ایک مہینہ تک خط نہ لکھا اور اُسی زمانہ میں خدا جانے اوتھر پر کیا بنی کہ اُس نے بھی کوئی خط حیدری بیگم کو نہ بھیجا جب حیدری بیگم کے ہاتھ کی درد کی شکایت جاتی رہی تو اُس نے اوتھر کو خط لکھا اور اُس میں اپنی کلائی کے درد کا حال اور خط نہ بھیجنے کا عذر تحریر کر کے لیٹر بکس میں ڈلوا دیا اُسی وقت اوتھر کا خط حیدری بیگم کے پاس آیا جس میں لکھا تھا ایک مہینہ تک میرے ہاتھ میں شانہ تک اس بلا کا درد رہا کہ مچھلی کی طرح تڑپتا تھا اس باعث سے آپ کو خط نہ لکھ سکا معاف فرمائیے اس تحریر کو پڑھ کر حیدری بیگم

بھی کہ اوتھر کو درحقیقت میرے ساتھ سچی محبت ہے اور وہ اپنے وقت کا قیس عامری (مجنوں) ہے اور اُس بدنصیب کی کشش عشق نے مجھے زبردستی لیلےٰ بنا لیا ہے بقول شخصے ع

مجنوں نہیں گے ہم تمہیں لیلیٰ بنائینگے

ایکبار حیدری بیگم کو تپ آئی تو اوتھر بھی اُسی تاریخ بخار کے اندر ٹھلایا اور جس تاریخ حیدری بیگم نے غسل صحت کیا اُسی تاریخ اوتھر اچھا ہو گیا۔ عشق کے یہ کرشمہ اور محبت کے یہ زبردست معجزہ دیکھکر حیدری بیگم کو ضرور ایمان لانا تھا کیونکہ ؎

من از آں حُسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

اور اسی بے بسی اور ناچاری سے اُس نے دو ایک خطوں میں اوتھر کو چند فقرہ ایسے لکھدیئے جس سے ٹپکتا تھا کہ میں تمہیں اپنا سچا عاشق جانتی ہوں اور میرے دل کے اندر تمہاری جگہ ہو گئی ہے یہ لکھنا اوتھر بدبخت کے حق میں زہر ہو گیا اور وہ اس خوشی کے جوش میں کہ حیدری بیگم میری محبت کی قدر کرتی ہے جامے سے باہر ہو گیا اُس کا دل الٹ گیا اور اُسے ایک قسم کی مالیخولیا ہو گئی اور حیدری بیگم صاحبہ کا تصور اُس کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں بھر گیا ع

چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

سوتے اور جاگتے میں حیدری بیگم اُسے نظر آتی آنکھ بند ہوئی اور اُسے معلوم ہوا حیدری بیگم میرے پہلو سے لگی بیٹھی ہیں اور میری تصنیف سُن سُن کر خوش ہو رہی ہیں جب صبح کو اُس کی آنکھ کھل جاتی تو وہ زار و قطار روتا اور میرزا نوشہ کا یہ شعر ہاتھ مل مل کر پڑھتا ؎

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

دتھر نے اپنی وحشت کا حال حیدری بیگم کو لکھا تو حیدری بیگم کو بہت قلق ہوا۔ اور اُس عاقلہ نے اُسے بہت سے خطوں میں سمجھایا کہ او تھر دیکھو خدا رو مان کر اپنی جوانی پر رحم کرو اپنے دل کو سنبھالو ان باتوں میں جانیں برباد ہو جاتی ہیں مگر ؎

ملامت شیعل انکار عشق ست
ملامت شحنۂ بازار عشق ست

حیدری بیگم کی فہمایش نے اُلٹا اثر کیا۔ کیونکہ ہمارا گزر جو او تھر کے مکان کیطرف ہوا تو ہم نے اُسے اوجڑ پایا اور کئی برس تک یہ بھید ہی نہ کھلا کہ اُسے زمین کھا گئی یا آسمان وہ کہاں غائب ہو گیا۔

وہی آصف آباد ہے اور وہی کوٹھی ہے اور اُس کوٹھی کا وہی زنانہ حصہ ہے شام کے پانچ بجے ہیں اور حیدری بیگم پیازی رنگ کا جوڑہ پہنے انگلش سینٹ اور لونڈر میں بسی ہوئی خانہ باغ کی ایک روش پر ٹہل رہی ہیں اور بی ہنسکھ بھی اپنی دلی کی وضع کا لباس پہنے عطر حنا میں ڈوبی ہوئی اُن کیساتھ ہیں اتنے میں نرس آئی اور مدراسی لب ولہجہ میں کہنے لگی حضور گاڑی تیار کھڑا ہے۔

حیدری بیگم۔ اچھا اچھا دیکھو میں نواب بیگم کے دیکھنے کے لئے اُنکی کوٹھی پر جاتی ہوں سنا ہے اُن کا جی ماندہ ہو گیا ہے دو گھنٹہ اُن کے پاس بیٹھوں گی پھر وہاں سے بادشاہی باغ کو جاؤنگی اور جل محل کے اندر بیٹھ کر سمندر کی سیر کرونگی

دس گیارہ بجے رات سے پلٹ کر آؤنگی میرے پیچھے ماما اصلینوں کے کام کو تم دیکھتی بھالتی رہنا کوئی کام بگڑے نہیں جو کچھ میرے سامنے ہوا کرتا ہے وہی میرے پیچھے ہو۔ دلیوں صاحب مہینہ بھر بھی نہیں آسکتے ہیں (صاحب شوہر سے مراد ہے) اور آئیں گے تو پہلے ٹیلیگرام بھیجیں گے مگر اتفاق ہے شاید ۹ بجے کی ٹرین میں آن اُتریں تو تم ہمیں باغ میں آکر فوراً خبر دینا نرس کو یہ حکم سنا کر حیدری بیگم چمن سے نکلکر زنانی ڈھیوڑی پر آئیں دو عورتوں نے پردہ کیا اور وہ گاڑی میں سوار ہو گئیں اور اُن کی سامنے والی سیٹ پر بی ہنسکھ بیٹھ گئی زنانی گاڑی کا دروازہ بند ہو گیا اور گاڑی چل دی جس میں روشکی گھوڑیاں جُتی ہوئی تھیں اور اُن کی راسیں ایک بوڑھے کوچبان کے ہاتھ میں تھیں جس کا خاقان بیگ نام تھا اندازاً دو میل جاکر گاڑی ایک کوٹھی کے کمپونڈ میں داخل ہوئی اور حیدری بیگم اور ہنسکھ اُس میں سے اُتر کر کوٹھی کے اندر چلی گئیں یہ کوٹھی بھی زنانی تھی اور اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ نواب بیگم صاحبہ کی کوٹھی ہے مگر ہمیں نواب بیگم کے حالات پر زیادہ عبور نہیں ہے ہمیں خبر نہیں وہ کون ہیں کس عمر کے آدمی ہیں کیا بیمار ہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ رات کے ۱۰ بجے حیدری بیگم اور ہنسکھ کوٹھی میں سے نکل کر گاڑی میں پھر سوار ہوئیں کوچبان نے گاڑی کی لالٹین روشن کرنی چاہی مگر بیگم صاحب کے اشارہ سے ہنسکھ نے منع کر دیا جس سڑک پر سے یہ گاڑی گئی آئی وہ شہر سے باہر اور بستی سے بالکل الگ تھلگ تھی گاڑی اندھیری رات میں اُڑی چلی جاتی تھی اور مشکی جوڑی کے مضبوط سموں کی آواز ایک لے کے ساتھ جنگل میں دور تک جا رہی تھی حیدری بیگم کی کوٹھی ابھی ایک میل دور ہوگی جو سڑک کے بائیں طرف ایک گھن دلدل جھاڑی آئی اور ہنسکھ نے چیخ کر اندر سے کہا میرزا جی میرزا جی گاڑی روک لو

خاقان بیگ۔ (گاڑی روک کر) خیر تو ہے گاڑی کیوں ٹھموائی ہے۔
ہنسمکھ۔ بیگم صاحب پانی نوش کریں گی چلتی گاڑی میں پانی پیتے ہیں۔ تو دشمنوں دور پار کلیجہ میں درد ہونے لگتا ہے یہ کہکر ہنسمکھ نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور صراحی لیکر اتری اور چاندنی کے گلاس میں جو اس نے پانی اونڈیلا۔ تو صراحی کی قلقل نے کانوں کو بڑا مزہ دیا پھر اُس نے بیگم صاحب کو پانی پلاکر صراحی گلاس گاڑی میں رکھدیا اور گاڑی کے پیچھے ہوکر وہ خاقان بیگ کے دہنے ہاتھ کی طرف آکر کہنے لگی میرزاجی پان لو بیگم صاحب نے عنایت کیا ہے بوڑھا کوچبین ہنسمکھ کی جانب پان لینے کے لئے اونچی کوچ بکس پر سے جھکا اور اُلٹے ہاتھ سے اپنی گتّل دار پگڑی بھی روکے رہا نہیں ضرور زمین پر جا پڑتی۔ اس جھکنے میں جدھر جھاڑی تھی اُدھر اُس کی پشت ہوگئی خاقان بیگ پان لیکر سیدھا ہونا چاہتا تھا جو ہنسمکھ شریر نے کہا اے وُئی بڑے میاں زردہ بھی تو لو خاقان بیگ پھر جھکا اور ہنسمکھ نے ڈھکا ڈھکا کر اُسے زردہ دیا اور اُس نے زردہ منہ میں ڈال کر اپنا منہ چلایا ہنسمکھ نے سمجھ لیا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہولیا تو گاڑی میں آکر بیٹھ گئی اور گاڑی کا دروازہ بند کرکے کھٹکہ بھی کرلیا تیس منٹ میں گاڑی شاہی باغ میں پہنچ گئی اور جل محل کی سیڑھیوں سے جالگی جو عورتوں کی سیر کے لئے خاصکر بنا ہوا تھا اور اُس میں مرد پھٹکنے نہ پاتا تھا۔ حیدری بیگم اکثر یہاں آتی تھیں اور سیر تفریح کے لئے دو دو چار چار گھنٹہ یہاں ٹھیری رہتی تھیں باغ کی محافظ اور چپراسی اور مالی سب انہیں جانتے تھے اور انعام اکرام لیتے رہتے تھے کوچبین نے منہ پھیر لیا اور گاڑی میں سے تین برقع پوش عورتیں اُتر کر بہت پھرتی کے ساتھ جل محل کے ایک کمرہ میں چلی گئیں جس کی دیوار کے نیچے سمندر لہریں مار رہا تھا اور اونچی اونچی

دروں میں سے دریا کا منظر کوسوں تک دکھائی دیتا تھا جاتے وقت اور نواب بیگم کی کوٹھی کے آتے وقت بھی گاڑی میں صرف دو ہی عورتیں تھیں ایک حیدری بیگم اور دوسری ان کی مصاحب ہنسکھ۔ حیرت ہے کہ یہ تیسری عورت گاڑی میں کیونکر پیدا ہوگئی ذرا ٹھیریئے ہم آپ کو یہ معما سمجھا دیں گے پہلے آپ یہ سُن لیجئے کہ ہنسکھ اول ان دونوں کو محل میں پہنچا کر باہر آئی اور گاڑی میں سے سوزنی لالٹین صراحی گلاس ناگردان لے گئی اور خاقان بیگ سے کہہ گئی بیگم صاحب فرماتی ہیں۔ تم گاڑی کوٹھی پہ لے جاؤ ہم اپنے دستور کے موافق برقع اوڑھ کر پیدل کوٹھی پر آجائیں گے کیونکہ دو قدم پر تو کوٹھی ہی ہے۔ گاڑی کوٹھی کو گئی ہنسکھ نے بجلی کی تازہ ایجاد لالٹین روشن کی جو امریکہ سے آئی تھی جس کی روشنی سے سارا کمرہ منور ہو گیا اور ہم نے دیکھا کمرہ میں سوزنی بچھی ہوئی ہے اور اُس کے کونہ پر ایک طرف حیدری بیگم کچھ جیبیں بہ جبیں بیٹھی ہوئی ہیں اور آنکھ اُٹھا کر اوپر نہیں دیکھتی ہیں سوزنی کے دوسرے کونہ پر دو گز کے فاصلہ سے ایک فقیر سر جھاڑ منہ پہاڑ گیروا تہبند باندھے گلے میں گیروا کفنی پہنے ہوئے بیٹھا ہے سر کے بال بڑھ کر اُلجھ گئے ہیں۔ ناخن چار چار اُنگلی کے ہو رہے ہیں چہرہ زرد ہے آنکھیں ڈگر ڈگر کر رہی ہیں۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں ہاتھ پاؤں پر میل تھپا ہوا ہے سوکھ کر پنجر نکل آیا ہے ہڈی سے چمڑہ لگ گیا ہے آنکھوں سے آنسو موتیوں کی لڑیوں کی طرح پڑے بہ رہے ہیں ہنسکھ نے فقیر کے چہرہ کو غور سے دیکھا اور اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اُس نے اس زور سے چیخ ماری کہ سارا کمرہ گونج گیا اور بیقرار ہو کر کہنے لگی ہے ہے میرے آقا میں قربان ہو جاؤں آپ نے اپنا یہ کیا حال بنایا اور آپ یہاں کیونکر تشریف لائے اب ہم نے بھی اپنے دوست ادھر کو پہچان لیا اور ہم سمجھ گئے کہ حیدری بیگم کے عشق نے انہیں دین و دنیا سے کھو کر

پیچ دکھایا ہے ناظرین مخزن اس پہیلی کا بوجھن یہ ہے کہ حیدری بیگم نے جو اوتھر
سے خط و کتابت کی تھی تو اُس کا حال منسکھ سے نہیں کہا تھا جب اوتھر نے
سینکڑوں خطوں میں حیدری بیگم کو لکھا کہ میں آپ کی محبت میں سودائی ہو گیا ہوں
مجھے اجازت دیجئے کہ میں ہندوستان سے آصف آباد آؤں اور آپ
وعدہ کیجئے کہ تو جب آصف آباد آئے گا تو ہم تجھے ایک بار اپنی شکل دکھا دینگے
یا جواب صاف لکھئے کہ میں ایسا نہیں کر سکتی تاکہ مجھے مایوسی ہو جائے اور
میں زہر کھا کر یا ریوالور کی گولی سے اپنے تئیں ہلاک کروں اور دن رات
کے عذاب سے چھوٹوں مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ یہ خون ناحق
آپ کی گردن پر رہے گا اور آپ کو خدا کے ہاں جواب دینا پڑیگا حیدری بیگم
کے دل پر بھی اوتھر کی سچی محبت کا نقش جم چکا تھا وہ بیچاری خون ناحق کی
دھمکی سے ڈر گئی اور اُسے مجبوراً لکھنا پڑا کہ جب نوبت یہاں تک پہنچی تو خیر میں یہ
ننگ گوارا کروں گی اور جس طرح بن پڑیگا ایک بار میں اپنی شکل آپکو دکھاؤنگی
آپ آصف آباد آجائیے مگر یہ جان لینا اگر آپ نے ملاقات کے وقت انگلی
چھوڑ کر پہونچا پکڑنے کا ارادہ کیا تو ہیرے کی انگوٹھی میرے پاس ہوگی فوراً اسکا
نگینہ توڑ کر کھالوں گی اور آپ کے ارمان نکلنے سے پہلے میری جان نکل جاچکی ہوگی
جب قسما قسمی ہولی تو حیدری بیگم نے اوتھر کو لکھا آپ فلاں تاریخ آصف آباد
آجائیے اور فلاں دن فلاں وقت فلاں سڑک کے پاس فلاں جگہ جو جھاڑی
ہے اُس میں چھپ کر بیٹھ رہئے جب جھاڑی کے پاس گاڑی تھمے اور منسکھ
پان دینے کے بہانہ سے کوچبین کو اپنی طرف مخاطب کرے۔ تو آپ جھاڑی
میں سے برقع اوڑھ کر نکلئے اور بہت پھرتی کے ساتھ میری گاڑی میں آجائیے
منسکھ آپ کو گاڑی میں بیٹھا دیکھکر تعجب نہ کرے گی کیونکہ میں نے اُسے سمجھا دیا ہے

کہ میری ایک سہیلی اس طرح سے آئے گی اور اُن کی اس طرح آنے میں ایک راز ہے وہ شاہی باغ میں جا کر تمہیں کھل جائیگا مگر خبردار آپ گاڑی میں بیٹھکر مجھ سے کچھ بات چیت نہ کیجئے گا چنانچہ اوتھر نے حیدری بیگم کی ہدایت پر عمل کیا اور جب باغ میں جل محل کے کمرہ کے اندر اوتھر برقع اُتار کر سوزنی پر بیٹھ گیا۔ تو سنسکھ نے اُسے پہچانا اور وہ اُسے دیکھکر بے قرار ہوگئی اور رونے پیٹنے لگی اور یہ بھی جان گئی کہ اوتھر میں اور حیدری بیگم میں کسی طرح محبت ہوگئی ہے اور اسی واسطے حیدری بیگم انہیں چھپا کر یہاں لائی ہیں مناسب ہے کہ میں گھڑی دو گھڑی کے لئے یہاں سے ٹل جاؤں اور سنسکھ شرارہ آتش کی طرح کمرہ سے اُڑ گئی اوتھر نے بھی دیکھ لیا کہ اب کوئی مُخل نہیں ہے اُس نے بڑھکر اپنا سر حیدری بیگم کے قدموں پر رکھ دیا اور اب حیدری بیگم سے بھی ضبط نہ ہوا۔ اور اُس نے بیتاب ہو کر اُس کا سر اُٹھا کر کہا میر صاحب خدا کے لئے آپ کیا غضب کرتے ہیں مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹئے سیدھے ہو کر بیٹھئے اور باتیں کیجئے اوتھر حیدری بیگم کے اصرار سے سنبھلکر بیٹھ گیا مگر آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بدستور بہتا رہا۔ حیدری بیگم عشق صادق کے جلوہ کو دیکھ کر بے خود ہوگئی اُسکا دل دھڑکنے لگا اور ایک آہ بھر کر بولی اوتھر اگر میں یہ جانتی کہ آپ میرے خط کو پڑھکر باولے ہو جائیں گے اور اپنا یہ کھوجڑا کھوئیں گے تو حضرت عباسؑ کی قسم میں بھولے سے بھی آپ کو خط نہ لکھتی میں نے تو آپ کو معمولی شاعر سمجھا تھا مجھے کیا خبر تھی کہ آپ سچ مچ اپنے وقت کے فرہاد اور مجنوں ہیں میں سچ کہتی ہوں جس وقت سے میں نے آپ کا یہ حال تباہ دیکھا ہے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے میرا کلیجہ تھرا گیا ہے خدا رسول کو مان کر آپ اپنے جی کو سنبھالئے اے میرے پیارے اوتھر عورتوں کے لئے پارسائی بڑا جوہر ہے جو خوبصورت

عورت پارسا نہیں وہ ایسی ہے جیسے بے نمک کا کھانا یا بے آب کا آئینہ یا بجھی ہوئی شمع یا سوکھا ہوا چنبیلی کا پھول جس میں رنگ نہ خوشبو میں آپ ہی جیسے ایک غیرت دار سید زادہ کے نکاح میں ہوں وہ ماشاء اللہ امیر بھی ہے امیر زادہ بھی ہے جوان بھی ہے ذی علم بھی ہے سہرہ کے ساتھ مجھے بیاہ کر لایا ہے دنیا کے سارے عیش سارے آرام اُس کی بدولت مجھے نصیب ہیں اُسے چھوڑ کر توبہ توبہ آپ کیساتھ ہولوں تو خدا کو کیا منہ دکھاؤں گی بھائی بند میرے جنم میں کیا تھوکیں گے اوتھر بدنصیب کے منہ سے ایک بات بھی نہ نکلی اور وہ روتا ہی رہا حیدری بیگم کے دل پر اوتھر کی اس طرح رونے کا بڑا اثر ہوا اُس نے اپنی پاکٹ سے رومال نکال کر اوتھر کے آنسو پونچھے اور کہا اوتھر جب آپکو میرے ساتھ پاک محبت ہے تو میں بھی آپ کی اس محبت کی قدر کرتی ہوں دیکھنا میرا دل بہت بودا ہے میں دُبلی پتلی آدمی ہوں آپ کے رونے سے میرا دل دہلا جاتا ہے اب رات بہت گئی ہے۔ اس وقت مجھے گھر جانے کی خوشی سے اجازت دیجئے میں وعدہ کرتی ہوں کل اسی محل میں آکر آپ سے پھر ملوں گی لو اللہ بیلی یہ کہکر حیدری بیگم اُٹھ کھڑی ہوئی اور اُس نے ایک ریشمین برقع سے اپنے سراپا کو چھپا لیا اور ہنسمکھ بھی برقع اوڑھ کر اُسکے ساتھ ہولی اور دونوں کی دونوں کوٹھی کو چلی گئیں ان کے جانے کے بعد اوتھر بھی باغ سے نکل کر وہاں چلا گیا جہاں وہ ٹھیرا ہوا تھا۔ حیدری بیگم جانے کو تو اپنی کوٹھی کو گئی مگر اُڑکھڑاتی بولاتی اوتھر کی دیوانگی اور بیکسی کا دل پر داغ لئے ہوئے اُس نے رات کو کھانا بھی نہ کھایا اور نہ ہنسمکھ نے دن بھی قیامت کی طرح کاٹا شام ہوتے ہی وہ دونوں باغ میں پہنچیں یا اوتھر کا جذب مقناطیسی انہیں کھینچ لے گیا دیکھا تو اوتھر جل محل کے کونہ میں چھپا کھڑا ہے ہنسمکھ نے سوزنی بچھا دی اور حیدری بیگم اُس پر بیٹھ گئیں اوتھر نے کل کی طرح پھر اپنا سر

حیدری کے قدموں پر رکھدیا حیدری بیگم نے اُس کا سر اُٹھا کر کہا دیکھو اوتھر تم بنی فاطمہ ہو۔ آلِ رسولؐ ہو ہمیں گنہگار نہ کرو سوزنی پر بیٹھ جاؤ اوتھر بہت ہی ادب کیساتھ حیدری کے سامنے گردن جھکا کر بیٹھ گیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے بجلی کی لالٹین حیدری بیگم کے گورے چٹے رخسار کی جھلک سے چھپ چھپ جاتی تھی ہنسکھ نے اپنے آقا کی چٹ چٹ بلائیں لیں مگر اوتھر نے اُسے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا اور قہر کی نظر سے اُسے دیکھا تو وہ کونہ میں کھڑی ہو کر رونے لگی حیدری بیگم نے اُسے اشارہ سے منع کیا تو وہ آنسو پونچھتی ہوئی دوسرے کمرہ میں چلی گئی اوتھر نے پہلے دن بھی حیدری بیگم سے کچھ بات نہ کی تھی نہ وہ آج کچھ بولا اور کیا تو یہ کیا کہ اپنا سر پھر حیدری بیگم کے قدموں پر رکھ دیا۔

حیدری بیگم۔ بھئی اللہ تم نے تو ہمارا ناک میں دم کر دیا یہ تم کیا کرتی ہو دیکھنا اوتھر تم ہمارے دل کو خون نہ کرو۔ علیؑ کی قسم کل جس وقت سے میں نے تمہیں اس پریشانی میں دیکھا ہے میرے کلیجہ میں ناسور ہو گیا ہے اگر آپ میری خوشی چاہتے ہیں۔ تو روئیے نہیں اور باتیں کیجئے۔

اوتھر۔ آپ کی صورت دیکھکر زبان گونگی ہو گئی ہے بہتیرا چاہتا ہوں کہ بولوں مگر بولا نہیں جاتا دل بیٹھا جاتا ہے۔

حیدری بیگم۔ آخر کیوں۔

اوتھر۔ کیا عرض کروں۔

حیدری بیگم۔ نہیں جو کچھ آپ کے جی میں ہے وہ آپ کہہ ڈالئے جبتک کہیں گے نہیں دل کی بھڑاس نہ نکلے گی نہ آنسو تھمیں گے۔

اوتھر۔ شاید میں کچھ کہوں اور آپ اُسے سُنکر خفا ہو جائیں۔

حیدری بیگم۔ سوائے اُس گناہ کی بات کے جو کچھ آپ کہیں گے میں سن لونگی اور

ہرگز برا نہیں مانے گی۔

اوتھیلو۔ سہم کر میں ڈرتا ہوں۔

حیدری بیگم۔ آپ ڈریئے نہیں جب آپکے دل میں گناہ کا خیال نہیں ہے۔ تو پھر ڈر کا ہے کا ہے۔

اوتھیلو۔ میری آرزو ہے کہ ایک دفعہ آپ میرے سینہ سے لگ جائیے۔

حیدری بیگم۔ اچھا اگر میں یہ کہنا آپ کا کروں تو پھر آپ کچھ زیادہ تو پاؤں نہیں پھیلائیے گا دیکھئے یہ ہیرہ کی انگوٹھی وہی ہے جس کا حوالہ میں نے خط میں دیا تھا۔

اوتھیلو۔ خدا گواہ ہے میرے دل میں کوئی بُرا خیال نہیں ہے۔

حیدری بیگم۔ اچھا آیئے خدا کا دیا سر آنکھوں پر لو جی میں نے آپکو خط لکھا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی آپ جھاڑ کا کانٹا بنکر مجھے لپٹ جائیں گے اور گلے کا ہار بنیں گے اللہ ان مردوں سے بچائے عورتوں کو پھندے میں پھنسانے کیلئے کیا کیا جل کھیلتے ہیں یہ کہکر حیدری اوتھیلو کی طرف جھکی اور اوتھیلو نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا اُس کا سینہ حیدری کے سینہ سے اور اُس کا دل حیدری کے دل سے مل گیا حیدری بیگم کو معلوم ہوا کہ اوتھیلو کا بدن آگ کی طرح گرم ہے جب حیدری اُسکی کلیجہ سے لگ گئی تو اوتھیلو نے ایک بڑا لمبا سانس لیا اور اُس کے ہاتھ ڈھیلے ہوگئے اور اس سے پہلے کہ حیدری بیگم گھبرا کر کہے ابھی بس آپ مجھے چھوڑ دیجئے بدنصیب اوتھیلو خود اُس سے جدا ہو کر گرا مگر اس طرح کہ اُس کا سر حیدری بیگم کے قدموں پر آگیا حیدری نے اُس کا رکا ہوا سانس اور بند آنکھیں دیکھکر ہنسمکھ کو گھبرا کر پکارا۔ ہنسمکھ دوڑی ہوئی آئی۔ اُس نے بہتیرا میاں۔ میاں۔ حضور۔ حضور کہکر آوازیں دیں مگر مردہ کہیں بولا ہے جو اوتھیلو بولتا ۵

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے

ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے

حیدری بیگم نے نبض دیکھی تو نہ پائی دل پر ہاتھ رکھا تو اُس کی حرکت بند تھی اور آناً فاناً اُس کا سارا بدن اولا جیسا ٹھنڈا ہو گیا اور پسینہ میں نہا گیا اور چند ہی منٹ میں حیدری بیگم اور ہنسامکھ کو یقین ہو گیا کہ اوتھر اور باوفا اوتھر اور نامراد اوتھر اپنی معشوق کے قدموں میں جان دیکر سچے عاشقوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوا گیا۔ اب تو حیدری بیگم کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُس نے رونا اور پیٹنا شروع کیا اور کہا اچھی ہنسامکھ میں کیا کروں ہائے مجھ نگوڑی کو کیا خبر تھی کہ ہنسی ہنسی میں یہ ہو جائے گی ہائے اللہ میں کیا کروں اگر خبر ہو گئی تو جان بھی جائیگی آبرو بھی جائیگی دنیا کیا کہے گی کیا رسوائی ہو گی مگر خدا نے اس وقت ہنسامکھ کو بڑی ہمت دی اُس نے کہا بیگم گھبرائیے نہیں اوتھر کو آتے جاتے چڑیا نے بھی نہیں دیکھا ہے اور سوائے خدا کے اور ہمارے آپکے کسی کو ان کی خبر نہیں ہے دیکھئے یہ کٹہرہ کے نیچے سمندر بہ رہا ہے ہاتھ بڑھائیے تو پانی چلو میں لے لیجئے اس میں لاش کو ڈالے دیتی ہیں رات بھی اندھیری ہے گھنٹہ بھر میں خدا جانے پانی کہاں سے کہاں لے جائیگا مار پیچھے بایاں بچا ہی کرتا ہے جو کچھ ہو گی وہ دیکھی جائے گی اور دیکھی کیا جائے گی خدا دانا بینا ہے نہ آپنے مارا نہ میں نے کمزور اور بودے دل کے آدمی تھے آپکے کلیجہ سے لگ کر شادی مرگ ہو گئی اس میں کسی کی بھی خطا نہیں حیدری بیگم کی ہنسامکھ کی سمجھ بوجھ سے بہت کچھ تسکین ہوئی اور جھٹ پٹ دونوں نے اُس عاشق باوفا کی لاش کو آہستگی سے دریا میں ڈال دیا سمندر جل محل کے نیچے اس طرح بہا کرتا ہے جسطرح تاج گنج کے نیچے جمنا بہتی ہے جب لاش بہت دور نکل گئی تو ہنسامکھ اور حیدری بیگم

سر پر پاؤں رکھ کر بھاگیں اور کوٹھی میں آکر دم لیا سنا ہے اس عبرت ناک حال کو دیکھکر حیدری بیگم کا دل قابو میں نہ رہا گھر والے اُسے مراق سمجھے دلّی کے ایک سمجھدار حکیم نے ماء الجبن دیا تو وہ وحشت کم ہوگئی مگر اس پر بھی جب وہ منظر اُسے یاد آتا تھا وہ کانپ اُٹھتی تھی اور الٰہی توبہ الٰہی توبہ کرتی رہتی تھی ؎

ندارم تاب ضبطِ راز و می ترسم ز رسوائی
مگر جویم ز بہرِ ہمنشینی بے زبانے را

سچی محبت کی داستانیں فراق کو بہت یاد ہیں اگر آپ سننے کو تیار ہیں تو وہ سنانے کے لئے مستعد ہے۔ فقط۔

محررہ فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی۔ از دہلی
محلہ رودگراں مدرسہ راؤ تمنداں خاں مکان میر ظرافت صاحب

ضروری اطلاع

خط و کتابت کرتے وقت اپنے چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔

مینیجر

ہوالناصر

المور کھا کی اشاعت

دلّی کی زباں کو نہ کہیں کس لئے اردو
یاقوت بجز کان کے بتلاسے کہاں اور

میرے ماموں جان میرے قبلہ وکعبہ خواجہ سید ناصر نذیر حسینی الواسطی فراق دہلوی اگر تھوڑی سی توجہ فرماتے تو آج اردو ناول نویسی میں مولوی عبدالحلیم صاحب شرر یا پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار لکھنوی سے زیادہ شہرت پاتے کیونکہ اول تو آپ خواجہ میر درد دہلوی کے لخت جگر جنہوں نے اردو زبان کو بنایا پالا پوسا اُسے چار چاند لگائے دوسرے مولانا محمد حسین آزاد شمس العلما پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور کے لائق شاگرد ۔ مگر آپ کے مشغلہ ناول نگاری سے کہیں اعلے مشغلہ ہیں سب سے پہلے تو آپ کی زندگی سلوک اور تصوف کے لئے وقف ہے پھر زبانی جمع خرچ ہی نہیں بلکہ قال سے زیادہ حال آج خواجہ میر درد کے نام لینے والے جتنے مدعی دلّی میں موجود ہیں اُن میں حضرت فراق ہی ایک گوہر نایاب ہیں ۔ جو خواجہ محمد ناصرؒ اور خواجہ میر دردؒ کے قدم بقدم ہیں ۔ معقول منقول فرع اصول فارسی شاعری اردو شاعری نثاری میں آپ کامل ہیں پھر حقیقت کے راز مجاز کے پیرایہ میں ادا فرمانا آپ کا حصہ ہے جب جناب مستطاب نواب محمد کلب علی خان صاحب بہادر بالقابہ واضافہ فرمانروائے رام پور نے رحلت فرمائی تو تقریباً برس دن تک نواب میرزا خان داغ دلّی اگر

نیچہ بندوں کے کوچہ میں قیام پذیر ہوئے۔ فراق صاحب ہر روز بلاناغہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے میرزا صاحب ان کی خاندانی بزرگی کے لحاظ سے ان کی تعظیم کرتے مگر فراق صاحب اُن کے روبرو اس طرح بیٹھتے جس طرح چھوٹے اپنے بڑوں کے سامنے مؤدب حاضر ہوتے ہیں۔ اردو زبان دانی اور دلّی کے اگلے پچھلے محاورات اور روزمرہ کی نسبت خوب خوب بحثیں ہوتیں ایک دن ماموں جان نے کہا میرزا صاحب یہ مبتذل لفظ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے اس میں آپ کی کیا رائے ہے۔ میرزا صاحب نے فرمایا میں نے برتی لیکن گلزار داغ میں اور آفتاب داغ میں لکھا ہے گو مجھے کچھ دن سے یہ کھٹکتا تھا اب آپ نے مجھے یاد دلایا اب میں مہتاب داغ میں نہ لکھوں گا۔ اور اسے ترک کردونگا اردو آپ کے گھرانے کی لونڈی ہے میں نے اُستاد ذوق سے سُنا ہے فرمایا کرتے تھے جسے اگر کسی کو اردو سیکھنی ہو تو وہ خواجہ میر درد کے دیوان کا مطالعہ کرے۔ ایک دن فراق صاحب نے اپنا ایک شعر پڑھا جس کا ردیف قافیہ تھا محرم نکلتا ہے، محرم کے قافیہ کو سنکر میرزا صاحب نے فرمایا جیتے رہو محرم کا قافیہ تم نے خوب بٹھایا میں نے اس زمین میں دو غزلیں لکھی ہیں جو گلزار داغ اور آفتاب داغ میں چھپ چکی ہیں مگر محرم کا قافیہ مجھ سے رہ گیا۔ میری غرض اس سے یہ ہرگز نہیں ہے کہ فراق صاحب اردو شاعری میں میرزا صاحب کے ہم پلہ تھے بلکہ صرف یہ مدعا ہے کہ فراق صاحب کی جدت اور ذکاوت کو داغ جیسے اُستاد بھی پسند کرتے تھے آپ کا زیادہ وقت مطب اور بیماروں کے معالجہ میں گزرتا ہے اور خدا نے ہاتھ میں ایسی برکت رکھی ہے جسے نسخہ لکھدیا یا خاک کی چٹکی اُٹھا کر دیدی وہ اچھا ہو گیا۔ مجھے کئی شرابیوں نے کہا ہمیں فراق صاحب پر بڑا رشک ہے میں نے کہا کیسا رشک ہے کہا ہم لوگ جام و مینا رات دن

اپنے آگے سے سرکنے نہیں دیتے اور دھرنا دے بیٹھتے ہیں۔ مگر وہ اُمنگ وہ ذوق شوق وہ جوش و خروش دل میں نہیں پاتے جو فراق صاحب میں دیکھتے ہیں میں نے کہا تم بیچارے برانڈی وسکی اُڑاتے ہو جس کا نشہ گھنٹہ دو گھنٹہ یا پہر دو پہر میں زائل ہو جاتا ہے اور مولانا فراق کو اُن کے مرشد کامل نے جام توحید پلا دیا ہے جس کے نشہ کا کبھی اُتار ہی نہیں ہوتا۔ مولانا کی شوخی طبیعت کا حال ہم سے پوچھئے جو دن رات اُن کی خدمت میں رہتے ہیں اور اُنکی کفش برداری کرتے ہیں جب کسی نے مجسم عشق نہ دیکھا ہو وہ مولانا فراق کو دیکھ لے بہت سے کالج اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور پروفیسروں نے آپ سے کہا کہ آپ دلّی کی زبان کے بارے میں دس پانچ مضمون ایسے لکھ دیجئے جو کورس میں داخل کئے جائیں اور لڑکے لڑکیاں پڑھ سکیں اور آپ کی یادگار رہے۔ مولانا نے سُنکر یہ شعر پڑھا ؎

ما سر فاتحہ از خلق خدا ریم نیاز
عشق من درس پہن فاتحہ خوانم باقیست

توبہ توبہ یہ دکھڑا مجھ سے نہیں رویا جا سکتا میں عشق کا بندہ ہوں محبوب کے ناز و ادا کے سوائے کچھ اور لکھنا گناہ سمجھتا ہوں ایسے مضمون لکھنے سے دل کی حرارت بجھ جاتی ہے اور آدمی نکما ہو جاتا ہے خدا خدا کرکے تو اب ذرا آسُودگی ہے البتہ اگر کوئی حسن و عشق کا کالج کھولا جائے تو ایسے ایسے کورس بنا دوں کہ ہر نوجوان قیس و فرہاد کی طرح جانبازی کی ڈگری لیکر نکلے اور ہر حور وش گل جفا کاری و ستمگری دلربائی اور خود آرائی میں لیلے و شیریں بن کر امتحان پاس کیا کرے۔ مخزن میں جو مضامین آپ کے نکلتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ شیخ عبداللہ صاحب بیرسٹر ایٹ لا اور شیخ محمد اکرام صاحب سے دلّی

میں اتفاقاً ملاقات ہو گئی اور اُن کے اصرار محبت سے مجبور ہونا پڑا مخزن اور عصمت کے لئے جو کچھ لکھ کر بھیج دیا تھا وہ سچے موتی تھے پھر مخزن کے مینجر مولوی غلام رسول صاحب تحصیلدار پنشنر ہو گئے ان بزرگ نے حکیم صاحب کیساتھ اسقدر عقیدت اور نیازمندی کا اظہار فرمایا کہ آپ کو اُس کا لحاظ کرنا پڑا اور مخزن کے بنانے سنوارنے میں آپ نے وہ کام کیا جو مشاطہ کے باسلیقہ ہاتھ ایک مہ لقا کے سراپا کے ساتھ کیا کرتے ہیں کچھ باب **المورکھا (مرقع اردو)** کے بھی مخزن کو دیئے گئے جسے قدردانوں نے آنکھوں سے لگایا اور یہ تقاضہ ہوا کہ چونکہ یہ ناول ہے اس کا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مخزن میں چھپنا بدمزگی اور بے لطفی پیدا کرتا ہے اسے کتاب کی صورت میں چھپانا چاہئے اس کام کے لئے لاہور اور مولانا غلام رسول صاحب کا اہتمام موزوں تھا مگر آپ ضعیف آدمی ہیں آپ کو تکلیف دینی مناسب نہیں سمجھی گئی اور یہ افضال الہی المورکھا کے چھاپنے کا اہتمام دلی میں کیا گیا ہے عزیز اور دوستوں کی بہت سی درخواستیں اُس کی خریداری کے واسطے فراق صاحب کے پاس آچکی ہیں مگر ضرور ہے کہ ایکبار ہم اس مژدہ کو مخزن میں بھی چھپوا دیں تاکہ فراق صاحب کے لٹریچر کے شیدا اور المورکھا کے شائق آگاہ ہو جائیں اور ایک ایک پوسٹ کارڈ وعدہ خریداری کا ریاست دھرم پور ضلع بلندشہر حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی کے پتہ سے بہت جلد بھیجدیں تاکہ خریداروں کی تعداد کا اندازہ کر کے المورکھا کی اشاعت کی جائے مگر یہ بھی شائقین اور ناظرین مخزن معلوم فرمائیں کہ المورکھا گو دلی میں چھپے یا فراق صاحب کی اور کوئی کتاب کسی شہر و دیار سے نکلے انشاء اللہ العزیز مخزن میں ہمیشہ فراق صاحب کے نظم و نثر شائع ہوتے رہیں گے کیونکہ ؎

قطعہ: بات پڑی ہے سخن گسترانہ بات

مجھے المورکھا پر ریویو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے بس اُسے کان جواہر سمجھنا چاہیئے مضمون حیرت انگیز عبرت خیز ہیں کنواری لڑکیاں پڑھیں تو عصمت اور حیا کی دیوی بن جائیں عبارت کے بدلے لعل اور یاقوت کے دانہ پروئے ہیں اردو سیکھنے والوں اور دلی کی بیگمات کی زبان پر جان دینے والوں کیلئے بے مبالغہ المورکھا ایک ڈکشنری ہے جہاں تک ممکن ہو خریداروں کے خطوط جلد آنے چاہئیں تاکہ چھپائی کے اہتمام میں دیر نہ ہو مولانا فراق کی تحریر جو اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے اُس کا راز یہ ہے کہ علاوہ خیالی مضامین مثل **گیہوں اور تل کی نوک جھوک یا حسن فرنگ اور حسن ہند کی لڑائی یا کالی چوڑیوں** وغیرہ کے جو افسانہ آپ نے لکھے ہیں اُن سب کی اصل ہے جن اور پری کا تذکرہ محض دلچسپی کے لئے ہوتا ہے ورنہ نفس قصہ ضرور صحیح ہوتا ہے مصلحتاً آپ ایک انوکھے پیرایہ میں ادا کر دیتے ہیں آپ مجھ سے اکثر فرمایا کرتے ہیں شعر

این جہاں پنہاں ست اندر ریزو بم
خاشں گر گویم جہاں برہم زنم

میرے مضامین اکثر راز ہوتے ہیں اہل مجاز اُسے جھوٹا افسانہ جانتے ہیں کبھی کبھی مضمون کی اصلیت کھول دیتے ہیں تو سننے والا لوٹ ہو جاتا ہے۔ بہرحال درخواستیں آپ دھرم پور ضلع بلند شہر کے پتہ سے بھیج دیجئے حکیم صاحب جہاں ہونگے اُن کی خدمت میں پہنچ جائیں گی آجکل حکیم صاحب ایک کتاب تصنیف فرما رہے ہیں جس کا نام **ولادت اور شہادت** ہے اگر خدا نے چاہا تو یہ وہ کتاب ہوگی جسے حضرات سُنی اور حضرات شیعہ دونوں فرقے آنکھوں سے لگائینگے کیونکہ اس میں حضور سرور کائنات کا حال ولادت اور سیدنا و مولانا حسنین علیہم السلام کے اسباب شہادت درج ہونگے گر اس انداز سے جس طرح چمن میں

بہار اور خزاں آتی ہے ولادت کا تذکرہ پڑھکر معلوم ہوگا بہار آگئی اور شہادت کے مضامین پڑھکر معلوم ہوگا جنت الفردوس میں خزاں چھاگئی ؎

ادائے خاص سے غالبؔ ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

سب دوست مل کر دعا فرمائیں کہ خدا ایسے مصنف کو دیر تک شاد اور بامراد سلامت رکھے فقط

المشتہر سید ناصر حمید حسینی الواسطی الدہلوی متخلص بہ مغموم (از ریاست صمر لہپر ضلع بلند شہر شاگرد فراق دہلوی)

سید ناصر حمید صاحب نے جو کچھ حضرت فراق صاحب کی شان میں لکھا ہے وہ ہنوز بہت کم ہے۔ اور یہ میری کم نصیبی ہے کہ اس وقت میں الموڑھا ایسی جامع مضامین کو جمع نہیں کرسکا۔ بہرحال میں اس کی اشاعت اور صاحب تصنیف کی حوصلہ افزائی کے واسطے ناظرین مخزن سے بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ بہ مہربانی جلد جلد اپنی درخواستیں جناب میر ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی کی خدمت میں بھیجکر ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق ہوں۔

فقیر غلام رسول منیجر مخزن لاہور

TRAGEDY

ٹراجےڈی

ہوتی نہ یادِ زلف تو خطِ شکستہ میں
لکھتے الف خطوں کی نہ پیشانیوں میں ہم

فراق دہلوی جس خاندان کا وسیلہ پکڑتا ہے اُس کے مورث سید السادات خواجہ سید محمد ناصر حسینی ؒ عندلیب تخلص خواجہ میر درد دہلوی رح کے والد بزرگوار تھے آپ نے فرمایا میرے نام کو خدا نے قبول کر لیا اور مجھ سے وعدہ کیا کہ تیری آل اولاد اور تیرے آستانہ کے غلاموں کے لئے لفظ ناصر میں برکتیں رکھدی گئیں جو اپنے نام کے ساتھ اسے شامل کریگا یا اپنی کتاب یا خط کی پیشانی پر ہو الناصر لکھے گا اُسے وہ برکتیں دی جائیں گی اسی باعث سے ہمارے تمام ناصر نذیر ناصر خلیق ناصر منیر ناصر حمید ہوتے ہیں اور اسی یادگار میں ہم لوگ اپنی کتاب اور رسائل اور خطوط پر ہوالناصر لکھا کرتے ہیں۔ غدر سے پہلے ہمارے گھر کے غلاموں کے نام ناصر علی اور ناصر بخش ہوتے تھے انہیں جناب خواجہ سید محمد ناصر رح نے ایک بہت بڑی ضخیم کتاب نالۂ عندلیب تصنیف فرمائی ہے جو موٹی موٹی دو جلدوں میں ختم ہوئی ہے بظاہر یہ ایک طول طویل قصہ ہے مگر اُس کے اندر شریعت اور طریقت کے ہزاروں مسائل اور نکات حل کر دیئے ہیں قصہ اس قدر عجیب و غریب اور پُر عشق ہیں جنھیں پڑھکر انسان اپنا کلیجہ تھام لیتا ہے نالۂ عندلیب فارسی زبان میں ہے اُس کا ہر صفحہ قرآن اور حدیث

سے لبریز ہے جب تک ظاہری اور باطنی کمالات انسان میں جمع نہ ہوں اُس پر عبور دشوار ہے اسی کتاب میں آپ ارقام فرماتے ہیں سلطان مراد نے اپنے دوست شاہ شجاع سے شکایت کی کہ میرا لڑکا فرخ فال شکار کا عاشق ہوگیا ہے سوائے شکار کے اُس کا کسی طرف دھیان ہی نہیں میں ہر چند سمجھاتا ہوں کہ بیٹا شکار کار بیکاران است تم خدا رکھے بادشاہزادہ ہو تمہیں اپنا وقت برباد نہ کرنا چاہئے اور ملک گیری اور حکمرانی کے آئین یاد کرنے چاہئیں مگر نہیں سنتا اور رات دن جنگلوں میں پھرتا اور شکار کھیلتا ہے سلطان ابھی یہ بات کہہ ہی رہے تھے جو فرخ فال شکار کی وردی پہنے ہاتھ میں بندوق لئے آپہنچا سلطان نے فرمایا یادش بخیر فرخ فال باپ کو اور شاہ شجاع کو آداب بجالایا اور مسند کے آگے مؤدب بیٹھ گیا سردی کا موسم تھا برف کٹ رہی تھی شکار کھیل کر کوسوں سے مارا دھاڑا آ رہا تھا ہاتھ پاؤں اولا ہو رہے تھے سلطان کا اشارہ پاکر ایک غلام نے سونے کی انگیٹھی بادشاہزادہ کے سامنے رکھدی جس میں کوئلہ دہک رہے تھے بادشاہزادہ آگ تاپنے لگا۔

شاہ شجاع نے موقع دیکھکر سلطان سے کہا جب نورالدین جہانگیر بادشاہ ہند کی آنکھیں بند ہوئیں تو اُس کا پیارا بیٹا میرزا خورم شہاب الدین شاہجہان صاحبقران ثانی کے لقب سے تخت پر بیٹھا اُسے فن عمارت میں بڑا دخل تھا وہ تعمیر میں بڑی تراش خراش نکالتا تھا وہ اپنے عہد میں ایک بے بدل مہندس اور ایک بے مانند انجینیر گذرا ہے ایک دن اُس نے آگرہ کی رعایا کیا ہندو کیا مسلمان سب کو دربار میں بلاکر کہا تمہارے شہر کے بازار گلی کوچہ بہت تنگ ہیں جب ہماری سواری نکلتی ہے تو ہاتھی کی عماری کسی چھجہ سے کسی برآمدہ سے بھڑ جاتی ہے اور اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی پتھر کا توڑا یا داسہ ٹوٹ کر ہاتھی پر نہ آ رہے اور ویسے دیکھنے میں بھی بازار کا نقشہ بھدا ہے رستہ کی تنگی کی وجہ سے دس بیس آدمی بھی اکٹھے کھلے نہیں

جل پھر سکتے اسلئے ہمارا منشا ہے کہ بازاروں کی سڑک چوڑی کر دی جائے اور ایک
چاندنی چوک ایسا بنایا جائے جس کی لنبائی دو میل کی ہو اس کام کے اندر جن لوگوں
کے مکان آجاویں گے انہیں سلطنت معاوضہ دیدیگی اور زمین بھی بتادی جاویگی
اگلے مکانوں سے اچھے مکان بنالینا مگر میں تم لوگوں کا دل دکھا کر تمہارے گھر لینا
نہیں چاہتا ہوں اگر تم خوشی خوشی میرا کہا مانو گے تو میں تمہارے شہر کو بنا سنوار دونگا
اور اگر تمہارا دل میلا ہو اور تم اپنے بڑوں کے مکان چھوڑنے نہ چاہو تو میں تم سے
ناخوش نہ ہونگا مگر آگرہ چھوڑکر دلی چلا جاؤں گا اور اُس پرانے شہر کو اپنی خاطر خواہ
از سر نو بساؤں گا رعایا بولی حضور اگر دو دن کی مہلت مل جائے تو ہم سب مشورہ
کر کے جواب عرض کریں مہلت عطا ہوئی تیسرے دن رعایا نے ہاتھ باندھکر شاہجہان
کے حضور میں عرض کی حضور ہم لوگ خوشی سے تو اپنے قدیم مکان چھوڑکر اٹھ نہیں
سکتے حضور اپنی حکومت سے خالی کروانا چاہیں تو غلاموں کو سرتابی کی تاب و طاقت
نہیں۔ بادشاہ نے رعیت کو بیدل پاکر آگرہ چھوڑ دینے اور دلی کے بسانے کی جی
میں ٹھان لی سلیم گڑھ اور پرانی دلی کے بیچ میں نئے شہر کے لئے جگہ تجویز کی اور
آگرہ سے دلی تشریف لاکر سلیم گڑھ اور پرانی دلی کے بیچ میں نئے شہر کے لئے جگہ تجویز
اور جو جو عمارتیں شاہی کارخانوں کے لئے درکار تھیں اُن کے نقشہ میر عمارت کو مجھائے
گئے چند روز میں لال قلعہ اور لال قلعہ کے اندر دیوان عام دیوان خاص عقب حمام
محل ایوان قصر باغ موتی مسجد لال قلعہ کے سامنے چاندنی چوک خاص بازار جامع مسجد
اور نیا شہر بن گیا اور شاہجہان آباد نام رکھا گیا۔

شاہجہان آباد اس خوبی اور اس انداز کیساتھ تیار ہوا جس پر گلستان ارم نے
خار کھایا مگر جلدی میں شہر کی فصیل کچی بنائی گئی جس نے شہر کی شان کو لاج لگا دی
اور شاہجہان آباد کی اندرونی خوبی اور فصیل کے بھدے پن پر مرد اور عورت کے پاؤں

کی شکل حاصل ہو گئی بڑی خرابی یہ تھی کہ اس سرزمین پر جو ہزاروں برس سے آبادی ہوتی چلی آئی ہے یہاں کی مٹی میں شور بہت ہے پانی کی بوند پڑتے ہی بتاسہ کی طرح بیٹھ جاتی ہے اسلئے یہ فصیل بھی ہر سال بنتی اور ہر سال ڈھتے جاتی اسی شہرپناہ کی ڈنڈہ سے ملا ہوا میرزا تہور بیگ کا مکان تھا جب برسات آتی اور شہرپناہ گر پڑتی تو میرزا تہور بیگ کے گھر کی انگنائی اور جنگل ایک ہو جاتا اور درندہ جانوروں اور چوروں کا بڑا خوف رہتا میرزا تہور بیگ ایک خوش حال نوجوان تھا اور اُس کے گھر میں دلربا خانم نام ایسی حسین بیوی تھی جسے دلی کے باشندے ممتاز محل ثانی کہتے تھے وہ شاہجہان آباد کی لاکھوں عورتوں میں ایک ہی خوبرو تھی اگرچہ وہ اینٹ مٹی کی بنی ہوئی کثیف دیواروں کے اندر چھپی چھپائی رہتی تھی مگر اُس کے حسن کی تجلی ان دیواروں کو توڑ پھوڑ کر دلوں کے اندر اس طرح پہنچتی تھیں جس طرح آلہ اکسریز یا رونٹجن صاحب کی شعاعیں رگ پٹھوں سے گزر کر ہڈیوں تک پہنچ جاتی ہیں سینکڑوں بادشاہزادہ امیرزادہ اس فکر میں رہتے تھے کہ اُس کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ روز نئے نئے بھیس میں کٹنیاں آتیں اور دلربا خانم کو ورغلاتیں کوئی کہتی بیگم بھلا کہاں آپ جیسی حور اور کہاں یہ نگوڑا اکھیا سا سڑیل مکان آپ میرا کہنا مان لیں تو سونے روپے کے محلوں میں رہیں لونڈیاں آگے کھڑی رہیں کوئی کہتی اے میری بچی میں واری گئی یہ تیرا نازنین چہرا بے گہنے کے کیا بُرا لگتا ہے تیرے ماتھے کے لئے سچے موتیوں اور ہیرہ کا جھومر چاہئے تیرے کانوں میں یاقوت کی بالیاں اور زمرد کے جھمکے کے بالے اور پکھراج کی نگ جڑی ہوئی چوڑیاں ہوں اور تیرے سراپا کے لئے لاکھوں روپیہ کا زیور درکار ہے اور ایک اشارہ میں آسکتا ہے تو اپنے منہ سے ہاں کر لے گر دلربا خانم بڑی پارسا تھی وہ کٹنیوں کے پھپڑ دلالے سُنکر کہتی بڑی بی اب آئیں تو آئیں پھر کبھی میرے گھر نہ آنا نہیں یاد رکھنا بُری طرح پیش آؤں گی آئے تھے کہیں کے ولیعہد بہادر اور صاحب عالم نگوڑے خدائی خوار تجھے اگر دلی کے بادشاہزادوں کی اپنی رعایا

کے ساتھ بھی بدنیتی ہے تو یہ شان وشکوہ سب خاک میں مل جائیں گے اور بھیک کا ٹھینکرہ ہات میں لیکر کوڑی کوڑی دکان مانگتے پھریں گے بھسٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان آدمی نے آبرو گنوا کر دولت پائی تو کس کام بعض بدچلن بدمعاش خط لکھ کر کسی چھوٹے سے بچے کے ہات دلربا خانم کے پاس بھیج دیتے وہ انہیں چپکے سے پڑھتی اور چولہے میں جلا دیتی اور کہتی صبر حوالہ اُس سے اللہ سمجھے جو پرائی بہو بیٹیوں کو بُری نظر سے دیکھے اپنی دیدہ گھٹنوں کے آگے پائیں گر یہ باتیں تہوربیگ سے نہ کہتی کیونکہ وہ جانتی تھی میاں بڑا غیل ہے اگر اُسے جتاوں گی تو دو چار کا خون کر ڈالے گا اور آپ بھی پھانسی پائے گا میرزا تہور بیگ دلربا خانم پر فریفتہ تھا مگر دلربا خانم بھی میاں پر جی جان سے فدا تھی گھر میں دو دم سے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

کسے را با کسے کارے نباشد

دن رات سے زیادہ عیش ونشاط میں کٹتا اور رات تو خدا نے سچ مچ عیش اور آرام کے ہی لئے بنائی ہے وجعلنا اللیل لباسا وجعلنا النہار معاشا تہور بیگ اور دلربا خانم کئی برس تک ایسے چین اور سکھ میں مشغول رہے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ سورج کب نکلتا ہے اور کب غروب ہوتا ہے مگر آسمان پیر کو عیش اور آرام سے بیر ہے وہ کسی کی راحت اور چین کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا ہے دلربا خانم اور میرزا تہور بیگ کی یکجائی دیکھکر اُس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اُس نے تفرقہ کے ڈھنگ ڈال دیئے تہور بیگ امیرزادہ نہ تھا دوسرے بیٹھے بیٹھے کنوئیں خالی ہو جاتے ہیں اُس کا ہات ایسا تنگ ہوا کہ تانبہ کے برتن تک گھر کے بک گئے مکان کا ایک ٹھینکرہ باقی تھا اور وہ بھی تہور بیگ کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا مگر دلربا خانم نے بیچنے نہ دیا اور اُسے یہ سمجھایا کہ اول تو نیا شہر بسا ہے اٹھاروں زمین خالی پڑی

ہے اس کا سول کوئی کیا دیگا اور اگر اونے پونے بک گیا تو اس سے کے فاقہ کٹیں گے اپنا مکان ہے تو ننگے بھوکے پڑے تو رہتے ہیں کوئی ٹوکنے والا نہیں ہے مکان دیدیا تو پھر در بدر خاک بسر پھرنا پڑے گا۔

میرزا تہور بیگ - پھر کیا کرنا چاہئے۔

دلربا خانم - نوکری کرو۔

تہور بیگ - دلی میں تو نوکری ملتی نہیں باہر جاؤں تو شاید مل جائے۔

دلربا خانم - باہر چلے جاؤ خدا نے مردوں کو اسی لئے بنایا ہے کہ گھر سے نکل کر چلیں پھریں کمائیں کمائیں۔ ایسی حسین بیوی کو چھوڑ کر جانا تہور بیگ کو بڑا شاق تھا مگر مرتا کیا نہ کرتا اس نے چھاتی پر سل رکھ لی اور دلی سے نکل کر بنگالہ کی سیدھ باندھی کیونکہ وہاں کے صوبہ کی سرکار میں اس کا ایک دوست بڑے عہدہ پر تھا دلربا خانم نے بھیجنے کو تو تہور بیگ کو بھیج دیا مگر اس کی جدائی کے صدمہ نے دو ہی دن میں اسے کنوئیں جھکا دیئے وہ بےچین ہوگئی اس نے رو رو کر ڈھیر کیا کھانا پینا اسے برا معلوم ہوتا تھا وہ اٹواٹی کھٹواٹی لیکر پڑ گئی اس موقع پر کوئی اس کی بہن یا سہیلی ہوتی تو اس کا دل بہلاتی مگر وہ غریب اور بیکس اپنے گھر میں آپ ہی لونڈی آپ ہی بیوی تھی جب تابڑ توڑ اس نے چار پانچ فاقہ کر لئے اور آنکھوں میں دم آگیا تو ناچار وہ اٹھی اور دو چار لقمہ اس نے کھا کر پانی پیا اور ذرا ہوش ٹھکانہ ہوئے تو جالی کی آستینیں کاڑھنے بیٹھی کسی زمانہ میں آڈہ پر جالی کی آستینیں دلی کی غریب عورتیں بنا کرتی تھیں اور محرم میں لگا کر بڑی بڑی امیرزادیاں پہنا کرتی تھیں یہ آستینیں جہیز میں بھی دی جاتی تھیں۔

دلربا خانم کبھی ہمسائی کی معرفت کچھ سلائی منگا کر سی لیتی اور جس طرح بن پڑتا اپنا پیٹ پالتی اور خدا کا شکر بجا لاتی ہر بیاہی ہوئی مستورات کو زور پکڑا کرتی ہے مگر

غم اور رنج رات کو آدمی کا بُری طرح خون پیتے ہیں جب دلربا خانم چراغ گُل کر کے پلنگ پر لیٹتی تو اُسے میاں کا دھیان بندھتا اور اُس کا پیار اخلاص اور ہنسنا بولنا یاد آتا اور وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگتی اور تڑپ تڑپ کر رات کاٹ دیتی جب اُس سے رنج و غم نہ جھیلا جاتا تو وہ کچھ گنگنا کر کچھ گیت کچھ شعر گا کر اپنے دل کو بہلاتی وہ نہایت خوش گلو خوش آواز تھی اور قدرت الٰہی نے اُس کے گلے میں ہزاروں راگ بھر دیئے تھے وہ جتنی سریلی تھی اُس سے زیادہ لے کار تھی اور انگھڑے انگھڑ راگ راگنیاں پٹ بیجری تن کی لوریا رات کی لوریا کا نہرے سب قسم کے جدا جدا اس طرح ادا کر دیتی کہ اُن کا روپ سروپ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ گرمی گئی برسات آئی کچی فصیل گر پڑی اور دلربا خانم کا مکان اور جنگل ایک ہو گیا ایک رات کو پروا ہوا زور سے چل رہی تھی گھٹا چھائی ہوئی تھی گھپ اندھیرا ہو رہا ہے دلربا خانم کھپریل کے سائبان میں پلنگ پر پڑی ہوئی کروٹیں بدل رہی تھی جب اُس کا دم بہت گھٹا تو وہ اپنے پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گئی اور اُس نے گونڈ لار کا ترانہ شروع کیا۔ اُسکی پاٹ دار آواز رات کے سناٹے میں خدا جانے کہاں تک گئی اُس نے اس شعر کو بار بار کہا ؎

بمن چشمک زن بطرفِ کہساراں میرسد
ساقیا سامان ساغر کن کہ باراں میرسد

کبھی گاتے گاتے تھم جاتی اور آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہتی اے ساون کی جھڑی تجھے قسم ہے تو دل کھول کر برس لے مگر تو میری آنکھوں کی بہن سے جیت نہ سکیگی ایک بار اُس نے گاتے گاتے بجلی کی روشنی میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن جس کے لنبے لنبے دو سینگ ہیں ٹوٹی ہوئی دیوار کے پشتہ پر کھڑا ہے دلربا خانم سوچنے لگی کہ یہ ہرن اس وقت کہاں سے آیا کیوں آیا جو اُس کی عقل نے کہا جب مینہ بہت

برسات تو جنگلی جانور گھبرا جاتے ہیں اور پناہ کے لئے خشک جگہ ڈھونڈا کرتے ہیں
یہ ہرن بھی موسلادھار مینہ سے بولا کر جنگل چھوڑ کر بھاگا ہے اور دیوار کی پشتہ کو ٹیلا
سمجھ کر آ کھڑا ہوا ہے وہ پھر گانے لگی اور اس نے بجلی کی چمک میں دیکھا کہ ہرن پشتہ
سے اُتر کر انگنائی میں آ گیا اور وہ گاتے گاتے تھم گئی اس نے دیکھا ہرن انگنائی
سے پشتہ کی طرف چلا جب وہ پشتہ تک پہنچ گیا تو دلربا خانم نے پھر گانا شروع
کیا اور ہرن پھر پلٹ کر انگنائی میں آ گیا۔ دلربا خانم پھر چپ ہو گئی اور ہرن پشتہ
تک پھر چلا گیا دلربا خانم نے پھر ترانہ شروع کیا اور ہرن پہلی طرح پھر انگنائی میں
آ کھڑا ہو گیا دلربا خانم نے خیال کیا۔ کیا ہرن کو گانا پسند ہے جو دوڑ دوڑ کر آتا ہے
پھر اس بات کو آزمانا چاہئے وہ دس بیس دفعہ گائی اور تھمی اور ہرن ہر بار گیا اور
آیا اب اُسے یقین ہو گیا کہ ہرن گانے پر فریفتہ ہے سننے والے سے زیادہ گانیوالے
کو مزہ آتا ہے اور جدائی کے عالم میں تو گانا عاشقوں کے لئے مفرح اعظم سے بھی
زیادہ تسلین دیتا ہے اسلئے دلربا خانم نے گاتے گاتے صبح کر دی اور ہرن انگنائی
میں چپ چاپ کھڑا رہا جب موذن نے کہا اللہ اکبر تو دلربا خانم خاموش ہوئی
اور ہرن چھلانگ مار کر دیوار کے پشتہ سے اُدھر غایب ہو گیا دلربا خانم دن بھر
محنت مزدوری میں لگی رہی اور رات کو کھانا کھا کر اور نماز وظیفہ سے فارغ ہو کر
اپنے بچھونے پر بیٹھی لیٹتے ہی نہور بیگ کے تصور نے اُس کے کلیجہ میں چٹکیاں
لینی شروع کیں وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی پہلے تو وہ ہائے ہائے کرتی رہی اور جب
اس نے دیکھا کہ دل کی دھڑکن بہت ستا رہی ہے تو اُس نے رات کی ایک
دلگداز راگنی الاپی اور یوں ہی جو اُس کی نظر انگنائی میں گئی تو اُس نے چراغ
کی روشنی میں دیکھا کل والا ہرن کھڑا ہے اور گانے کو بڑی غور سے کان لگائے
سن رہا ہے بدنصیب دلربا خانم بہت ہی کم سن اور بھولی بھالی تھی ہرن کو

گانے کا مشتاق دیکھکر وہ حیران ہوگئی اور آج کل سے زیادہ دل کھول کر گائی پہاڑ سی رات تھی ہاتی بھی کھڑے کھڑے تھک جاتے ہیں اور آرام کے لئے بیٹھ جاتے ہیں خدا جانے گانا سنتے سنتے ہرن پر محویت طاری ہوئی یا کھڑے کھڑے ہرن لڑکھڑا گیا اسلئے وہ دھم سے زمین پر آرہا مگر اُس نے گرکر ہاتھ پاؤں اصلا نہ مارے اور چپکا پڑا رہا دلربا خانم راگ کے اثر میں خود متوالی ہو رہی تھی صبح تک لہرا لہرا کر گائی اور ہرن پڑا پڑا سنتا رہا جب لیلیٰ شب اپنا کالا برقع اوڑھ کر غائب ہوگئی اور صبح کی ملکہ نے نور کا تاج سر پر دھر کر تجلی کا لباس پہنکر شرقستان کے کمرہ سے منہ نکالا تو دلربا خانم نماز کے لئے اٹھی اور ہرن بہت آہستگی کیساتھ اٹھکر جس رستے سے آیا تھا جنگل کو چلا گیا دلربا خانم دن میں اپنا معمولی کام کاج کرتی رہی مگر ہرن کا خیال اُس کے دل میں کھٹکتا رہا وہ سوچتی تھی یہ ہرن کیسا ہے کیوں آتا ہے جانوروں کو بھی اچھی آواز مرغوب ہے اسی فکر میں رات آئی اور یہ سب ضرورتوں سے فارغ ہوکر اپنی پلنگ پر تکیہ سرہانے دھر کر لیٹ گئی اور اپنے دل سے کہنے لگی کہ آج پھر مجھے گانا چاہئے اور آزمانا چاہئے کہ سچ مچ ہرن کو میری آواز پسند ہے اور وہ آتا ہے یا نہیں آتا ہے اُس نے ویس ملار شروع کیا اور شاید دو تین پلٹے اور دو تین تانیں وہ لینے پائی ہوگی جو ہرن آموجود ہوا آج اُس کی وحشت کم تھی اُس نے کھپریل کی دہلیز میں اپنا سر اس طرح رکھدیا جس طرح کوئی غلام اپنے آقا کی قدم بوسی کرتا ہے یا کوئی بندہ معبود کو سجدہ کرتا ہے۔ دلربا خانم صبح تک گائی اور ہرن بیٹھا سنتا رہا جب دلربا خانم نماز کیلئے اُٹھنے لگی تو ہرن اُس سے پہلے اُٹھا اور ایک چمکدار چیز اپنے منہ سے نکال کر اور دہلیز پر ڈال کر وہ پشتہ کی طرف بھاگا دلربا خانم نے اُس چمکدار چیز کو اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا ۵ تولہ سونے کا ڈلا ہے دلربا خانم سونے کا ڈلا دیکھ کر ششدر ہوگئی اور

اس نے وہ ڈلا ہرن کی طرف پھینک کر کہا اے جنگل کے وحشی ہرن اپنی چیز تو اُٹھا کر لے جا دلربا خانم کوئی ڈومنی یا قوال کی جنی نہیں ہے جو گانے کی مزدوری تجھ سے لے ہرن اس بات کو سُنکر ٹھٹک گیا اُس کی زبان نہ تھی جو دلربا خانم کی بات کا جواب دیتا مگر اُس نے ایک ایسی نظر سے اُس کی طرف دیکھا جس سے کچھ معذرت کچھ عاجزی کچھ خوشامد ظاہر ہوتی تھی اور وہ طرارہ بھر کر چل دیا سونے کا ڈلا انگنائی میں پڑا رہا اور دلربا خانم نماز پڑھ کر بچھونے پر لیٹ گئی۔ کیونکہ وہ رات بھر جاگی تھی اور گانے کی محنت سے اُس کا سر چکرا رہا تھا لیٹنا اور اُس کا سو جانا اور سوتے ہی اُس کی رُوح کا عالم مثال کی سیر کرنا۔

غیبی آواز۔ (خواب میں) اے دلربا خانم وہ سونے کا ڈلا تو کیوں نہیں اُٹھا لیتی کیسا ہرن اور کیسا جادو خدا کی قدرت نت نئے شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے اور مخلوق کو رزق پہنچاتی ہے تو اپنے شوہر کے ساتھ جو عشق رکھتی ہے یہ اُس کا معاوضہ خدا کی درگاہ سے تجھے دیا جاتا ہے ہرن کے دل میں ہم نے ہی سوز پیدا کر دیا ہے کہ وہ تیری آواز سُنے اور تجھے سونے کا ڈلا پہنچا جایا کرے ھوالذی ایدک نبصرہ وبالمومنین والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم۔

اس خواب نے دلربا خانم کا وہم کچھ دور کر دیا مگر اُس کے جی میں ایک خوف پیدا ہو گیا اُس نے سوچا کہ ایسا نہ ہو میں سونے کو ہاتھ نہ لگاؤں تو خدا کو بُری لگے اور کوئی آفت مجھ پر ٹوٹے اسلئے اُس نے ہمسائی کے میاں کی معرفت سونا بازار میں بکوا کر روپیہ منگوا لیا اور ایک ہی دن میں اُس کے گھر کے اندر کچھ سے کچھ رونق ہو گئی۔ ہرن چوتھی شب کو پھر آیا۔ اور دلربا خانم نے اُسے گانا سُنایا اور ۵ تولہ سونے کا ڈلا ڈال کر چلتا ہوا بیجا طول بدمزہ ہوتا ہے ہرن کو آ کر گانا سُننے اور

ہ اتو نہ سونے کا ٹولا ڈال کر جاتے ہوئے چھ مہینہ گزر گئے دلربا خانم نے مکان از سر نو بہت امیرانہ بنوالیا مگر ہرن کے آنے کے لئے ایک کھڑکی رہنے دی جب مکان بن چکا تو اپنا زیور اور کپڑا لتہ درست کیا اور اچھی خاصی بیگم بن گئی ڈیوڑھی پر ایک پھونس جیسے بڈھے کو دربان بنا کر رکھا اور چار نوکریں اپنی خدمت کے لئے رکھیں مگر رات کے دس بجے ماما اور نوکروں کو رخصت کر دیتی اور گھر میں اکیلی رہتی تاکہ ہرن کے آنیکا بھید کسی پر نہ کھلے۔ ہرن کے دل میں دلربا خانم کی آواز تیر بن کر کھب گئی تھی اور اسے دلربا خانم کی صورت کیساتھ بھی ایک طرح کا انس ہو گیا تھا کیونکہ وہ رات بھر اس کی پٹی کے نیچے اس کی جوتیوں پر سر دھرے پڑا رہتا تھا اگر وہ کسی وقت پلنگ سے پاؤں اتارتی تو وہ اس کے تلوے چاٹنے لگتا وہ پنکھے کی ڈنڈی سے مارتی اور جھلا کر کہتی غارتی کیوں ستاتا ہے پرے سرک جا مگر وہ دیوانہ ہرن مار کھا کر بھی اسکے قدموں سے الگ نہ ہوتا یہ کرشمہ دیکھکر دلربا خانم کو بھی ہرن کے ساتھ محبت ہو گئی گانے لگا۔ تو وہ کبھی کبھی اس کی پیٹھ پر ہات پھیرتی کبھی پیار سے اس کے منہ پر ہلکے ہات سے تھپیڑا دیتی کبھی ہرن کو آنے میں دیر ہو جاتی تو وہ بیقرار ہو جاتی اور انگنائی میں پھیرے کرتی اور اپنے دل سے کہتی کہیں میرے ہرن کو کسی نے شکار تو نہیں کر لیا وہ آ جاتا تو اس کا کان پکڑ کر کہتی کیوں رے نابکار تو کہاں رہ گیا تھا تجھے یہ خیال نہیں آ کسی کا پیارا ہے ہرن یہ باتیں سنکر جواب تو کچھ نہ دے سکتا مگر اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہرن کو روتا دیکھکر دلربا خانم کہتی کمبخت رو نہیں میرا دل آپ غم زدہ ہے تجھے روتا دیکھکر میرا جی بھر آتا ہے اسی طرح برس دن ہو گیا اور وحشی ہرن کے ہر رگ و ریشہ میں دلربا خانم کی محبت خون کی طرح دوڑ گئی اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور وہ سوکھ کر بہت دبلا ہو گیا وہ اپنے ہمجنس ہرنوں کے جھنڈ سے الگ ہو گیا۔ ایک کیکر کے پیڑ کے نیچے آنکھیں بند کرکے بے دانہ چارہ کے کھڑا رہتا

جب اُس کے بھائی بند ہرن کوس کے دھاوے مار کر اور چوچک کر اپنے ٹھکانہ کو پہنچتے تو دیکھتے وہ نخچیرِ عشق کا زخمی ہرن چپ چاپ اُداس کھڑا ہوا ہے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں اُس جھلر میں ایک بڑا پرانا ہرن تھا وہ بیمار ہرن کا تباہ حال دیکھکر کہنے لگا۔ میرے پیارے بھائی تیرا جی کیسا ہے تجھے کیا بیماری لگ گئی ہے۔

بیمار ہرن۔ مجھے عشق کی بیماری ہوگئی ہے۔

پرانا ہرن۔ عشق کی بیماری کا نام تو ہم نے اپنے بڑوں سے بھی نہیں سُنا یہ کیا بیماری ہے۔

بیمار ہرن۔ اے میرے بھائی عشق عشقہ سے مشتق ہے عشقہ ایک بیل دار بوٹی کا نام ہے جسے عرب لبلاب اور عجم عشق پیچاں کہتے ہیں عشقہ کی بوٹی جب کسی قوی ہیکل درخت کی جڑ میں پیدا ہو جاتی ہے تو بہت جلدی اُس کے تنہ پر ہو کر اُس کی ٹہنیوں تک پہنچ جاتی ہے اور پھر ایسی پھیلتی ہے ایسی چھا جاتی ہے کہ نیچے سے لگا کر پھننگ تک پتہ پتہ پر قبضہ کر لیتی ہے اور اُس زبردست درخت کی ساری سرسبزی و شادابی کو چوس کر اُسے بالکل خشک کر دیتی ہے اور وہ تناور پیڑ سوکھ کر اور جلکر گر پڑتا ہے اسی طرح جب کسی جاندار کو عشق کا سودا ہو جاتا ہے تو وہ بھی سوکھ کر بجھ بجھ کر تمام ہو جاتا ہے یونانی حکماء نے عشق کو مالیخولیا کی قسموں میں شمار کیا ہے اور وصلِ دلدار اُس کا چارہ لکھا ہے۔ وصلِ دلدار کا لفظ بیمار ہرن کے منہ سے نکلا تھا کہ اُس کا حال بگڑ گیا اس نے زور سے ایک نعرہ مارا اور خاک پر لوٹنے لگا اُسے تڑپتا دیکھ کر ہرنوں کا سارا جھلر اُس کی چاروں طرف اکٹھا ہو گیا اور اُسے بے چھری کے بسمل دیکھ کر سب ہرن رونے پیٹنے لگے جب اُس کے دل کی دھڑکن اور سوزش کم ہوکر [illegible] اور کہنے لگا ابھی عشق کی بحث ناتمام ہے سنو دوستو یونانی حکیموں

نے تو اُسے مالیخولیا میں شمار کیا ہے مگر اہل اللہ نے اُس کی تعریف کی ہے العشق
هوالله یعنی عشق ایک اللہ کا پاک نام ہے جس پر اس نام مبارک کا پرتو
پڑجاتا ہے وہ کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے اور مقصود اصلی کو پہنچ جاتا ہے جبھی تو مولانا روم
فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما

عشق نے یوسف کو عزیز مصر بنایا عشق نے یعقوب سے یوسف کو سجدہ کروایا عشق
نے زلیخا کو مراد تک پہنچایا اور مصر کی ملکہ بنایا عشق نے حسنینؑ کو محمدؐ کے کندھے پر چڑھایا
عشق نے بہتر۷۲ تن کو خاک کربلا میں ملایا صلو علیہ و آلہ صلو علیہ و آلہ۔

پرہین ہرن ۔ اے بیمار عشق تو نے یہ عجائبات کہاں سے سیکھے یہ معرفت کا باب
تجھ پر کس طرح کھلا۔

بیمار ہرن ۔ یہ سب اُس محبوب کی صحبت کی برکت ہے جس پر میرا دل آگیا ہے۔

پرہین ہرن ۔ تیرا دل کس پر آیا ہے وہ کون ہے۔

بیمار ہرن ۔ شعر فراق۔

آئی ہے طبیعت مری اُس ماہ جبیں پہ
خورشید نے جس کا کبھی ماں نہیں دیکھا

شعر کیا تھا گویا مارٹینی رائفل کی گولی تھی جو ہرنوں کے دل پر لگی دس پانچ ہرن شعر سُن کر
لوٹ پوٹ ہوگئے تو دس بیس نے چوکڑی بھری اور زمین پر گر کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے
لگے ہرنوں کے جوش و خروش اور ہوحق سے تمام جنگل میں ہل چل مچ گئی اور اُس علاقہ

کے سارے وحشی کیا چرند کیا پرند اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے اے ہرنوں خیر تو ہے تم سب کسی کھیت میں جا کر متوالی کو دوں تو نہیں کھا آئے جو جامہ سے باہر ہوئے جاتے ہو اور مستوں کی طرح بے خود ہو رہے ہو۔

پر مین ہرن - نہ ہم نے متوالی کو دوں کھائی نہ ورق انشاط کی بوٹی چری ہمارا یہ بھائی کسی پردہ نشین تک پہنچ گیا ہے اور اُس کی صحبت سے اس کا بہرا کھل گیا ہے ایسی مزے مزے کی باتیں کرتا ہے جسے سُن کر ہم بیتاب ہو جاتے ہیں اور نعرہ لگاتے ہیں۔

وحشی - بیار ہرن کی طرف مخاطب ہو کر پردہ نشین کا لفظ بڑا پیارا ہے دل مشتاق ہو گیا کہ ایک جھلک اُس کی ہم بھی دیکھیں اے مریض عشق بتا پردہ نشین کون ہے۔

بیمار ہرن - وہ انسان ہے۔

وحشی - انسان جسے آدمی کہتے ہیں۔

بیمار ہرن - جی ہاں انسان کہو یا آدمی کہو ایک ہی بات ہے۔

وحشی - انسان تو کوئی انوکھی چیز نہیں ہے ہم روز جنگل میں ہزاروں انسان چلتے پھرتے دیکھتے ہیں جیسے ہم جاندار ہیں ویسے ہی انسان بھی ایک اللہ کی جاندار مخلوق ہے۔

بیمار ہرن - انسان کو اپنے اوپر تم ہرگز قیاس نہ کرو ہماری تمہاری اور حشرات الارض کی پیدائش زمین کے نباتات اور انسانوں کی جو ٹھاسند سے ہے اور انسان کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی صورت پر بنایا مخبر صادق فرماتے ہیں ان اللہ خلق آدم علی صورتہ یہی تو راز ہے جو آدم کو سب فرشتوں نے سجدہ کیا اور سمجھ دار عاشق اب بھی محبوب کو بے دھڑک سجدہ کرتے رہتے ہیں اور کم فہم لوگوں کی

کو اس اس کان سنتے ہیں اور اُس کان اُڑا دیتے ہیں اور وہ انسان جو ہم تم روز جنگل میں دیکھتے ہیں وہ ناقص انسان ہیں انسانی خوبیوں کا حصہ اُنہیں نہیں ملا اسیواسطے انکی نسبت قرآن میں آیا ہے۔ اولئک کالانعام بل ھم اضل یعنی اس قسم کے انسان چارپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی بہت بُرے اور فراق کے نزدیک وہ آدمی بھی وحشیوں کے سردار ہیں جو مضامین کی تہ کو نہیں پہنچتے اور افسانہ نگاری کو مذہبی عقاید جانتے ہیں ؎

بنطق آدمی بہترست از دواب
دواب از تو بہ گر نگوئی صواب

(باقی دارد)

حررہ فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی از دہلی محلہ رودگراں
مدرسہ راد تمند خان مکان میر ظریف مرحوم

ضوابط مخزن

۱۔ بخلاف ماضی پرچہ ہر مہینہ کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔
۲۔ قیمت سالہ۔ قسم اول مع محصول ۵ ۔ قسم دوم مع محصول ۴ قیمت سالانہ انگلستان و ولایت ہ شلنگ یک پرچہ ۶ر
قیمت فی پرچہ قسم اول ۵ر۔ قسم دوئم ۴ر۔ نمونہ ۴ر۔ بلا ٹکٹ یا بلا اجازت وی پی برائے نمونہ ارد ر پہنچا تو تعمیل نہو گی۔ جواب کیواسطے ٹکٹ ساتھ لکھیں

ناظرین بمہربانی اشاعت کا حق ادا فرمادیں ۔ نیازمند مینجر

اُردو زبان اور اس کی شاعری

ہماری اردو زبان، برج بھاشا سے نکلی ہے۔ برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے۔ جس کی عمر آٹھ سو برس سے زیادہ نہیں۔ چونکہ اردو زبان میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، انگریزی وغیرہ کے الفاظ بھی شامل ہیں، اسلئے اسکو ریختہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مختلف زبانوں نے اسے ریختہ کیا ہے۔

زبان اردو کی تصنیفات پر نگاہ ڈالیں تو نثر سے پہلے نظم نظر آئیگی۔ نثر اردو کی تصنیف ۱۷۹۸ء سے پیشتر نظر نہیں آتی۔ البتہ نظم کا پتہ زبانی حکایتوں، اور روایتوں سے ملتا ہے۔ لیکن وہ صدہا سال تک دوہروں تک ہی محدود رہی۔

سب سے پہلے نظم اردو میں صاحب دیوان ہونے کا فخر "ولی" کو ہے۔ جو احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے، ان کا دیوان ہندوستان میں طبع ہونے کے علاوہ لنڈن، اور پیرس، میں بھی چھپ چکا ہے۔ اس میں اکثر ایسے الفاظ ہیں۔ جو فی زماننا متروک ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک غزل کے اس شعر سے ظاہر ہے۔

عجب نہیں گر گلاں دوڑیں کپڑ کر صورت قمری
ادا سیوں جب چمن بھیتر وہ سرو سرفراز آوے

بہرحال اردو کے موجد یہی ہیں۔

لیکن جب انشا کا زمانہ آیا تو انھوں نے اردو شاعری میں جان ڈالدی قلمروئے سخن میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ وہ وہ پھڑک دار اور مزیدار محاورے اور طرزیں ایجاد کیں جو نظم اردو کے لئے مایۂ ناز ہیں۔ بقول صاحب تذکرہ آبحیات

"فن انشا کی قلمرو میں سید انشا بادشاہ علی الاطلاق تھے، اور اس اعتبار سے انہیں اردو کا امیر خسرو کہیں تو بجا ہے"۔

ان کا کلام اکثر ظرافت اور تمسخر سے مملو ہے۔

ایک روز نواب سعادت علی خان (جن کے دربار میں انشا نوکر تھے) چاندنی میں کوٹھے پر بیٹھے دارچھپر کھٹ میں بیٹھے پھولوں کے گجرے کو اچھال رہے تھے انشا بلائے گئے تھے، حاضر ہوئے۔ نواب نے کہا" انشا! کوئی شعر پڑھو" آپ نے فوراً یہ شعر موزون کیا ؎

لگا چھپر کھٹ میں چار پٹے اچھالا تو نے جو لیکے گجرا
تو موج دریائے چاندنی میں وہ ایسا چلتا تھا جیسے بجرا

ان کے بہت سے اشعار ضرب المثل، اور زبان زد خاص وعام ہو چکے ہیں۔

ایک جگہ کہتے ہیں ؎

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ایک مدحیہ قصیدے کے مقطع میں فرماتے ہیں ؎

شیخ سعدیِ وقت ہے انشا
تو ابو بکر سعد زنگی ہے

آپ کی طبیعت میں شاعری کا مادہ فطرتاً ودیعت کیا گیا تھا۔ اکثر غزلیں ایسے قافیوں میں لکھی ہیں جس کو کھپانا دشوار ہے۔

زمانہ ایک بہت بڑا مصلح ہے۔ جوں جوں دن گذرتے گئے اردو شاعری میں قابل قدر اضافہ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ ذوق کا زمانہ آپہنچا۔ آپ نے اردو شاعری کو نیا لباس پہنایا انیس برس کی عمر میں خاقانی ہند کا لقب پایا۔

آپ خاص بادشاہی شاعر تھے۔ اور بادشاہ کے کلام کی اصلاح کیا کرتے تھے۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ ـــــ

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابرِ سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی فیل مست بے زنجیر ـــــ

آجکل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دلّی کی گلیاں چھوڑ کر

شراب کی مذمت یوں کی ہے ـــــ

اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

استاد ذوق کا ہم پلہ سوائے مرزا غالب کے اور کوئی نہیں۔ مرزا صاحب کو اصلی شوق فارسی کی نظم و نثر سے تھا۔ آپ کو فارسی میں وہ کمال دستگاہ تھی کہ آپکا دیوان فارسی پڑھ لینے کے بعد غالباً کوئی آپ کو ہندی نژاد نہ کہے گا۔

اصنافِ سخن پر آپ کو پوری قدرت تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ جس صفائی اور خوش اسلوبی سے آپ نے فارسی ترکیبوں اور بندشوں کو باندھا ہے وہ قابلِ تحسین و آفرین ہے مگر زبان کی نفاست پر قلم توڑ دیئے ہیں۔

تخیل اعلیٰ پایہ کا تھا۔ فارسی محاوروں کو اس ترکیب سے باندھا ہے کہ بالکل اردو ہی معلوم ہوتے ہیں۔

آپ کی تصانیف میں سے "اردوئے معلیٰ" اور اردو دیوان ادب اردو میں ایک بیش قیمت اضافہ ہیں۔ اردو ہمیشہ آپ کی ممنون احسان رہے گی۔ ممکن نہیں کہ مادرگیتی اردو کے لئے اب ایسا شاعر پیدا کر سکے۔

آپ کا اردو دیوان جب تک کہ شرح نہ دیکھی جائے عقدہ لاینحل ہے چنانچہ

حمد باری تعالیٰ میں ایک غزل لکھی ہے جس کا نمونہ حسب ذیل ہے ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ؎

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

اپنے کلام کی نسبت ایک رباعی میں فرماتے ہیں ؎

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ایک خیال جس کو انگلستان کا ملک الشعراء شکسپیئر چار سو برس پیشتر بیان کر گیا ہے میرزا غالب اس کو یوں ادا کرتے ہیں۔ ؎

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

مرزا کے خصوصیات کلام سے یہ بات عجیب ہے کہ جب کبھی وہ فارسی ترکیبوں سے گذر کر سہل ممتنع پر آجاتے ہیں تو سادگی اور روانی کا دریا بہا دیتے ہیں۔ مثلاً ؎

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

دیگر۔ ؎

قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو
کاشکے تم مرے لئے ہوتے ؎
جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

ان اشعار کی خوبی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان میں اکثر مقبول انام ہو کر ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں!

بھائیو! ہمارے اردو نے کیا ترقی نہیں کی؟ گرٹائیں ٹائیں فش!

عرب کا مقولہ ہے "دُرْ مَعَ الدَّھْرِ کَیْفَ دَارَ" جس طرف زمانہ رُخ بدلے تم اسی طرف رُخ بدل دو۔"

تمام اردو شعرا کے ضخیم دواوین کھول کر مطالعہ کریں کوئی نظم ایسی نہ نکلیگی جو مناظر قدرت، یا انسانی خیالات، وجذبات پر لکھی گئی ہو۔ عشق کا میدان، اور آل عبا کا سبزہ زار ان کا جولانگاہ رہا ہے، وہی عنصر جس پہ ہمارے شعرائے متقدمین خامہ فرسائی کرتے آئے ہیں اب بھی بدستور جاری ہے۔ اگرچہ ہمارے بہت سے بھائیوں نے اپنے طریقے کو بدل دیا ہے تاہم وہ ابھی مکمل نہیں۔

اب ہم اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں اگر ہمارے شعرا اپنی رفتار کو بدل دیں اور موجودہ طرز اختیار کرلیں تو یقیناً ہمارا لٹریچر وسیع اور گنجان

ہو جاویگا! ع

از خدا جوئیم توفیقِ ادب

راقم - قاضی احمد غفرلہ الصمد - جوناگڈھ

مصر کے آثارِ قدیمہ

وادیٔ نیل کا وہ پرعظمت اور تاریخی خطہ جو ملک مصر کے نام سے شہرت تامہ رکھتا ہے ایک زمانہ میں دنیا کی عقل و ادراک کا مرکز تھا۔ اور اب سے چھ ہزار سال پیشتر جبکہ دنیا ترحش وجہالت کی تاریکی میں مبتلا تھی صرف یہی ملک تھا جہاں آفتاب تہذیب و تمدن اپنی پرنور شعاعوں سے تمام باشندگان ملک کو مستنیر کر رہا تھا۔ اس چھ ہزار سال کے عرصہ میں بڑے بڑے شہر تعمیر کیے گئے۔ مگر ملکی جنگوں اور انقلابات حکومت نے تباہ و برباد کر ڈالا اور اب صفحات تاریخ میں صرف ان کا نام ہی نام نظر آتا ہے۔ مگر مصر باوجود اپنی قدامت اور ملکی تغیرات اور انقلابات حکومت اب بھی دنیا کا ایک دلکش اور دلچسپ نزہت گاہ ہے اور اُن اشخاص کے لئے جو فنون لطیفہ کی باریکیوں اور لطافتوں کی تحقیقات میں مصروف ہیں کافی ذخیرۂ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔

اپنے زمانۂ عروج میں اہل مصر رفاہِ عام کے کاموں سے بہت دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ اہرام مینار۔ منادر یہ سب اسی زمانہ میں تعمیر کئے گئے تھے جن کے آثار کچھ تو ویران کھنڈرات کی صورت میں اور کچھ اپنی اصلی حالت میں ابتک نظر آرہے ہیں۔ اور موجودہ اقوام کو اُن مختلف حکومتوں کی دولت اور وقعت کا پتہ دے رہی ہے جنکے زیرِ حکومت کہ وہ تعمیر کئے گئے ہیں۔

ان تعمیرات کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ یقین ہے کہ قارئین کرام کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔

اہرام مصری | قاہرہ سے جو مصر کا صدر مقام ہے تھوڑے فاصلہ پر وہ مشہور عمارات

ہیں جن کو اہرام کہتے ہیں۔ ان کا تناسب ایسا رکھا گیا ہے کہ دور سے جب کسی سیاح کی ان پر نظر پڑتی ہے تو ان کی چوٹیاں ابر تک پہنچی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اہرام کی تعمیر کے لئے بڑے بڑے اور لمبے پتھر استعمال کئے گئے ہیں بعض پتھر تو اتنی عظیم جسامت رکھتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے یہ پتھر اتنی بلندی پر کس طرح قائم کئے گئے ہیں ایک سوال ہے جس کا جواب دینا ہمارے امکان سے باہر ہے۔ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ صرف ایک ہرم کی تعمیر کے لئے ہزاروں آدمیوں نے بیس سال تک کام کیا ہوگا تحقیق و تلاش سے ابتک کل ۶۷ اہرام دریافت کئے گئے ہیں جنمیں سے سب سے بڑا ہرم ۴۶۱ فیٹ بلند اور ۷۴۶ فیٹ لمبا ہے۔ اس کا رقبہ ۱۲ ایکڑ سے زیادہ ہے۔ اہرام درحقیقت قدیم شاہان مصر اور اُن کے خاندان کے مقبرے ہیں اہرام کے اندرونی حصوں میں بہت سے کمرے ان کے جنازے رکھنے کیلئے بنائے گئے ہیں۔ اور ایک ہرم میں بڑے رقبے کے ۳۷۰۰ کمرے ہیں۔ ان اہرام میں جو مردے کہ دفن کئے گئے ہیں۔ اُن کی نعشیں سڑنے گلنے سے محفوظ ہیں۔ ان کی حفاظت کا ایک عجیب و غریب طریقہ ہے جس کو عوام الناس بہت کم جانتے تھے۔ تاہم یہ دریافت کیا گیا ہے کہ ان مردوں کو حسب ذیل طریقے سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔

"مردے کے نعش کو ایک خاص قسم کا مصالحہ لگا دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایک قسم کی فلالین کو جو تعداد میں ہزاروں گز ہوتی تھی اندرے گوند لگا کر مردے کو لپیٹ دیتے تھے۔ اور ایک نرم شئے اُس بدن کے اطراف رکھدی جاتی تھی جس وقت یہ فلالین خشک ہو جاتی تو نعش کو اچھے طریقے سے محفوظ رکھتی تھی۔ اس طریقۂ تحفظ کو ممی کہتے تھے"

یہ محفوظ شدہ نعش پتھر کے جنازے میں رکھے جاتے تھے جن پر نہایت خوبصورت بیل بوٹے کھدے ہوئے تھے۔ یہ نعشیں ان اہرام میں اب بھی پائی گئی ہیں جنکی

نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تین ہزار سال پیشتر کے ہیں۔ اور باوجود اس کے اب بھی اُن کا جسم ایسا ہی نظر آتا ہے جیسا کہ زندگی میں نظر آتا تھا۔ ان ممیز کی مقدار کثیر یورپ کے اکثر ملکوں کے نمائش گاہوں میں لیجا کر رکھی گئی ہے۔

مصری مینار قدیم مصریوں نے اپنے ملک کے مختلف حصص میں بہت سے مینار تعمیر کئے تھے جو سو فیٹ سے زیادہ بلند ہیں۔ یہ مینار اُن عالیشان اور خوبصورت محلوں اور مندروں کے برآمدوں کے روبرو تعمیر کئے گئے ہیں۔ اور ان پر اُس زمانے کی زبان تراشی گئی تھی۔ یہ زبان ہماری زبانوں کے مانند حروف اور الفاظ سے مرکب نہ تھی۔ بلکہ پرندوں اور انسانی تصویروں اور دیگر قسم کے نمونوں سے ترکیب دی گئی تھی جس کے ذریعہ سے قدیم مصری اپنے منشاء اور خیالات کا اظہار کرتے تھے ۱۷۹۹ء تک اس عجیب تصویری خط کی زبان کا پڑھنا ناممکن خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اس سال کے آخر ایک فرنچ انجنیئر نے پتھر کی سل دریافت کی جس پر تین زبانوں میں ایک کتبہ تھا ان تینوں زبانوں میں سے ایک یونانی زبان تھی۔ یونانی زبان کا ترجمہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مصری زبان کے کتبہ کی نقل تھی۔

اس کے بعد دوسرے کتبوں سے اس مصری زبان کے کتبے کا مقابلہ کیا گیا۔ اور اس عجیب زبان کی ترکیب متحقق ہو گئی۔ اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میناروں کے کل کتبے بآسانی پڑھے جانے لگے۔ اور اس امر کا پتہ چل گیا کہ ان میناروں کے کتبے مصری بادشاہوں اور بہادروں کے اُن واقعات اور کارناموں کی یادگار ہیں جن کے سبب سے کہ مصر دنیا کی نامور اور عظیم الشان سلطنت شمار کی جاتی تھی ان میناروں میں اکثر مینار مصر سے دوسرے ملکوں میں لیجا کر رکھے گئے ہیں۔ چنانچہ نہایت مشہور مینار "کیلوپٹیرا زنیڈل" Cleopatra's Needle اب دریائے ٹیمز کے دہانہ پر کھڑا ہے۔

مناور اُن شہروں میں جہاں کثیر التعداد نفوس آباد تھے اہل مصر نے مذہبی رسوم کی ادائے کے لئے مناور تعمیر کئے تھے۔ منجملہ اُن کے چند اگرچہ اب تباہ و برباد ہوچکے ہیں تاہم قدیم زمانہ کی نہایت مشہور اور پرشوکت یادگار ہیں۔ دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر کارناک مندر کے آثار جن میں برآمدوں اور وسیع ہالوں کے لمبی لمبی قطاریں معہ اُن میناروں کے جو اس ویرانہ میں سر اُٹھائے اِدھر اُدھر کھڑے ہیں۔ شامل ہیں۔ اب بھی دریائے نیل کے مسافر کی حیرت افزائی کا سامان پیدا کرتے ہیں اس مندر کا رقبہ دوسو ایکڑ ہے اور اندر سے اینٹوں کی دیواریں احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ کارناک کا سب سے بڑا ہال ۳۳۰ فیٹ لمبا اور ۱۷۰ فیٹ چوڑا ہے اس میں پتھر کے میناروں کی ۱۶۴ قطاریں ہیں۔ جس کے ۱۲ درمیانے مینار ۶۲ فیٹ لمبے اور ۳۴½ فیٹ مدور ہیں یہ عظیم الشان مینار آرائشوں اور تصویروں سے ڈھکے ہوئے ہیں جن کے نقش و نگار اب بھی ویسے ہی تازہ ہیں جیسے کہ وہ پہلی بار بنائے گئے تھے۔ اگرچہ ان کو اُن ہاتھوں نے نقش و نگار سے رنگا ہے جن کو دفن ہوئے تین ہزار سے زائد سال گزر چکے ہیں۔

محمد عبداللہ سکرٹری انجمن اصلاح تمدن ناندیڑ دکن

اسباب نصرت و کامیابی

(از جناب مولوی عبدالرحیم صاحب)

جناب کو غالباً معلوم ہوگا کہ ہماری وساطت سے تاریخ اسلامی کا ایک سلسلہ موسومہ تذکرہ بہادران اسلام طیار ہو رہا ہے جس کے دو حصّے تو چھپ کر ملک میں شائع بھی ہو چکے ہیں حصہ اول میں شروع عہد اسلامیہ سے لیکر خلفاء بنی امیہ و بنی عباس اور سلاطین سپین و مراکو و شاہان ٹرکی اور دیگر جلیل القدر امراء کے حالات مذکور ہیں اور حصہ دوم میں تاریخ ہند کے اسلامی عہد کی تواریخ شروع کی گئی ہے چنانچہ عرب فاتحان سندھ کے حالات کے بعد سلاطین غزنویہ و غوریہ و خاندان غلامان و خلجی تک کے حالات درج ہیں ہرچند کہ ان حصوں میں بھی جناب کے بیان کردہ مذکورہ بالا اصولوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے مگر اب باقی تواریخ ہند کو بندہ خود لکھ رہا ہے جس میں خاندان تغلق - لودھی سوری و عظیم الشان خاندان تیموریہ فاتحان ہند کے حالات لکھے جا رہے ہیں -

اس حصہ میں تو جناب کے قائم کردہ اصول کو ہر بات میں ملحوظ رکھا گیا ہے - ہر واقع کی صحیح تفصیل دینے کے بعد اس کے اصلی اسباب پر پوری تحقیق اور تدقیق سے جہانتک کہ بندہ کے ... سے یاوری کی قلم اٹھایا گیا ہے چنانچہ آج بغرض اشاعت اس حصہ کے مسودہ میں سے چند صفحات سلطان ظہیر الدین بابر کے حالات میں سے پیش خدمت کرتا ہوں تاکہ اس کے شائع ہونے پر جناب اور دیگر اہل قلم حضرات مجھے اس طرز تحریر کے متعلق مفید مشوروں سے مستفیض کر سکیں اور اس طرح شاید یہی تاریخ جناب کے مقرر کردہ اصولوں کے لحاظ سے درست کافی تصور کی جا سکے یا جو کمی رہ گئی ہو اسے پورا کر سکیں

مزید کوشش کی جائے بہرکیف مضمون یہ ہے۔

بابر نے چند ہزار اشخاص کی جمعیت سے لاکھوں کے پرہیبت لشکر کو شکست فاش دیکر کل فتنہ پردازوں کے منصوبے باطل کر دیئے۔

یہ واقعہ تاریخ میں کوئی نیا نہیں بلکہ آغاز اسلام سے مسلمانوں کو تائید الٰہی کے سبب اس قسم کی بیشمار فتوحات حاصل ہوتی رہی ہیں۔ البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ وہ حقیقی اسباب کیا تھے جن کے باعث مسلمانوں کو عظیم الشان فتوحات نصیب ہوا کرتی تھیں اور اب کیا کمی آگئی ہے جس کی معدومی مسلمانوں کے انحطاط اور اغیار کے انضباط کا موجب بن رہی ہے۔ یہ ایک نہایت ضروری مسئلہ ہے اور ہر بہی خواہ اسلام کو حسب طاقت و فرصت اس بارہ میں خوب غور و خوض سے کام لینا چاہیئے۔

میں نے بھی اپنی بساط کے موافق اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے بہت سی کتب کی ورق گردانی کی ہے جسے اس وقت محترم ناظرین کے پیش کرنیکی جرأت کرتا ہوں۔

شیخ محی الدین ابن عربی کی رائے

شیخ موصوف نے اپنی مشہور و معروف کتاب فتوحات مکیہ کے جلد ثالث صفحہ ۳۲۸ و ۳۲۹ میں **باب وزراء المہدی** کے زیرعنوان۔ امام مہدی علیہ السلام کے اسباب فتح و ظفر کا ذکر کرتے ہوئے قوت صدق و لیقین کو جسے بالفاظ دیگر قوت ایمانی کہنا چاہئے نصرت کا اصلی سبب قرار دیا ہے۔ اگر میں شیخ ممدوح کی پوری تحریر نقل کرکے بحث کروں تو کئی اجزا اسی کے لئے درکار ہونگے۔ لہذا ان کی بحث کا خلاصہ اپنے الفاظ میں درج ذیل کرتا ہوں۔

شیخ ممدوح فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی ہم پر ایمان داروں کی مدد لازم ہے۔ اور ایمان لغتے ہیں تصدیق بالقلب یقان کو۔ اور اس میں بھی شک نہیں اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام صادق بھی ہے اسی لئے اس نے صدق کو زمین میں اپنی تلوار بنا دیا ہے۔ سو جس کے ہاتھ میں سچائی کی تلوار ہوگی وہ فتح پائے گا۔

مگر خدائے پاک نے اس آیت میں مومنوں کے کسی خاص گروہ کو نصرت کیلئے مخصوص نہیں کیا بلکہ اس کو عام رکھا ہے یعنی جو بھی صدق و ایمان یا یقین رکھتا ہو ہم پر اس کی مدد لازمی ہے۔

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اصحاب یقین ہیں کتنے قسم۔ اس کا جواب بھی شیخ ممدوح خود ہی دیتے ہیں کہ خدائے پاک نے قرآن شریف میں باطل پسندوں کو بھی مومن کا خطاب دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ۔ اسی طرح مشرکوں کے لئے بھی یہ لقب استعمال کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَاِنْ یُّشْرَکْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا چونکہ مومنین کا لفظ مشرک، باطل پرست اور مسلمانوں سب پر شامل تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے آیت ذیل میں مومنین بالقرآن کو دوسرے مومنوں سے متمیز کر دیا چنانچہ فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنو آمنو باللہ و رسولہ والکتاب الذی نزّل علیٰ رسولہ یعنی اے وہ لوگو جو اور اور باتوں پر ایمان لے آئے ہو۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے ایمان لے آؤ۔ تو اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کی تصدیق کرنے والوں کو دوسروں سے ممتاز کر دیا۔

کیونکہ جو لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں وہ اللہ سے کفر کرتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ اور جو لوگ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ

اکیلے خدا کا ذکر سنکر گھبرا اٹھتے ہیں وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالشَّرِیْکِ اِشْمَأَزَّتْ قُلُوْبُهُمْ اِذَا اُذْکِرَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔

مگر جو پہلو بھی کسی نے اختیار کیا ہے اسے گمراہی یا جھوٹ سمجھ کر پسند نہیں کیا بلکہ ان کے گمراہ شدہ پیشواؤں نے ان کو تعلیم بھی یہی دی ہے جس پر ان کو یقین واثق ہو گیا اور اسی کو طریق نجات سمجھنے لگے۔ اسکے بعد اس امر کی مزید توضیح فرما کر لکھتے ہیں کہ ثابت ہوا کہ ایمان میں تو سب لوگ آپس میں شریک ہیں۔ مگر اقسام ایمان کے لحاظ سے بعض مومن باللہ ہیں تو بعض کافر اور بعض مشرک۔

مگر کافرین اور مشرکین کے ایمان کے مراتب بھی خدائے پاک نے اسی طرح بیان فرمائے ہیں جس طرح مسلمانوں کے چنانچہ کفار کے بارہ فرمایا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا نیز دوسری جگہ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ کے کلمات بھی اسی نہج پر مذکور ہیں جس طرح کہ مسلمانوں کے متعلق فرمایا ہے لِیَزْدَادُوْا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ پس مسلمانوں کی طرح اس میں بھی بعض لوگ صادق ہیں تو بعض اصدق۔

پس اللہ تعالےٰ ان مومنوں کے مقابلہ میں جن کے ایمان میں کچھ خلل ہو ان مومنوں کی مدد کرتا ہے جن کے ایمان میں کسی قسم کا اختلال نہ ہو خواہ اصناف مومنین میں سے کسی صنف سے بھی ان کا تعلق ہو کیونکہ جو بھی اصدق ہو گا صادق پر کامیابی لے جائیگا پس مومن کامل الایمان ہمیشہ منصور ہو گا۔

اس کے بعد اس امر کی چند امثلہ سے توضیح کر کے بیان فرماتے ہیں کہ جب کفار مسلمانوں پر غلبہ پا رہے ہوں تو جان لو کہ مسلمانوں کے ایمان میں تزلزل اور خلل ہے اور کفار کا جس بات پر بھی ایمان ہے وہ اس پر بدوں کسی قسم کے ارتیاب کے کامل موقن ہیں فَالنَّصْرُ اَفْوَالصِّدْقِ حَیْثُ کَانَ یَتْبَعُهٗ یعنی نصرت سچائی کی ملزوم ہے جہاں صدق ہو گا وہاں پائی جائے گی۔

اور اسی طرح اگر مسلمان کامل مومن ہو نگے تو جس طرح کسی نبی کو شکست نہیں ہو سکتی کوئی مسلمان بھی کبھی منہزم نہیں ہوگا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ تو نے کئی بار مسلمانوں کو کفار پر فتحیاب ہوتے اور علیٰ ہذالقیاس کفار کو مسلمانوں پر کامیاب ہوتے دیکھا ہوگا۔ مگر دونوں گروہوں میں سے جو کامل الایمان اور پورے صدق والے ہوتے ہیں کبھی بھی راہ گریز اختیار نہیں کرتے بلکہ ثابت قدمی سے مقابلہ کئے جاتے ہیں حتیٰ کہ یا تو قتل ہو جاتے ہیں یا مردوں شکست کے لوٹتے ہیں۔ یہ تو حضرت شیخ ابن عربی رح کی رائے کا خلاصہ تھا مگر

حافظ شمس الدین ابن شیخ جوزی کی تحقیق

علامہ موصوف صبر کو فتحیابی کا موجب اصلی قرار دیتے ہیں۔ ان کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے پاک نے قرآن شریف میں متعدد مقامات میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ پس جب صبر کے لحاظ سے مسلمان فائق ہونگے تو کامیابی کا سہرا ان کے سر بندھے گا اور اگر بلحاظ صبر کفار کا پہلو راجح ہوگا تو وہ بازی لیجائیں گے۔

ملا جلال الدین دوانی کے افادات

محقق دوانی نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب اخلاق جلالی کے صفحہ ۶۵ پر صبر ہی کو وسیلہ ظفر ثابت کیا ہے چنانچہ ایک حدیث شریف بھی اس کی تائید میں لائے ہیں کہ اَلنَّصْرُ مَعَ الصَّبْرِ۔ نیز ذکر کیا ہے کہ حکمائے فارس اپنے معابد میں ایک قطعہ پر یہ لکھکر آویزان رکھتے تھے کہ جس طرح لوہا مقناطیس کا عاشق ہے ظفر مندی بھی صبر کی لونڈی ہے۔

امیر تیمور گورگان کی وصیت

ایشیا کے مشہور کشور کشا امیر تیمور نے اپنی تزوک میں اسباب ظفر بیان کرتے ہوئے اولاد کو وصیت کی ہے کہ جب دشمن پر حملہ کرو تو اپنے دل میں اس بات پر یقین کر لو کہ یہ ظالم ہے اور ہم اس کے ظلم سے مخلوق خدا کو نجات دینے کے لئے اپنی جانیں دینے کو آمادہ ہوئے ہیں اور یہی خیال کل فوج میں پھیلا دو۔ میں نے اسی ذریعہ سے بہت سی فتوحات حاصل کی ہیں۔

ابھی تک میری نظر سے ان تین راؤں کے خلاف کوئی اور قول کسی بزرگ کا نہیں گذرا دوسروں نے بھی انہیں اقوال میں سے کسی کو اختیار کر لیا ہے۔

ذاتی رائے

میری ذاتی رائے ان اقوال کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب امور اسباب ثبات فی الحرب تو بیشک ہیں جس کو بھی اسباب فتح میں کافی دخل ہے مگر جمیع علل نصرت پر من کل الجہۃ صرف یہی چند امور حاوی نہیں ہو سکتے۔

جب اتنی کتب کی ورق گردانی اور ہفتوں کے طویل مطالعہ کے بعد بھی میری ان اقوال سے کما ینبغی تشفی نہ ہوئی تو ایک دن اسی مسئلہ ہی کو علیحدہ بیٹھکر سوچ رہا تھا کہ دل میں آیا قرآن کریم کے ان مقامات کو دیکھوں جہاں سنام الاسلام کی تحریص دی گئی ہے یا کسی قوم کی فتح و شکست کا حال بیان ہوا ہے وہیں انشاءاللہ اسباب ظفر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہوگی تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہاں فتح و نصرت کو محض صبر و یقین سے معلق کیا گیا ہے یا صوم وصلوٰۃ سے دنیاوی امور سے بےخبری اس کی علت قرار دی گئی ہے یا صرف حصول علوم مغربیہ۔ ترک دنیا اور تفرقہ اندازی فتح کا موجب اصلی ہے یا عجز و کسل غرض جو بھی بات ثابت ہو اسکو قرآن شریف میں سے تلاش کرنا چاہیئے۔

کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے رسول اللہ اکرم صلی اللہ وسلم سے روایت کیا

ہے کہ میں نے آپکو فرماتے سنا کہ قریب ہے فتنے بپا ہونگے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ان سے نکلنے کا راستہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ نَبَاُ مَا قَبْلَکُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَ حُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ وَ ھُوَ الْفَصْلُ الخ یعنی ان فتنوں سے نکلنے کا راستہ اللہ کی کتاب میں ڈھونڈنا کیونکہ اسی میں تم سے پہلے گذرے ہوؤں کے حالات ہیں اور جو تمہارے بعد آنے والے ہیں (یعنی آئندہ آنے والوں کی خبر ہے اور تمہارے آپس کے جھگڑوں کا حکم ہے اور وہ فیصلہ کنندہ ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ نے قرآن شریف کے فضائل میں فرمایا ہے کہ لَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ۔ یعنی قرآن شریف کے عجائبات کبھی ختم نہ ہونگے اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے اللہ کا نام لیکر شروع سے آخر تک اسی نکتہ خیال سے قرآن شریف کی تلاوت کی جن نتائج پر میں پہنچا ہوں سپرد قلم کرتا ہوں۔

کامیاب جماعت کی خصوصیات ازروئے قرآن مجید

(۱) اس فوج کا افسر مخالف فوج کی سپاہ اور افسروں سے علم محاربہ و سیاست و نظام اور جسمی طاقت میں بڑھ کر ہو۔

زَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ پارہ ۲ رکوع ۱۶

یعنی طالوت جسے تم پر امیر جیش کیا گیا ہے علمی و جسمی طاقت میں بڑھکر ہے اگرچہ اسکے پاس مال نہیں۔

(۲) کامیاب فوج کے کچھ سپاہی دشمن کی فوج کے افسروں کو قتل کرنے میں سبقت لیجائیں۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰہُ اللّٰہُ الْمُلْکَ پارہ دوم رکوع ۱۷

یعنی طالوت کی فوج میں سے داؤد علیہ السلام نے جالوت کو (جو دشمن کی فوج کا سپہ سالار تھا) قتل کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے داؤد ہی کو

نیز فرمایا ہے فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّۃَ الْکُفْرِ

	ملک دیریا یعنی (لڑائی میں کفار کے پیشواؤں کو اڑا دو۔

(۳) لیکن اگر کامیاب فوج کا اپنا افسر مارا جائے۔ تو گھبرا کر بھاگ نہ اٹھے بلکہ کسی دوسرے شخص کی سرپرستی میں بدستور دلجمعی سے دشمن سے برسرپیکار رہے۔

اَفَاِن مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ پارۂ چہارم رکوع ۶	یعنی کیا اگر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو تم پچھلے پاؤں پھر جاؤ گے۔ یہ آیت جنگ احد کے متعلق نازل ہوئی تھی جبکہ مشہور ہو گیا تھا کہ رسول اکرم شہید ہو گئے ہیں۔ اور صحابہ کرام یہ سنکر گھبرا گئے تھے۔

(۴) بھوک۔ پیاس اور سفر کی تکالیف کو اچھی طرح برداشت کر سکے اور طویل مسافت کے بعد بھی لڑائی سے دل نہ چرائے۔

قَالَ اِنَّ اللّٰہَ مُبْتَلِیْکُمْ بِنَھَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ پارہ دوم رکوع ۱۷	طالوت نے کہا اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر کے ذریعہ آزمائیگا پس جو شخص اس میں سے ایک دو گھونٹ سے زیادہ پیئے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔

(۵) ظفرمند فوج سے سپاہی اپنے قوت بازو پر ایسا اعتماد اور وثوق رکھتے ہوں کہ اگر دنیا بھر ان کے مقابلہ کو چلی آئے تو ہوا کی پرواہ نہ کریں بلکہ اور نیز ہو جائیں

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا پارہ چہارم رکوع ۹	یعنی مومن (جو لڑائی میں کامیاب ہونگے) وہ نہیں کہ جب انکو لوگ کہتے ہیں۔ کہ تمہارے مقابلہ میں بہت سے لوگ جمع

ہو گئے ہیں ان سے ڈر جاؤ تو وہ از روئے ایمان اور بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔

نیز پارہ دوم رکوع ۱۷ میں فرمایا ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

یعنی ان لوگوں نے جو اللہ کے پاس جانیکا یقین رکھتے ہیں کئی مرتبہ تھوڑے گروہوں نے بڑی بڑی جماعتوں پر غلبہ پایا ہے۔

(۶) دشمن کے حملہ کے وقت جم کر موافقت کریں اور خود حملہ کرتے وقت بھی بے ترتیبی نہ ہونے دیں کہ صفیں ہی ٹوٹ جائیں۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص

سورۂ صف پارہ ۲۸

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کے راستہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم کر اور صف بنا کر لڑائی کریں۔

(۷) اپنے نقائص اور قلت تعداد پر دشمن کو مطلع نہ ہونے دیں۔

واخری کافرۃ یرونہم مثلیہم رائ العین پارہ سوم رکوع دس

اور دوسرا گروہ کفار کا تھا جو (تھوڑے سے) مسلمانوں کو اپنے سے دوچند دیکھتا تھا۔

رائ العین کا زاید آنا دلالت کرتا ہے کہ لشکر کو جگہ دور ایسی طرح کھڑا کیا جائے کہ دشمن کو لشکر کی تعداد اپنے سے بھی دوگنی نظر آئے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب شہید نے بھی جنرل انتورا

کے ایک بڑے لشکر کو اسی طریق سے شکست دی تھی مفصل آگے آئیگا۔

(۸) حیل و قواعد جنگ اور ضوابط کر و فر سے ہر سپاہی واقف ہو۔

الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الیٰ فئة پارہ نواں رکوع ۱۶

یعنی کوئی شخص دشمن کی طرف سے منہ نہ پھیرے۔ تا جنگ کیلئے کوئی حرفہ کرنیکو یا اپنے گروہ میں لوٹ آنے کو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک ہر سپاہی حرفہ قتال واقف نہ ہوگا اس حکم سے فائدہ نہ اٹھا سکیگا نیز جب تک سپاہی یہ نہ جانتا ہو کہ کب آگے بڑھ کر حملہ کرنا مفید ہے اور کب لوٹ کر لشکر میں آجانا مناسب ہے اور کب اکیلے بڑھکر وار چلانا چاہیئے اور کب ہٹ آنا بہتر ہے تو اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھا سکتا ہے لہذا ان امور کی تعلیم پہلے ضروری ہے۔

(۹) مادی سامان بھی ایسا جمع کرے کہ دشمن محض سامان جنگ کی فراوانی اور گھوڑوں کی تیاری و آراستگی دیکھکر ہی مرعوب ہو جائے۔

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ[1] | اعداء کے مقابلہ کے لئے جہانتک ہو سکے

[1] قوۃ کا لفظ ہر اس چیز پر شامل ہے جس سے دشمن کے مقابلہ میں مل سکے خواہ وہ تلوار ہو یا تیر توپ ہو یا بندوق۔ ایروپلین (ہوائی جہاز) ہو یا ڈریڈ ناٹ (بڑا بحری جہاز) غرض وہ کُل مَا یتقوی بہ علی الاعداء اس میں شامل ہے۔

وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّکُمْ پارہ دسواں رکوع ۳	(پوری طاقت سے) قوت بہم پہنچاؤ اور اور گھوڑے تیار رکھو جن سے تم خدا کے اور اپنے دشمنوں کو بھگا سکو۔
نیز دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً	اُن لوگوں کے حال کا خدائے پاک نے ذکر فرمایا ہے جو ایک جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے اور بعد ادھر اُدھر کے عذرات پیش کرنے لگے۔ کہ اگر اُن کا ساتھ جانیکا ارادہ ہوتا تو پہلے سے اس کیلئے سامان کرتے۔

انشاء اللہ کسی دوسری جگہ ہم آفیسران فوج کے فرائض۔ اور گھوڑوں کی تربیت کے نئے قواعد سامان جنگ کی نوعیت کے متعلق کل ہدایات قرآن شریف میں سے پیش کریں گے۔

جمیع العلم فی القرآن لٰکن[لہ]
تقاصر عنہ افہام الرجال

(۱۰) کل فوج اپنے افیسروں کی ماتحتی میں کامل اتفاق سے متحد الخیال ہو دشمن کی مصنوعی چال سے بھی کسی قسم کا رخنہ ان کے اتحاد میں نہ ڈال سکے۔ کیونکہ ایسے اوٗلے سمجھوں پر چلا کرتے ہیں۔

بَأْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ	(کفار کی) آپس میں بہت سخت چپقلش ہے تم ان کو متفق خیال کرتے ہو مگر انکے

لہ یعنی قرآن شریف میں علوم موجود ہیں مگر لوگوں کے دماغ انکے استخراج تک پہنچتے نہیں۔

پارہ ۲۸ سورۃ حشر	دل ایک دوسرے سے متنفر ہیں یہ اسلئے کہ وہ بے سمجھ قوم ہے۔ کیونکہ یہ کفار کی افواج کی کیفیت ہے۔ مسلمانوں کی فوج کی حالت اس کے برعکس ہونی چاہئیے۔ نیز آیت لاتنازعوا فتفشلوا وتذھب الحکم۔ جو دسویں پارہ کے دوسرے رکوع میں ہے اس کی تائید کرتی ہے۔

(۱۱) اسکے سپاہی صرف قلعہ نشین ہوکر ہی لڑنا نہ جانتے ہو بلکہ (فیلڈ) کھلے میدان میں بھی خوب ہاتھ دکھا سکتے ہوں اور سیدھے موت کے منہ میں جانے سے نہ جھجکیں

لایقاتلونکم جمیعاً الافی قریٰ محصنتہٍ او من وّراء جُدُرٍ سورۃ حشر پارہ ۲۸	کفار تم سے کبھی اکٹھے ہوکر نہیں لڑینگے جب تک مضبوط قلعوں اور دیواروں کی اوٹ میں ہولیں۔ مسلمانوں کی فوج میں یہ بات نہ ہونی چاہئیے کیونکہ کفار کو ان امور نے سوائے شکست کے اور کوئی نتیجہ نہ دیا تھا۔

(۱۲) وہ فوج اپنی کثرت کے زعم میں غرہ ہوکر دشمن کو حقیر نہ سمجھے۔

اِذ اعجبکم کثرتکم	جس دن کہ تمہاری کثرت نے تم کو عجب میں ڈال دیا (یعنی اس روز تم کو شکست ہوئی) کیونکہ بقول حضرت امام غزالی کبر و عجب سے کسل پیدا ہوا ہے۔ اور کسل و ظفر میں قطعی بیر ہے۔

(۱۳) جب تک تن میں جان ہے لڑائی میں ڈٹے رہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی دامن صبر وثبات ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

قالو ربنا افرغ علینا صبراً وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین پارہ چہارم رکوع ۱۶

یعنی مومنوں نے لڑائی کے وقت کہا۔ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوم کفار پر فتح دے۔ اس دعا میں صبر وثبات کی طلب نصرت سے ذکر آنا دلالت کرتا ہے صبر وثبات کے بدوں نصرت محال ہے اسی لئے پہلے وسائل میں ان کو طلب کیا۔

نیز فرمایا

یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃً فاثبتوا۔ پارہ دسواں رکوع ۲

اے ایمان دارو جب تم کسی گروہ سے لڑو تو ثابت قدم رہو۔

(۱۴) عزم مصمم کریں کہ پیٹھ ہرگز نہ دیں گے یا ماریں گے یا مر جائیں گے۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا فلا تولوہم الادبار پارہ نواں رکوع ۱۶

اے ایماندارو جب تم لڑائی میں کفار کے مقابل آؤ۔ تو ہرگز ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔

(۱۵) میدان جنگ میں جاتے وقت اسکے سپاہی اہل وعیال کے خیال سے پاک تجارت وزراعت متعلقین اور وطن کی محبت سے صاف۔ اور اس حیات کوتاہ سے نظر اٹھا کر حیات ابدی کے متحمن ہو کر چلیں۔

قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال

اے رسول تو ان سے کہدے کہ اگر تمہارے باپ۔ تمہارے بیٹے۔ تمہارے

اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا	بہائی۔ تمہاری بیبیاں۔ تمہارے قبائل اور جمع کردہ مال۔ اور چلتی ہوئی تجارت کا مندے نقصان۔ اور پسندیدہ مساکن تمہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اسکے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے نہیں تو ٹھیرے رہو (ایسے لوگوں کی کچھ ضرورت نہیں) نیز منافقوں کے متعلق آیا ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ میں آتے بھی تو کوئی خرابی ہی کرتے ہیں۔ الغرض خیال نہ کرو اپنی قوت بازو پر اعتبار رکھتے ہوئے محض خدا پر توکل کرو۔

(۱۶) اس فوج کی غرض دنیا سے فتنہ و فساد کو نابود کرنے اور محض خدا کی بادشاہت سکے کل مخلوق امن و امان کا حصہ والنے کی ہوئے اور پسند کرے۔ کہ جبتک یہ غرض پوری نہ ہوگی۔ تلوار کو میان میں نہ کرینگے۔

وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله پارہ دوم رکوع عشہ نیز آخیر پارہ نواں	یعنی اور (ظاہری و باطنی فتنہ پردازی سے) لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہ جائے اور دین اللہ کیلئے ہو جائے۔ پس جس جانب کی فوج ان اوصاف میں زیادہ پر قائم ہوگی۔ وہ بازی لی جائے گی۔

اسی طرح بہت سی ضروری ہدایات رسول اللہ صلعم اور صحابہ کے جہادات سے بھی استخراج کی جا سکتی ہیں مگر بطور مشتے نمونہ از خروارے سر دست اتنا ہی کافی ہے۔

عزیزو! ذرا غور کرو کہ جو فوج ان مندرجہ بالا اعلیٰ اوصاف سے متصف ہو روئے زمین پر کوئی دشمن سے جو اسے شکست دے سکے۔ کوئی فوج ہے جو اسے پامال کر سکے انہیں فاتحانہ صفات سے موصوف ہونے پر ہی تو خدائے پاک نے مومنوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ لَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ - پارہ چہارم - یعنے اے مومنو نہ غافل ہو کر بیٹھ رہو نہ کسی عارضی ناکامی سے غم کھاؤ - بشرط ایمان تم ہی سربلند رہو گے۔

کیونکہ خدائے پاک نے وہ کل اسباب جنکے ذریعہ سے کوئی قوم دنیا میں سربلند ہو سکتی ہے - واضح طور پر بیان فرما دئے اور ان کل ابواب فتن کا انسداد کر دیا جنکے ذریعہ اغیار کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔ چنانچہ فرمایا لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکَافِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلاً - یعنی خدا تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے خلاف کوئی راستہ نہ دیگا۔ کاش ان مومنوں کی آیندہ نسلیں ان قوانین پر کاربند رہیں جنکے باعث وہ اس خطاب مومن کی سزاوار ہوئی تھیں۔

کیونکہ کل تاریخ شاہد ہے کہ جبتک مسلمان ان صفات حسنہ سے متصف رہے کسی بڑی سے بڑی جمعیت یا جابر سے جابر دشمن نے بھی اُنپر صحیح معنے میں غلبہ نہیں پایا۔ مگر جب وہ اوصاف جو کفار کیلئے خدائے پاک نے ذکر کئے تھے۔ خود مسلمانوں میں آ گئے۔ یعنی ایثار دنیا۔ نفاق و شقاق۔ عجز و کسل۔ عشرت و جہالت تو ان نتائج کا پیدا ہونا ہی لازمی تھا۔ جو اپنی اوصاف کی بدولت پہلے کافر مسلمانوں کے ہاتھوں اٹھا چکے تھے میرے خیال میں یہ سوال اسطرح بالکل حل ہو گیا ہے اگر اب بھی وہ جماعتیں جنسے مسلمانوں کی تا حال پولیٹیکل ہستی قائم ہے

اِن اوصاف کو حاصل کرلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ گذشتہ عزت و رفعت حاصل نہ ہو۔ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ رولی کوئی کھُوئے اُٹو پیٹ ہمارا ہمیرے۔ اسباب فتح وظفر پر تو اغیار قابض ہوں اور نصرت ہماری ہو۔ میں نے جو کچھ اپنی ناچیز عقل کے مطابق سمجھا پیش کردیا۔ امید ہے۔ دیگر اصحاب علم وذکا حضرات جیسے مولانا مولوی عبداللہ صاحب پشاوری۔ مولوی عبداللہ صاحب عمادی قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی۔ مولوی ابراہیم سیالکوٹی وغیرہ بھی اِس نکتہ خیال سے قرآن شریف کی تلاوت فرماکر بہت سے معنے خیز مفہومات سے قوم کو فائدہ پہونچائینگے۔

اِس حصہ دوم تذکرہ بہادران اسلام میں اسی قسم کے بہت سے مضامین ہونگے جیسے انشاء اللہ ہر واقع اور ہر کیفیت پر بہت کچھ روشنی پڑیگی البتہ وقت یہ واقع ہوتی ہے۔ کہ بعض لوگ اِس حصہ میں آخر عہد اسلامیہ تک حالات ختم کردینے کی تاکید کرتے ہیں۔ مگر مضامین اِس کثرت سے بڑھ رہے ہیں کہ انکو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ اگر قوم یہ طرز پسند کرے تو حصہ سوم میں کتاب کو ختم کرنے کی پرواہ نہ کرکے کل ضروری مضامین درج کئے جائیں ورنہ نظر بر اختصار بہت سے رہ جائینگے۔

اسلام کی زندگی کیسی تھی؟

اس زندگی کرنیکو کہاں سے جگر آئے

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مسلمان اسلئے مبتلائے تنزل ہیں کہ انکی زندگی اسلامی زندگی نہیں رہی۔ یہ حقیقت تو مسلم ہے مگر سوال یہ ہے کہ اسلامی زندگی کیا تھی۔ اُسکے خط و خال کیسے تھے اور مسلمانوں میں پھر وہی روح کیونکر آسکتی ہے ہم اپنے محترم ناظرین کرام کو اس پاک زندگی کے مناظر دکھانے کے لئے تیرہ صدیوں کے طویل و عریض مسافت طے کرا کے "سریہ رجیع" کے موقع پر لانا چاہتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلعم بنفس نفیس موجود تھے اور کفار عرب کی ساری مجموعی کوشش آنحضرتؐ کی ایذا رسانی اور مسلمانوں کی جانستانی میں صرف ہو رہی تھی یہ ایسا نازک ترین وقت تھا کہ اگر مسلمانوں کے ایمان میں ذرا بھی تذبذب ہوتا۔ یا اسمیں طمع دنیا کا کچھ بھی شائبہ ہو سکتا تو وہ نتائج کبھی ظہور میں نہ آتے۔ جنپر آج ہم تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔

وہ وقت یاد کرو جب قبائل عضل و قارہ کے سات آدمی جنکو مسلمانوں سے سخت عداوت تھی مدینہ مبارک میں حاضر ہوئے اور دھوکا دینے کو مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلعم سے گذارش کی کہ سارا قبیلہ مسلمان ہونے کو آمادہ ہے چند مسلمان ساتھ کر دئے جائیں کہ قبیلہ میں چلکر احکام اسلام سکھائیں۔ اور لوگوں کو علانیہ مسلمان بنائیں۔ یہ درخواست مقبول ہوئی اور دس مسلمان ساتھ کر دئے گئے۔ منافقین جب کئی دن کا سفر کرکے اپنے گھر کے قریب پہونچے تو اُن میں سے ایک شخص چپکے سے کھسک کر

گیا۔ اور لوگوں کو اطلاع دی کہ شکار آیا چاہتا ہے۔ طیار ہو جاؤ اور پھنسا لو فوراً دو سو مسلح جوان نکل کھڑے ہوئے اور غریب مسلمانوں کا راستہ آ کر گھیر لیا۔ ہر چند مسلمانوں کی تعداد صرف دس تھی اور کافر دو سو تھے لیکن بے اطمینانی و اضطراب و تشویش کیسی وہ دشمنان اسلام کی صورت دیکھتے ہی خوشی سے چلا اٹھے کہ الحمدللہ شہادت کا موقع مل گیا اس سے زیادہ خوش نصیبی اور کیا ہوگی کہ خدا کی راہ میں جانیں دینگے اور دین حق پر قربان ہو جائینگے۔ ایسی خوشی و شادمانی تھی کہ ہر مسلمان کا چہرہ فرط مسرت سے چمکنے لگا۔ اور سب بے اختیار لڑنے کو مستعد ہو گئے۔ کہ "یا جان رسد بجاناں یا جان ز تن بر آید"
کفار نے جب یہ آمادگی دیکھی تو سخت متعجب ہوئے اور ان کے لیڈر (سفیان بن خالد) نے سمجھانا شروع کیا کہ "اس حالت میں لڑنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اسلام چھوڑ دو ہم تمہیں بھی چھوڑ دینگے" مسلمان پھر اٹھے اور طیش میں آ کر جواب دیا "کہ ہماری جانیں تو خدا پہلے ہی مول لے چکا ہے ہم سب کا مرنا اور جینا اسی کے لئے ہے مسلمان عزت کی زندگی بسر کرنے کو پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ذلیل و مغلوب ہو کر کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔ آخر جنگ ہوئی اور چھ مسلمان شہید ہوئے۔ باقی بزرگوں کو مشرکین نے یقین دلایا۔ کہ "تم لڑائی بند کرو اور پہاڑ پر سے (جہاں تھا مسلمانوں نے مورچہ باندھ رکھا تھا) اتر کر مدینہ چلے جاؤ" تم سے کوئی متعرض نہ ہوگا۔ مسلمانوں نے جب تلواریں ہاتھ سے ڈال دیں تو کفار نے دھوکے سے گرفتار کر لیا۔ ایک صحابی (عبداللہ ابن طارق) نے یہ دیکھتے ہی ہاتھ کی زنجیریں زور لگا کر توڑ ڈالیں اور جنگ کی جس میں شہید ہو گئے صرف دو مسلمان (خبیب اور زید) زندہ بچے دونوں صاحب کمزور اور نحیف الجثہ تھے مشرکین نے ان کو باندھ لیا۔ اور مکہ لے چلے وہاں پہنچکر دونوں بھائیوں کو دو مہینہ تک قید رکھا۔ خبیب کو ایک عورت نے خرید لیا۔ کہ اچھی تاریخ اور نیک ساعت میں دیوتاؤں پر اس کی قربانی چڑھائیں گے +

ایام قید میں خبیب کے بال بہت بڑھ گئے صاحب خانہ سے ایک اُسترہ لیا اور اصلاح شروع کی گھر والے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ چھوٹا بچہ کھیلتا کھیلتا خبیب کے پاس آگیا۔ اور اونہوں نے اسکو اپنے زانو پر بٹھا لیا۔ اتفاق سے صاحب خانہ کی نظر پڑی۔ تو وہ گھبرا اُٹھی کہ یہ قیدی ہے اور خوب جانتا ہے کہ ہم اِسکو قتل کرینگے اُسترہ اِس کے ہاتھ میں ہے۔ اور ہمارا لڑکا بھی اِسی کے قبضہ میں چلا گیا ہے بچہ کی جان اب کیسے بچیگی۔ خبیب نے جب اضطراب دیکھا تو بآواز بلند عورت کو تسلی و تشفی دی کہ "مسلمان دغا باز نہیں ہوتے۔ اور نہ کسی حالت میں اپنا کیرکٹر ذلیل بنا سکتے ہیں کیونکہ جو ایسا کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔ بچہ بیچارہ معصوم ہے پھر ایسے بےخطا کو ایک مسلمان کیونکر آزار پہونچ سکتا ہے" بچہ کو آغوش سے اُتار دیا اور اُسترہ بھی واپس کر دیا۔ کہ مسلمانوں کے اعلیٰ کیرکٹر پر کہیں لوگ حرف نہ رکھیں۔ شہادت کی تاریخ جب آگئی۔ تو خبیب و زید دونوں صاحب مقام تنعیم میں لائے گئے۔ جہاں ایک نے دوسرے کو صبر و ثبات و استقلال و تقویٰ کی وصیت کی۔ خبیب نے دو رکعت نماز شکرانہ شہادت کی اجازت مانگی۔ بڑی دیر تک خدا کی یاد میں مصروف رہے اور جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ؎

لَسْتُ اُبَالِی حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا	عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِی
(جب مسلمان مارا جاتا ہے تو کچھ پروا نہیں	خدا کی راہ میں جیسی چاہے موت آئے)
وَذٰلِکَ فِی ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَأْ	یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ
(میرا مارا جانا خدا کے لئے ہے اگر خدا چاہے	تو عضو کے پارہ پارہ ٹکڑوں میں برکت دے سکتا ہے)

جب خبیب کو سولی پر چڑھایا تو اونہوں نے قبلہ کی طرف مونہہ کر لیا تھا۔ کفار نے از راہ عداوت اسلام قبلہ سے اُن کا رُخ پھیر دیا تو اونہوں نے کہا "کیا مضائقہ" میرا خدا ہر طرف ہے۔ اور ہر سمت اُسی کا رُخ ہے" یہ آخری وقت تھا جبکہ بڑے بڑے

پہادروں کا زہرہ آب ہوجاتا ہے دشمنان اسلام نے اُن کو پھر نصیحت کی۔ کہ اب بھی اسلام سے باز آؤ۔ نہیں اسی وقت رہا کئے دیتے ہیں" مگر وہ کمال استقلال سے یہی جواب دیتے رہے۔ کہ اگر ساری دنیا کی دولت مجھے ملجائے پھر بھی میں اسلام سے برگشتہ نہیں ہو سکتا" ایک جان درکنار۔ ایک سو جانیں بھی ہوں تو اُن سب کو اسلام پر قربان کر ڈالوں"۔ کافروں نے دوبارہ پوچھا" کہ اگر جی چاہے تو ابھی تم کو چھوڑ دیں۔ کہ گھر چلے جاؤ اور تمہاری عوض محمدؐ کو (صلی اللہ علیہ وسلم) گرفتار کر کے سولی دیں" اُجیب کو غصہ آگیا کہ" ملعونو! کیا کفر بکتے ہو محمدؐ پر (صلی اللہ علیہ وسلم) میری جان فدا ہے میں اُن سے اور اُن کی مقدس تعلیم اسلام سے کیونکر اعراض کر سکتا ہوں۔ جس کے لئے جان دینا حیات جاوید کا باعث ہے" کفار اس حیرت انگیز اسلامی زندگی کا نمونہ دیکھکر غیظ و غضب سے اپنے آپے میں نہ رہے اور دیوتاؤں کی قسم کھا کر اُجیب کے ٹکڑے اڑا دینے کے درپے ہو گئے اس وقت اُجیب نے جناب الٰہی میں التجا کی" کہ یا اللہ یہاں کوئی مسلمان نہیں سب کے سب تیرے دین کے دشمن ہیں۔ میں رسول اللہ صلعم کو کس کی زبانی اپنا آخری سلام کہلاؤں یا اللہ تو ہی میرا پیغام اپنے پیغمبر (علیہ السلوٰۃ والسلام) کو پہونچا دے"

کفار نے خبیبؓ کو پھانسی کے تختہ پر چڑھا کر اُن لوگوں کو آواز دی جن کے باپ دادے اُجیب نے غزوہ بدر میں قتل کئے تھے چالیس آدمی فراہم ہو گئے۔ جن کے ہاتھوں میں نیزے دئے گئے کہ یہی وہ شخص ہے جس نے تمہارے آباؤ اجداد کی جانیں لی ہیں اور تمہارے دیوتاؤں سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ اس سے اپنے بزرگوں کے خون کا بدلا لو۔ کہ آج تمہاری باری ہے"۔ سب نے ملکر خبیب کے جسم پر نیزے مارنے شروع کئے۔ مگر اُن کے استقلال میں ذرا بھی فرق نہ آیا۔ اس زد و خورد میں اتفاقاً خبیب کا مونہہ

قبلہ کی طرف ہوگیا۔ آپ نے خدا کا شکر کیا کہ "مرتے وقت میرا مونہہ خدا نے اُس قبلہ کی طرف کردیا جسے اپنے رسول اور تمام مسلمانوں کے لئے پسند فرمایا ہے" زخموں کے صدمے سے سولی پر لٹکے ہوئے تڑپتے رہے اور اُن پر مسلسل نیزہ زنی ہوتی رہی۔ آخر اسی طرح واصل بحق ہوگئے۔

زید کے ساتھ بھی یہی ماجرا گذرا۔ اور اُنکی جان بھی اسیطرح خدا کی راہ میں قربان ہوئی۔ ابوسفیان کو تعجب تھا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے پیشوا کے اسقدر مطیع و فرمانبردار ہوں۔ یہ حسن عقیدت تو کسی کو بھی اپنے لیڈروں کے ساتھ نہیں"۔

ان دونوں بزرگوں کی لاشیں ایک مدت تک سولی کے تختہ پر لٹکتی رہیں رسول اللہ صلعم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسا ہے جو خبیب کی لاش کو سولی پر سے اتار لائے؟ زبیر بن العوام و مقداد بن الاسود الکندی رضی اللہ عنہما اس کام کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ چالیس دن گذر گئے تھے۔ یہ وہاں پہونچے لاش پر سخت چوکی پہرہ تھا۔ مگر کسی کی پاسبانی کام نہ آئی۔ اور صبح سارے مکہ میں خبر ہوگئی۔ کہ لاش کا پتہ نہیں۔ ستر شہسوار تعاقب کے لئے پیچھے دوڑائے گئے مگر جب دونوں شیر دل مسلمان مارنے مرنے کے لئے کھڑے ہوگئے تو کفار نے اُنکے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر مزاحمت چھوڑ دی اور اپنے اپنے گھر چلے گئے کہ آگ سے کھیلنے والوں کو اپنی کثرت جمعیت پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ آگ کے چند شرارے بڑے بڑے خرمن کو خاک سیاہ کرڈالنے کے لئے کافی ہیں ؎

آتش است این شعلۂ عشق نیست باد
ہر کہ این آتش ندارد نیست باد

دل بیقرار کیا ہے؟

از مولانا عزیز لکھنوی

میرے جاں نثار کیا ہے؟ میرے غمگسار کیا ہے؟
تجھے کیوں ہی اتنی الجھن دل بے قرار کیا ہے؟
تجھے کیوں ہے اس کی خواہش کہ وہ آئیں میرے گھر میں
یہہ بتا کسی کے دلبر تیرا اختیار کیا ہے؟
تجھے ذوق ہے فنا کا تو فنا ہو رات کم ہے
کہ سحر بھی ہو چلی ہے بس اب انتظار کیا ہے؟
دل بے خبر کہاں تک سُنے کوئی تیرے نالے
تجھے یہہ بھی کچھ خبر ہے کہ خیال یار کیا ہے؟
نہ یہہ کاوشیں ہیں اوسمیں نہ یہہ سوزشیں ہیں اُسمیں
تیرے جوشش غم کے آگے غم روزگار کیا ہے؟
وہ ہے تیری خونفشانی یہہ ہے تیری زرد روئی
یہ خزاں کا رنگ کیا ہے؟ اثر بہار کیا ہے؟
کوئی پھانس کیا چبھی ہے کوئی چوٹ کیا لگی ہے
کوئی گریہ کا سبب بھی دِل اشکبار کیا ہے؟
تیری مردہ حسرتوں پر نہیں کوئی رونے والا
تجھے غم ہے کیا اِسی کا دل سوگوار کیا ہے؟
ہیں وہی نشیلی آنکھیں تجھے کیا لہو رولاتی
اوسی جام کی ہے خواہش میرے بادہ خوار کیا ہے؟

بے عزیز تیرا ہمدم نہیں غیر اوس سے کہدے
میرے سادہ لوح عاشق ہیں تیرے نثار کیا ہے

مجھے اے کاش تم نے زہر ہی کھانے دیا ہوتا

کسی صورت سے تو آرام کچھ پانے دیا ہوتا
مجھے اے کاش تمنے زہر ہی کھانے دیا ہوتا

اگر زندہ بھی ہو جاتا تو پھر اک روز مرنا تھا
وہ آتے تھے تو انکو لاش پر آنے دیا ہوتا

اٹھا کر لیگئے بالیں سے یوں سب لوگ عیسیٰ کو
یونہیں تا صبح فرقت انکو سمجھانے دیا ہوتا

بھر آتی ہی چشم شوق اس بیداد کی چیں پر
ابھی پھولوں کو اصلی رنگ پر آنے دیا ہوتا

ابھی سے لکھدیا کیوں بازو ئے خون الحق کا
سر محشر اونہیں کچھ اور شرمانے دیا ہوتا

اجل نے جلد کھولے آ کے عقدے زلف گیسو کے
ابھی ان گتھیوں کو اور سلجھانے دیا ہوتا

عزیز اصلی غرض تھی تشنگی تیغ ملت کا
وہ فرماتے تھے جو کچھ انکو فرمانے دیا ہوتا

طلائے حسن تو غرہ نہ کر غرور نہ کر

ازجناب حفیظ جونپوری

مطیع کبر نہ ہو بھولکر غرور نہ کر
یہ شان کفر ہے اے بیخبر غرور نہ کر

اسی غرور نے کتنوں کو کر دیا گمراہ
کہونگا میں تو یہی خاصکر غرور نہ کر

اگر ستارہ اقبال اوج پر ہے ترا
زبان شکر سے کر اپنی تر غرور نہ کر

کسی کا حال بھی اک حال پر نہیں رہتا
یہ چند روز کا ہے کر و فر غرور نہ کر

سنا تو ہوگا جو قاروں پہ حادثہ گذرا
خدا کی راہ میں کر صرف زر غرور نہ کر

جگہ ملی سر ممبر جو تجکو اے واعظ
تو ہو یہ اوج مبارک مگر غرور نہ کر

زمانہ آج اگر تجھ سے کچھ موافق ہے — تو ہیچ ہے کل کی تجھے کیا خبر غرور نہ کر
گھڑی گھڑی میں بدلتا ہے رنگ دنیا کا — ہمیشہ تازہ حوادث سے ڈر غرور نہ کر
جو اچھا ہو تو کمال وزوال بدر کا دیکھ — ملا ہے حسن تو غنچہ نہ کر غرور نہ کر
یہ اسکی دین کرم اس کا اسکی بخشش ہے — ملا ہے تجھ کو اگر مال و زر غرور نہ کر
یہ شکر کر کہ ملا تجھکو کوششوں کا صلہ — کسی کمال پہ لینے مگر غرور نہ کر
اسی غرور سے شیطان ہو گیا مردود — اگر جھکے نہ تواضع میں سر غرور نہ کر

حفیظ یوں تو بہت اور بھی نصائح ہیں
میری یہ پند ہے اک مختصر غرور نہ کر

عطر بیزی تری ہم بادِ صبا جانتے ہیں

از جناب مولوی محمد صدیق عنایت رعد خلف الصدق حضرت جلیل صاحب

استاد حضور نظام دکن

جو ترے عشق میں مرنیکا مزا جانتے ہیں — ملک الموت کو عیسیٰ سے سوا جانتے ہیں
وہ نہ اچھا کہیں مجھکو تو شکایت کیا ہے — انکا شیوہ ہے کہ اچھوں کو برا جانتے ہیں
ناوک ناز کو دیتے ہیں جگہ جو دل میں — کچھ وہی دردِ محبت کا مزا جانتے ہیں
عکس نادان ہی دیتا ہے برابر کا جواب — ہمسے الجھیں تو بتائیں انہیں کیا جانتے ہیں
چھو کے آئی ہے تو اُس زلف رسا کا دامن — عطر بیزی تیری ہم بادِ صبا جانتے ہیں
خاکساری کا جو رتبہ ہے کوئی کیا جانے — ہم اسے آئینۂ دل کی جلا جانتے ہیں
انکو انسان سے کچھ ایسی ہے نفرت گویا — آپ کو چار عناصر سے جدا جانتے ہیں
مسکراتے ہو مجھے دیکھ کے مردہ گویا — کچھ تمہارے لب اعجاز نما جانتے ہیں
ظلم میں دیتے ہیں تجھکو جو فلک سے تشبیہ — وہ شفق کو تیرے تلووں کی حنا جانتے ہیں

یہہ تجاہل ہے جو انجان بنے بیٹھے ہیں ورنہ وہ حال مرا مجھ سے سوا جانتے ہیں
اشک پینے کو تو کھانے کو لاغم اے رعد
ایسی وہ چیز کو ہم آپ غذا جانتے ہیں

از جناب میرزا محمد کاظم صاحب صفی

سوزشِ روزگار

ہے انتظار اب تو انصاف کی گھڑی کا
ہر سو ہے نفسی نفسی غل ہے ہماہمی کا
آپس میں چین رہیں یہاں جانیہ ہی ہے
تیلی نے اب قلیچہ لاطاب یہہ آج چھینی کا
ہے کاٹ چھانٹ جاری اک ایک نفس آرا
اے آنکھ دیکھتی ہے یہہ حال نیستی کا!
کاہے کی افسری ہے ہر فوج بے سری ہے
ہر شخص ذمہ ور ہے آپ اپنی ابتری کا
طوفان بے تمیزی ہر سمت اُٹھ رہے ہے
اب فرق اُٹھ چلا ہے صوری و معنوی کا
کھولیگا کیا پتے تو تیرے پتے کھلینگے
ہاں جب پتہ ملے کا اپنی چگونگی کا
مرتا ہے آدمی جب ایک کنکریکا مارا
اصحاب فیل کو کیوں غرہ تھا زندگی کا
دریا میں ہے صفا ظلم تیرا کے بہتے ہیں
جیسے سینے نکلجا۔ موقعہ نہیں کھڑی کا
بن آئے تو بناؤ۔ آپس میں مت بگاڑو
بگڑے گا کون ساتھی؟ جو ہے یہاں بنی کا
ظاہر یہ تم نہ جاؤ خود جان مت گنواؤ
پھر ہاتھ ہی ملوگے۔ مانو کہا کسی کا
آوا بگڑ چلا ہے اے کاسہ گر خبر لے
بھانڈا نہ پھوٹ جائے سوز دل صفی کا

ایجنٹ منجوسہ اخبار لاہور

آنکھوں کا سچا علاج

اناڑی اور جاہل دوافروشوں نے ہزاروں سرمے اور انجن کے اشتہار دے رکھے ہیں۔ اور آنکھ کی تشریح سے اصلا واقف نہیں ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں۔ کہ آنکھیں کس قدر طبقہ ہیں۔ کے رطوبتیں عصبہ مجوفہ کیا چیز ہے۔ نور آنکھ میں کہاں سے آتا ہے کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ ثقبہ عنبیہ کیا ہے جس میں پانی اترتا ہے۔ نہ کتاب میں پڑھا نہ ہاتھ سے یہ کام کیا۔ اسلئے مریضوں کی رہی سہی آنکھوں کی حالت بگڑ گئی۔ ایسے شہر آشوب اور طوفان بے تمیزی میں کسی دوا کا اشتہار دینا اپنا اور اپنی دوا کا وقار کھونا ہے مگر میں جانتا ہوں ابھی دنیا میں علم و ہنر کے قدردان باقی ہیں۔ اور زمانہ عقل سلیم سے خالی نہیں ہے اور سچی دواؤں کی حاجت ہے۔ اسلئے مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ دوا مجھے **حاذق الملک حکیم عبدالمجید خان صاحب** دہلوی مرحوم و مغفور نے بتائی تھی تیس برس سے میں اپنے مطلب میں برابر آزما رہا ہوں۔ یہ آنکھوں میں پانی اترنے کو جسے نزول الماء کہتے ہیں اور دھند۔ جالے۔ پڑبال۔ رتوندے کو ازبس مفید ہے۔ جب آنکھوں کے سامنے بھنگے اڑتے دکھائی دیں سمجھ لیجئے۔ کہ پانی اترنے والا ہے۔ یہ دوا منگائیے۔ اور استعمال کیجئے۔ پانی نہیں اترے گا۔ اترتا ہوگا تو رک جائیگا۔ اور آنکھ صاف ہو جائے گی قیمت دوا فی ماشہ عہ ایک مریض کو ا ماشہ دوا کافی ہوگی محصول بذمہ خریدار ؂

ملنے کا پتہ

حکیم سید ناصر نذیر فراق محلہ رودگران رسلہ راد تمند دہلی مکان ظریف مرحوم



اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی سمجھتے ہیں

ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ○ ان شہروں میں اردو مروج ○ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

یونین سٹیم پریس لاہور میں چھپا اور مولوی غلام رسول صاحب تحصیلدار (پنشنر) نے شائع کیا

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ فی پرچہ ۴ر ولایت کے واسطے ۸ شلنگ

مخزن

مخزن کا نیا دور

قسطنطنیہ میں "شہبال" کے نام سے ایک نہایت شاندار ادبی رسالہ شائع ہوتا ہے جو ترکی لٹریچر کا بہترین خدمتگزار ہے اور اپنی دلچسپ تصویروں کے لئے بالعموم شہرۂ روزگار ہے، حال میں ایک تحریک ہوئی تھی کہ حسین جاہد بک کے زیر اہتمام ایک ایسا رسالہ شائع ہو جو علم و ادب، معاشرت و تاریخ کے ہر پہلو کا جامع ہو، یہ تحریک چند ہفتوں ہی میں کامیاب ثابت ہوئی اور ایک ہزار ترکی پونڈ کا سرمایہ اس کیلئے فراہم ہو گیا، ارکان انتظام نے رسالہ کے لئے سرکاری اجازت بھی حاصل کر لی اور بکثرت درخواستیں بھی آنی شروع ہو گئیں، یہ سارے نظم و نسق ہو چلے تھے کہ ایک صائب الراء و معتمد و با اثر ترک (رضا توفیق بک) نے اخبار "صباح" و "سلنین" میں ایک مضمون شائع کرایا کہ "شہبال" جب پہلے سے جاری ہے تو اُسی کو ترقی دینی چاہئیے، قوم نے یہ تجویز منظور کر لی اور خود شہبال بھی آمادہ ہو گیا، جس پر مجوزین نے اپنا تمام سرمایہ جو چندے سے فراہم ہوا تھا اُس کو دے دیا اور دس ہزار خریداروں کی درخواستیں جو اُن کو موصول ہوئی تھیں وہ بھی کارکنان شہبال کو حوالہ کر دیں، اب یہ رسالہ پہلے سے بھی زیادہ آب و تاب سے شائع ہوتا ہے اور بہت ہی دلپسند و دلنشین مضامین اس میں ہوا کرتے ہیں۔

ترقی پذیر قوموں کا یہ حال ہے اور وہ ایسے پاکیزہ ایثار سے اپنی زبان کے مخزن کی قدر افزائی کرتی ہیں۔

رسالۂ (مخزن) کے لئے کوشش کیگئی ہے کہ آیندہ سے یہ رسالہ مضامین کی حیثیت سے
مصر و قسطنطنیہ و انگلستان کے مقبول رسائل سے اگر بڑھ نہ سکے تو کم بھی نہ ہو، ہم نے اس
غرض کیلئے نہایت وسیع پیمانہ پر خاص انتظام کیا ہے اور مشہور و معروف بزرگان اردو
کی عام رائے کے مطابق بعض اہم تبدیلیاں اس میں کی ہیں جو اس نمبر میں ناظرین کرام کو
خود محسوس ہونگی، ہم اس سے زیادہ اس باب میں کچھ عرض نہیں کر سکتے، اہل نظر کو خود
ہی تجربہ ہو جائے گا کہ مخزن کے مضامین کس پایہ کے ہوتے ہیں اور کیا منزلت رکھتے ہیں
البتہ ہم اس موقع پر وہی پرانی مثل پھر عرض کرتے ہیں کہ "ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ آپ
اپنا فرض ادا کریں"

جس معیار پر ہم مخزن کو شائع کرنا چاہتے ہیں اس کیلئے نہایت کثیر مصارف کی ضرورت ہے
گو ہم کوئی چندہ نہیں مانگتے البتہ اپنے محترم ناظرین سے یہ ضرور حق رکھتے ہیں کہ جب ہم آپ کی
خدمت میں سرگرم ہیں تو کیا آپ کا یہ فرض نہ ہونا چاہئے کہ آپ بھی اپنے رسالہ کی اشاعت
بڑھائیں۔ اگر آپ کوشش کر کے دو دو چار چار خریدار بھی ہم پہنچائیں تو یہ اسکیم بہت جلد کامیاب
ہوگی۔ غور کیجئے۔ ایک آپ کے بھائی قسطنطنیہ میں ہیں جو کیا کچھ کرتے ہیں، اور ایک آپ
ہیں جن کو اپنی زبان کے سب سے پرانے خدمتگزار کی ضرورتوں کا خیال بھی شاید نہ ہوگا۔ یہ
آخری اپیل ہے جسے آپ کو عملی توجہ سے سماعت کرنا چاہئیے ÷

فقیر غلام رسول تحصیلدار پنشنر
مہتمم رسالۂ مخزن لاہور

علمی حصّہ

علم اور اسلام

(از جناب مولوی عبد السلام صاحب رکن مجلس تالیف سیرۂ نبوی)

مؤرخین اسلام نے فن تاریخ میں جو ترقی کی تھی اس نے تاریخی تصنیفات کی مختلف حیثیتیں قائم کر دی تھیں، بعض کتابوں میں تاریخی واقعات سنہ وسال کے لحاظ سے لکھے جاتے تھے، بعض تاریخیں صرف خاص خاص سلطنتوں کے حال میں لکھی جاتی تھیں، بہت سی تصنیفات میں صرف ہمعصر لوگوں کے حالات، اور موجودہ واقعات درج کئے جاتے تھے، لیکن ان تمام شاخوں میں سب سے زیادہ جس شاخ نے ترقی کی وہ طبقات کا سلسلہ تھا، اس خاص شاخ کے قائم کرنے سے مورخین اسلام کا یہ مقصد تھا کہ اسلام میں جو مختلف المذاق مختلف المذاہب اور مختلف الحیثیات علماء پیدا ہو گئے ہیں، اُن کے حالات اور واقعات جدا جدا کتابوں میں لکھے جائیں اس بنا پر حکماء نے حکماء کے حالات لکھے، شعراء نے شعراء کے واقعات قلمبند کئے، احناف نے علماء حنفیہ کے حالات جمع کئے شافعیہ نے شافعی علماء کے حالات میں کتابیں لکھیں، غرض چند دنوں میں اس شاخ نے اس قدر ترقی کی کہ فقہاء، محدثین، اور متکلمین سے گذر کر گویوں، اور شہسواروں کے حالات میں کتابیں تصنیف ہوئیں کشف الظنون میں طبقات کے عنوان سے ایک باب قائم کر کے ان کتابوں کی

ایک فہرست درج کی گئی ہے، جس سے اس سلسلہ کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے،
اس وقت ہم کو اس سلسلہ کی ایک خاص شاخ طبقات الحکماء سے بحث ہے اس
شاخ میں مورخین اسلام نے جو کتابیں لکھیں اُن میں مشہور کتابوں کے نام حسب ذیل
ہیں،۔

نام کتاب	نام مصنف
طبقات الاطباء	ابن جلجل اندلسی
طبقات الحکماء	شہرستانی مصنف ملل ونحل
اخبار الاطباء	ابن دایہ
طبقات الحکماء المسمی بصوان الحکمۃ	ابن صاعد
تاریخ الحکماء	شہرزوری
عیون الانباء فی طبقات الاطبا	شیخ موفق الدین احمد بن قاسم بن ابی اصیبعہ
اخبار الحکماء	وزیر علی بن یوسف قفطی،

تینوں آخر الذکر کتابوں میں تاریخ الحکماء شہرزوری کا نہایت عمدہ قلمی نسخہ ندوۃ العلماء
کے کتب خانے میں موجود ہے عیون الانباء فی طبقات الاطباء مدت ہوئی کہ مصر میں
چھپ گئی ہے، اخبار الحکماء قفطی پہلے لیپزگ (جرمنی) سے شائع ہوئی تھی، اسکے
بعد ۱۳۲۶ھ میں مصر میں چھاپی گئی، اور اس وقت ہم اسی کتاب پر ریویو لکھنا چاہتے
ہیں،

اخبار الحکماء

اس کتاب کے مصنف کا پورا نام جمال الدین الاکرم ابو الحسن علی بن یوسف
بن ابراہیم الشیبانی القفطی ہے، اُس کا خاندان اگرچہ اہل کوفہ سے تعلق رکھتا تھا،

لیکن وہاں سے نکل کر مصر کے ایک گاؤں قفط میں آباد ہوگیا تھا، چونکہ اس خاندان کو ہمیشہ علمی عزت حاصل رہی، اسلئے اسکو ہمیشہ سلاطین سے تعلقات رہے، مصر میں دریائے نیل کی طغیانی سے زراعت کو جو نقصان پہنچتا رہتا تھا، اُس کے انسداد کے لئے نہایت قدیم زمانے سے پل اور بند باندھے گئے تھے، اور ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا تھا، جو دیوان قدن الجسور کے نام سے موسوم تھا، مصنف کے باپ کو اس خاص صیغہ سے تعلق تھا[1] لیکن جب سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کیا، تو اُس کو وہاں طلب کر لیا، اور اُس وقت مصنف بھی اپنے باپ کیساتھ تھا، جب دولۃ الیوبیہ کو تنزل شروع ہوا، تو مصنف حلب میں چلا آیا، اس وقت حلب کا بادشاہ ملک العزیز ابن ملک الظاہر تھا، اُس نے مصنف کو اپنا وزیر بنا لیا[2] مصنف کو اگرچہ اپنے عہدے کے لحاظ سے وزارت کا کام انجام دینا پڑتا تھا، لیکن اُس کی اصلی زندگی خالص علمی زندگی تھی، یہاں تک کہ وہ گھر بار کے تعلقات سے بھی بالکل آزاد تھا، وزیر تھا لیکن عمر بھر شادی نہیں کی، گھر نہیں بنایا، بلکہ اس کے بجائے ہمیشہ کتب بینی اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہا، چنانچہ جب مرنے لگا تو سلطان ناصر شاہ حلب کو اپنی تمام کتابوں کی وصیت کر گیا جنکی قیمت پچاس ہزار دینار تھی[3]، اُس کی اس علمی زندگی کی اس قدر شہرت تھی کہ بڑے بڑے مصنفین اپنی کتابوں کو اُسکے پاس ہدیۃً بھیجتے تھے اور اس کو اپنا فخر سمجھتے تھے، چنانچہ یاقوت حموی نے جب معجم البلدان لکھی تو اُس کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھکر اُس کے کتب خانہ کے لئے روانہ کیا[4]۔

---

[1] اخبار الحکماء صفحہ ۴۹

[2] معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۱۳۹

[3] وفیات الوفیات جلد ۲ صفحہ ۱۳۱

[4] معجم البلدان ص ۱۴ جلد ۱

علم سے شوق

مصنف کے علمی شوق، شغف اور وسعت معلومات کا اندازہ خود اس کتاب سے ہوتا ہے، اُسکے کتب خانے میں اگر کسی نادر کتاب کا نسخہ ہوتا ہے تو اُس کا ذکر نہایت تفاخر کے لہجہ میں کرتا ہے، اور اُس پر خدا کا شکر بجا لاتا ہے، چنانچہ اقلیدس کے دسویں مقالہ کی جو شرح ایک یونانی حکیم لبیس نے کی تھی اُس کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے،

"یہ کتاب عربی میں آئی، اور ابن کاتب حلیم کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ میرے پاس ہے، خدا کا اس پر شکر ہے، اور قاضی ابی محمد بن عبد الباقی البغدادی الفرضی المعروف بقاضی بیمارستان نے جو دسویں مقالہ کی شرح کی تھی میں نے دیکھی، یہ نہایت عمدہ شرح ہے اُس میں عدد کے ذریعے سے شکلیں بنائی ہیں، خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس کا نسخہ ہے"

ابن ہیثم جو مسلمانوں میں ایک بہت بڑا ریاضی دان گذرا ہے اُس کی نسبت لکھتا ہے،

"میں نے اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک جزو ہندسہ میں دیکھا جو ۴۳۲ھ میں لکھا گیا تھا اور یہ خدا کا احسان ہے کہ وہ میرے پاس ہے"

اُس کی کتاب سے عموماً معلوم ہوتا ہے کہ وہ نادر اور قدیم کتابوں کی تلاش میں مصروف رہتا ہے، ابلونیوس نجار کی کتاب المخروطات کے سات مقالوں کا جب عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا تو اُس کے مقدمہ سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب آٹھ مقالوں میں ہے، اور ساتویں مقالے کا سمجھنا اسی آٹھویں مقالے پر موقوف ہے، اس بنا پر مسلمانوں کو اس کی جستجو ہوئی، لیکن کچھ پتہ نہ لگا، انہیں جستجو کرنے والوں میں ایک

مصنف بھی تھا، چنانچہ اس کتاب کے متعلق لکھتا ہے،

"اس میں شبہ نہیں کہ وہ کتاب شاہی خزانے میں داخل تھی، کیونکہ ملوک یونان ان علوم کی نہایت قدر کرتے تھے، میں نے بعض اُن لوگوں سے جو اس علم کے جاننے کا دعوے رکھتے ہیں اس مقالہ کے متعلق گفتگو کی، انہوں نے بیان کیا کہ وہ مل گیا اور اُس کے حالات بیان کرنا شروع کئے، لیکن ایسی باتیں بیان کیں جو مولف کے کلام پر منطبق نہیں ہوتی تھیں، اسلئے میں نے اُس سے اعراض کیا"

مصنف جابجا قدماء کے علمی شوق وشغف کا ذکر نہایت شیفتگی کے ساتھ کرتا ہے، اور اُس کو اپنے زمانے کی علمی ناقدردانی پر افسوس ہوتا ہے، اسکندر افرودیسی نے ارسطو کی کتابوں کی جو شرحیں لکھی تھیں فلاسفہ اسلام اُن کے نہایت مشتاق تھے، انہیں شرحوں میں ارسطو کی کتاب سماع طبعی اور کتاب البرہان کی شرحیں بھی تھیں یہ دونوں کتابیں ۱۲۰ دینار پر فروخت کرنے کے لئے یحیٰی بن عدی فیلسوف کے پاس آئیں، اور وہ قیمت ادا کرنے کی فکر میں مصروف ہوا، لیکن جب قیمت لیکر آیا تو معلوم ہوا کہ اُن لوگوں نے ان دونوں کتابوں کو ایک خراسانی کے ہاتھ تین ہزار دینار پر فروخت کر ڈالا، ابن عدی کا بیان ہے کہ ان کتابوں کی ندرت اور قدردانی کا یہ حال تھا کہ لوگ آستینوں میں چھپائے پھرتے تھے، یحیٰی بن عدی نے ارسطو کی کتاب فص سوفسطیقا، فص الخطابہ فص الشعراء کو بھی پچاس دینار پر خریدنا چاہا لیکن لوگوں نے ان کا فروخت کرنا پسند نہیں کیا اور ان کتابوں کو جلا دیا،

اس واقعہ کو لکھ کر مصنف لکھتا ہے،

"علم کی تحصیل اور اُس کے محفوظ رکھنے میں لوگوں کی ہمتوں کو دیکھو خدا کی قسم اگر ہمارے زمانے میں یہ کتابیں ہوتیں، اور مدعیان علم کے سامنے پیش کی جاتیں

تو وہ اس قیمت کا دسواں حصہ بھی نہ دے سکتے"

ان واقعات کے بعد پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنف کے اس علمی شوق، اور وسعت معلومات کا اثر خود اس کتاب پر کیا پڑا ہے؟

اس کے جواب کے لئے ہم کو پہلے اس کتاب کے تاریخی ماخذ سے بحث کرنی چاہئے،

قدیم علمی سرمایہ

مورخین اسلام نے حکماء کے حالات میں جو کتابیں لکھیں، اُن کے ماخذ پر بحث کرنے کے لئے اس امر کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ یہ کتابیں صرف حکمائے اسلام ہی کے حالات تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس میں حکمائے یونان وغیرہ بھی شامل ہیں، اس بناپر ہم کو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ مورخین اسلام کے پاس حکمائے یونان کے حالات بہم پہنچانے کا کیا ذریعہ تھا،

اسلام میں علم کہاں سے آیا؟

حکمائے یونان میں فرفوریس صوری ایک مشہور حکیم تھا جس نے ارسطو کی بہت سی کتابوں کی شرح لکھی تھی، اسی حکیم نے حکماء کے حالات میں بھی ایک نہایت مبسوط کتاب لکھی تھی، جس کا ترجمہ سریانی زبان میں کیا گیا، مورخین اسلام کے پاس حکمائے یونان کے حالات بہم پہنچانے کا سب سے مستند ذریعہ یہی سریانی ترجمہ تھا اسکے علاوہ اسحاق بن حنین نے جو یونانی کتابوں کا بہت بڑا مترجم تھا فلسفہ اور حکماء کے حالات میں ایک تاریخ لکھی تھی، یحیی نحوی کی بھی ایک تاریخ موجود تھی، ابن جلجل اندلسی نے بھی حکماء کے حالات ایک کتاب میں قلمبند کئے تھے،

جبرائیل بن بختیشوع نے بھی جو مامون کے دربار کا بہت بڑا طبیب تھا حکماء کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی اور مصنف کے پاس یہ تمام سرمایہ موجود تھا اور اُس نے اس کتاب میں ان کتابوں سے پورا فائدہ اُٹھایا ہے فرفوریوس کے اخبار الفلاسفہ کے متعلق لکھتا ہے،

"کتاب اخبار الفلاسفہ کا مقالہ رابعہ میں نے سریانی میں پایا، فن طب کی جو اجمالی تاریخ لکھی ہے وہ تمامتر اسحٰق بن حنین، اور یحیٰی نحوی کی کتاب سے ماخوذ ہے، یعقوب کندی کے حالات ابن جلجل کی تاریخ سے لئے ہیں، اور ایک جگہ اُس کی تاریخ پر اجمالی ریویو کیا ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

"تاریخ الحکماء میں اُس کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے جس میں قابل تسکین باتیں نہیں لکھی ہیں، اور کیونکر تسکین ہوسکتی ہے، اُس نے کثیر میں سے قلیل کو لکھا ہے، بایں ہمہ جو کچھ لکھا ہے، اچھا لکھا ہے"

اصطفن حرانی کے حالات میں بختیشوع کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے، نہایت صحیح، مستند اور قدیم حوالوں سے لکھا ہے،

مسلمانوں کی علمی زندگی

مصنف نے اگرچہ یہ کتاب صرف حکماء کے حالات میں لکھی ہے لیکن انہیں کے ضمن میں ایسے دلچسپ فلسفیانہ نکتے جمع کر دئے ہیں، جن سے مسلمانوں کے فلسفہ کی پوری تاریخ مرتب ہوسکتی ہے،

مسلمانوں پر ایک عام اعتراض یہ ہے کہ اُنہوں نے فلسفہ یونانی کی تمام شاخوں میں سے صرف فلسفہ ارسطو کے ساتھ اعتنا کی، اس کے جواب میں آجتک

صرف شیخ الاشراق کا نام لیا جاتا تھا جو اشراقین کے فلسفہ کے حامی تھے لیکن اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے، کہ شیخ الاشراق ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ متعدد لوگ دوسرے حکماء کے پیرو تھے، حکمائے یونان میں ابیذقلس، فیثاغورث، سقراط، افلاطون، ارسطو اساطین الحکمۃ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں، ان میں ابیذقلس تمام حکماء سے مقدم تھا، وہ جب حکمت سیکھ کر یونان میں گیا تو خلقت عالم پر ایک کتاب لکھی جس سے بظاہر معاد کا انکار ہوتا تھا۔ مصنف نے خود اس کی ایک کتاب اُس کتب خانے میں دیکھی ہے جس کو ابو الفتح نصر بن ابراہیم المقدسی نے بیت المقدس پر وقف کیا تھا، ارسطو نے اس کتاب کا رد بھی لکھا تھا لیکن مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب میں کوئی بات بظاہر شریعت یا معاد کے مخالف نہیں معلوم ہوتی۔

قدیم سرمایہ حکمت اسلام میں

فرقہ باطنیہ میں بہت سے لوگ ابیذقلس کے مذہب کے پیرو تھے، جن میں محمد بن عبداللہ الجبلی الباطنی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، محمد بن عبداللہ الجبلی قرطبہ کے رہنے والے تھے، اور وہاں ابیذقلس کے فلسفہ کا عام طور پر درس دیتے تھے، لیکن جب وہاں اُن پر کفر کی تہمت لگائی گئی، تو وہاں سے بھاگ کر مشرق کی طرف چلے آئے، اور معتزلہ اور متکلمین سے سرگرم مناظرہ رہے، مشرق سے پلٹ کر اندلس میں آئے، تو نہایت زہد و تقوی کا اظہار کیا، جس کی وجہ سے اندلس میں اُن کو مقبولیت حاصل ہوئی لیکن جب اُن کے عقائد ظاہر ہوئے تو بہت سے لوگ اُن سے برگشتہ ہو گئے، اور بہت سے لوگوں نے اُن کا مذہب اختیار کیا، حکمائے یونان میں ابیذقلس پہلا شخص ہے، جس نے تعدد صفات باری کا انکار کیا، اور یہ دعویٰ کیا کہ خود خدا کی ذات ان تمام صفات کا مظہر ہے، معتزلہ

میں ابو الہذیل علاف نے صفات باری کے متعلق یہی مذہب اختیار کیا ہے،

ابیذقلس کے علاوہ یونان کے جسقدر مشہور حکماء تھے اُن کی کتابیں عربی زبان میں آئیں، اور متداول رہیں، افلاطون کی کتاب السیاستہ کی تفسیر حنین بن اسحاق نے کی اور اُس کو یحییٰ بن عدی وغیرہ نے نقل کیا، افلاطون کے رسائل عام طور پر موجود تھے چنانچہ مصنف لکھتا ہے کہ اُس کے رسالے موجود ہیں"

اقلیمون ایک بہت بڑا فلسفی تھا جو بقراط کا معاصر تھا، اُس نے فلسفۂ طبعی کے ساتھ علم فراست اور قیافہ میں بہت بڑی مہارت حاصل کی تھی، اُس نے اس فن کے متعلق جو کتاب لکھی تھی اُس کا یونانی سے عربی زبان میں ترجمہ ہوا، مصنف لکھتا ہے کہ اور اس فن میں اُس کی ایک مشہور تصنیف ہے، جو یونانی سے عربی میں آئی،،

ابرخس ایک بہت بڑا ریاضی داں کلدانی حکیم تھا، اُس نے بہت سے آلات رصدیہ ایجاد کئے تھے، اور رصد کے ذریعہ سے نہایت صحیح مسائل استخراج کئے تھے، بطلیموس کی ہئیت کا تمام تر دارو مدار اسی حکیم کی تحقیقات پر ہے، چنانچہ مجسطی میں اُس کا ذکر اکثر کرتا ہے اُس نے اسرار نجوم کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی جو عربی زبان میں آئی، اور غالباً مصنف کی نظر سے گذری تھی، چنانچہ اُس کے متعلق وہ اجمالی ریویو کرتا ہے کہ جو شخص اس کتاب سے واقف ہوگا وہ شہادت دیگا کہ اس کتاب کا مولف اس علم کا بہت بڑا ماہر تھا،،

ارسطیفن یونان کے اُن حکماء میں شمار کیا جاتا ہے، جس کی طرف حکمائے یونان کا ایک خاص فرقہ منسوب ہے، مشائین کے فلسفہ کے رواج کے بعد اُس کا فلسفہ اگرچہ بالکل مٹ گیا، لیکن اُس کی جو کتابیں حکمائے اسلام کے ہاتھ آئیں اُنھوں نے اُس کی نقل واصلاح اور شرح کی، چنانچہ مصنف لکھتا ہے،

اُس کی کتابوں میں کتاب الجبر ہے جو حدود کے نام سے مشہور ہے، ایسا نوٹ

[redacted]

محمد بن محمد الحاسب نے اُس کی نقل کو اصلاح کی، اور اُنہوں نے اس کی شرح بھی کی اور براہین ہندسیہ سے اُس کی توجیہ کی،،

اوطولوقس یونان کا بہت بڑا ریاضی دان تھا، اُس کی تمام کتابیں حکمائے اسلام میں عام طور پر متداول تھیں، اور یعقوب کندی نے اُس کی کتاب کرہ متحرکہ کی اصلاح بھی کی تھی، چنانچہ مصنف لکھتا ہے،

"وہ بہت سی کتابوں کا مصنف ہے، جو علماء میں مشہور اور متداول ہیں، ان کتابوں میں کتاب الکرۃ المتحرکہ بھی ہے، جس کی کندی نے اصلاح کی ہے،،

اور یباسیوس ایک یونانی طبیب تھا، اور اسقدر گمنام تھا کہ تاریخوں میں اُس کا ذکر بھی نہیں، لیکن اُس کی کتابیں موجود تھیں، چنانچہ مصنف اُس کے حال میں لکھتا ہے،

"تواریخ اطباء میں اُس کا ذکر نہیں ہے، اُس کا پتہ اُس کی تصنیفات سے چلتا ہے"

برقلس ایک حکیم تھا، جو فلسفہ افلاطون کا بہت بڑا حامی تھا اسی بنا پر اُسکو افلاطونی کہتے تھے اُس نے دہر کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی، جس کے رد میں خاص طور پر یحیی نحوی نے ایک کتاب لکھی، اور وہ کتاب خود مصنف کے پاس موجود تھی، چنانچہ لکھتا ہے،

"اُس کا نام برقلس ہے، جو دہر کا قائل تھا، خاص اُس کے رد میں یحیی نحوی نے ایک کتاب لکھی جو میرے پاس ہے، اور ہر احسان پر خدا کا شکر ہے،،

غالباً مختار بن عبدون بن بطلان بغدادی جو ایک عیسائی طبیب تھا اُسکے فلسفہ کا بہت بڑا شائق تھا، چنانچہ مصنف لکھتا ہے،

"مختار بن عبدون بن بطلان بغدادی جو عیسائی طبیب ہے کہتا ہے کہ برقلس

اہل لاوقیہ سے تھا، اور ابن بطلان علوم متقدمین اور اُن کی کتابوں اور حالات کا بہت زیادہ مطالعہ کیا کرتا تھا اور جو کچھ اُن کے متعلق نقل کرتا تھا اُس میں اتہام کی گنجائش نہ تھی،،

تینکلوشس ایک بابلی حکیم تھا ضحاک نے کواکب سبعہ کے نام پر جو سات مکان بنائے تھے اور اُن کو جن حکماء کے حوالے کیا تھا اُن میں ایک یہ حکیم بھی تھا اُس نے ایک کتاب الوجوہ والحدود کے نام سے لکھی تھی، اور وہ حکمائے اسلام میں عام طور پر مشہور تھی، چنانچہ مصنف اُس کے متعلق لکھتا ہے کہ "یہ کتاب مشہور اور عام طور پر موجود ہے"!

دیمقراطیس نے خیرء الذی لا تیجزی کے متعلق جو کتاب لکھی تھی وہ یونانی سے سریانی اور سریانی سے عربی زبان میں آئی، چنانچہ ترکیب اجسام کے متعلق متکلمین کا آجتک یہی مذہب ہے،

ذیوفنطس جبرو مقابلہ کا بہت بڑا ماہر تھا اُس نے اس فن میں جو کتاب لکھی تھی اُس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور تمام حکمائے اسلام کا اُس پر عمل رہا چنانچہ مصنف لکھتا ہے،

"اُس کی کتاب فن جبر و مقابلہ میں ہے اور وہ مشہور کتاب ہے جو عربی میں آئی اور اس فن کے علماء کا اُس پر عمل ہے، اگر کوئی شخص اُس پر تبحرانہ نگاہ ڈالے گا تو اُس کو اس فن کا دریا پائیگا"!

حکمائے اسلام کو نقل و ترجمہ کا اس قدر شوق تھا کہ وہ ضعیف الرائے حکماء کی کتابوں کا بھی بشوق ترجمہ کرتے تھے، اروِنس یونان کا ایک طبیب تھا، جس نے فن طب کے متعلق نہایت کثرت سے کتابیں لکھی تھیں، لیکن چونکہ یہ طب کا ابتدائی زمانہ تھا، اسلئے ارسطو اور جالینوس کے زمانے میں جب اس فن کو ترقی ہوئی، تو

اُس کے تمام مسائل غلط ثابت ہوئے، چنانچہ ان دونوں حکیموں نے اُس کی تردید میں کتابیں لکھیں حکمائے اسلام کو ان محققانہ تصنیفات کے ہوتے ہوئے اُس کی کتابوں کی ضرورت نہ تھی، لیکن اُنھوں نے اُس کی تمام کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر لیا، چنانچہ مصنف لکھتا ہے "زُحل میں اُس کی بہت سی کتابیں ہیں جو عربی میں نقل کی گئیں"۔

صرف فلسفہ، طب، اور ریاضی ہی کی کتابوں کی تخصیص نہ تھی، بلکہ مذہبی دعائیں اور سورتیں، اور تمدنی قوانین کا بھی عربی میں ترجمہ کیا گیا، سنان ابن ثابت ایک صابی المذہب طبیب تھا، اُس نے ہرمس کے تمام قوانین، اور اُن مذہبی دعاؤں اور سورتوں کا عربی میں ترجمہ کیا جو صابیوں کی نمازیں پڑھی جاتی تھیں، اسی نے ارشمیدس کی کتاب المثلثات کا ترجمہ بھی سریانی سے عربی زبان میں کیا،

مُسلمانوں نے مُردہ فلسفہ کو زندہ کیا

علمائے یونان میں فورون ایک حکیم تھا جس کی طرف فرقہ لدنیہ منسوب ہے فورون فیثاغورس اور شالیس ملطی کے فلسفہ کی تعلیم دیتا تھا اور یہ فلسفہ ارسطو سے سیکڑوں برس پہلے تمام یونان اور مصر میں رائج تھا، ارسطو نے کتاب الحیوان میں لکھا ہے کہ سقراط کے زمانے سے لوگوں نے اس فلسفہ کو چھوڑ کر فلسفہ مدینہ کی طرف توجہ کی، اور یہی فلسفہ مدینہ، سقراط، افلاطون، اور ارسطو کا فلسفہ ہے، لیکن حکمائے اسلام نے اس فلسفہ کو جو سقراط کے زمانے میں مُردہ ہو چکا تھا زندہ کیا اور اس کے متعلق کتابیں تصنیف کیں، چنانچہ مصنف لکھتا ہے "متاخرین میں بہت سے لوگوں نے فیثاغورس اور اُس کے انصار کے مذہب پر کتابیں لکھیں اور اُن کے ذریعہ سے فلسفہ طبیعہ قدیمہ کی حمایت کی اور

انہیں مصنفین میں محمد بن زکریا رازی بھی ہے، کیونکہ وہ ارسطو کا سخت مخالف تھا، لیکن اُس کی رائے ضعیف تھی جیسا کہ میں اُس کے حالات میں بیان کروں گا،،

بطلیموس کے قبل سالاوس ایک ریاضی دان حکیم تھا چنانچہ خود بطلیموس نے مجسطی میں اُس کا ذکر کیا ہے، علم ہیت کے متعلق اُس کی تمام کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا، مصنف لکھتا ہے کہ اُس کی کتابوں کا سریانی میں پھر عربی میں ترجمہ کیا گیا،،

اطبائے یونان میں ایک خاص فرقہ اسکندرائیین کے لقب سے ملقب تھا، اس فرقہ نے اسکندریہ میں ایک طبی دارالعلوم کی بنیاد ڈالی تھی، اور جالینوس کی کتابوں کی شرح، تفسیر، اختصار ایک خاص ترتیب سے کیا تھا، ان اطباء میں اصطفن اسکندرانی، جاسیوس، انقیلاوس، مارینوس کا نام خاص طور پر امتیاز رکھتا ہے، اور یہی اس فرقہ کے ارکان اربعہ تھے، حکمائے اسلام میں ابن رضوان مصری نے اسی فرقہ کے طرز پر طب میں ایک کتاب لکھی تھی، چنانچہ مصنف لکھتا ہے،

"میں نے اُس کی ایک کتاب طب میں دیکھی جو کتب جالینوس کی ترتیب اور اُس کی قراءت کے طریقے کے متعلق تھی، اُس نے اسکندرانیین کی روش اختیار کی ہے،،

مسلمانوں کی تنقید فلسفہ ارسطو پر

خود ارسطو کی مخالفت میں متعدد حکماء نے کتابیں لکھیں، منطق کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کی مخالفت کی جاتی، لیکن علی بن احمد نے حدود منطق میں ایک کتاب لکھی، اور اُس میں یہ جدت کی کہ شرعی اور فقہی مثالوں کے ذریعہ سے تمام

مسائل کو سمجھایا، اسی کتاب میں اُس نے ارسطو کے بعض اصول کی بھی مخالفت کی، چنانچہ مصنف لکھتا ہے۔

"اُس نے علم منطق کی طرف توجہ کی اور اُس میں ایک کتاب تالیف کی جس کا نام کتاب التقریب لحدود والمنطق رکھا، اُس میں نہایت تفصیل سے معرف کے طریقے بتائے، اور شرعی اور فقہی مثالیں استعمال کیں اور ارسطو کی جو اس فن کا بانی ہے مخالفت کی لیکن یہ اُس شخص کی مخالفت ہے جس نے ارسطو کی غرض نہیں سمجھی اسلئے اُس کی کتاب سخت غلط اور لچر پوچ ہے"

یحیی نحوی کو فلسفہ یونان کی تردید سے خاص طور پر دلچسپی تھی، اُس نے برقلس اور نسطورس کے رد میں کتابیں لکھی تھیں اسی سلسلہ میں اُس نے ارسطو کے رد میں بھی ایک کتاب چھ مقالوں میں لکھی تھی، لیکن مخالفین ارسطو میں محمد بن زکریا رازی کا نام خاص شہرت رکھتا ہے، مصنف اُس کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ ضعیف رائے کی بنا پر جیسا کہ میں اُس کے حالات میں ذکر کروں گا ارسطو کا سخت مخالف تھا"

صرف ارسطو ہی کی خصوصیت نہیں ابن زکریا رازی کو رد و قدح میں خاص ملکہ حاصل تھا چنانچہ اُس کی اکثر تصنیفات تردید ہی میں ہیں مصنف نے اُس کے حالات میں کسی خاص مسئلہ کا ذکر نہیں کیا جس سے اُس کی رائے کے ضعف و قوت کا اندازہ ہوتا صرف اُس کے حالات میں اسقدر لکھا ہے،

"محمد بن زکریا رازی کو الہیات دتھیالوجی) میں انہماک تھا جس سے اُس میں اضطراب پیدا ہوا اور اُس نے ضعیف رایوں کی تقلید کی، اور بدترین مذہب اختیار کیا، اور ایسی قوم کی ہجو کی جن کی غرض اُس نے نہیں سمجھی اور نہ اُن کے طریقہ کی ہدایت پائی"

مسلمانونکی قدیم فلسفی تحقیق فلسفہ جدیدہ کے موافق ہے

ابن ذکریائے رازی کی کوئی کتاب اس وقت موجود نہیں، جس سے ہم مصنف کی رائے کی تصدیق کر سکتے، لیکن کتب حکمت میں اُس کے جو جستہ جستہ اقوال مذکور ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اُس کی تمام کتابیں محفوظ ہوتیں تو اس زمانہ میں یقیناً اُس کو اپنے کارناموں کی داد ملتی،، ذکریا رازی خلاء کے وجود کا قائل ہے، جو موجودہ سائنس کے بالکل مطابق ہے، وہ اس بات کا بھی قائل ہے کہ خلاء میں قوت جاذبہ پائی جاتی ہے، اور اس سے مسئلہ جذب وکشش کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ مواقف میں ہے کہ ''ابن ذکریاء کا قول ہے کہ خلاء میں قوۃ جاذبہ ہے،،

اُس نے ایک خاص کتاب سبب وقوف الارض فی وسط السماء کے نام سے لکھی تھی، جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ زمین وسط میں کیوں ساکن ہے، اُس نے ایک کتاب اور بھی لکھی جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ مقناطیس کیوں لوہے کو کھینچ لیتا ہے، ان کتابوں کے موضوع سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جذب وکشش کا قائل تھا،

ہندوؤں کا فلسفہ اسلام میں

بہرحال ان تمام واقعات کے یکجا کرنے سے یورپ کا یہ الزام کہ مسلمان ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے، اور خود کچھ بھی نہیں کرتے تھے بالکل بے بنیاد ثابت ہوتا ہے، لیکن ابھی ہم کو اسی پر قناعت نہیں کرنی چاہئے، ہم پر طعن وتشنیع کرنے والے صرف اہل یورپ ہی نہیں ہیں، بلکہ ہندو بھی ہیں، پارسی بھی ہیں، اس

بنا پر اگر ایک انگریز خاموش ہو جائیگا، تو ایک ہندو بول اُٹھے گا کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے علوم وفنون کے ساتھ کیا سلوک کیا، اور پارسی تو صاف صاف کہدینگے کہ مسلمانوں نے ایرانیوں کے تمام علوم وفنون کو برباد کر دیا، ان الزامات کے جواب اور کتابوں سے بھی دئے جاسکتے ہیں، لیکن ہمارے لئے صرف یہی کتاب کافی ہے، مسلمانوں میں سب سے بڑا فلاسفر جس نے سب سے پہلے فیلسوف کا لقب حاصل کیا وہ یعقوب کندی تھا، اور وہ ایرانی، یونانی، ہندی تین فلسفوں کا جامع تھا، چنانچہ مصنف لکھتا ہے،

"کندی مذہب اسلام میں یونانی، فارسی، ہندی فلسفہ کا ماہر مشہور ہے"،

ہارون رشید کے زمانے میں فضل بن نوبخت ایک ایرانی النسل حکیم تھا، اور وہ عام طور پر ایرانی فلسفہ کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرتا تھا، چنانچہ مصنف اُس کی نسبت لکھتا ہے،

"وہ جس قدر حکمت فارسیہ کی کتابیں پاتا تھا، عربی میں نقل کرتا تھا، اُس کے علم اور اُس کی کتابوں کا مدار فارسی کتابوں پر تھا"،

ہنود کے علوم وفنون کی جو کتابیں ہاتھ آئیں اُن کا عربی زبان میں ترجمہ کر لیا گیا، خلیفہ منصور کے زمانے میں ۱۵۶ھ میں ہندوستان کا ایک مشہور ریاضی دان آیا، اُس نے نجوم اور حرکات کواکب کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی، منصور کے حکم سے اُس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اس کتاب کے ذریعہ سے محمد بن ابراہیم الفزاری نے ایک کتاب لکھی اور مامون رشید کے زمانہ تک تمام لوگ اُسی کتاب پر عمل کرتے رہے، چنانچہ ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کے لئے اُس کا اختصار کیا اور ایک زیج تیار کی جو عام طور پر اسلامی ممالک میں مشہور تھی،

ہنود کے تمام علوم و فنون اگر عربی زبان میں نہیں آئے، تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ بعد مسافت کی وجہ سے بلاد اسلامیہ اور ہندوستان میں علمی تعلقات قائم نہ ہو سکے، تاہم ہنود کا جو کچھ ذخیرہ ہاتھ آیا اُس کو علمائے اسلام نے نہایت قدردانی کی نگاہ سے دیکھا، علم نجوم میں اہل ہند کے تین مشہور مذہب تھے، مذہب سند ہند، مذہب اجبھر، مذہب ارکند، لیکن ان مذاہب میں صرف اہل سند ہند کا مذہب ممالک اسلامیہ میں پھیلا، اور محمد بن ابراہیم فزاری، حبش بن عبداللہ البغدادی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، حسین بن محمد بن حمید المعروف بابن الآدمی وغیرہ نے اُس کے ذریعہ سے زیج لکھی، نجوم کے علاوہ ایک موسیقی کی کتاب بھی علمائے اسلام تک پہونچی، علم حساب میں بھی اہل ہند کی ایک تصنیف ہاتھ آئی اور محمد بن موسیٰ خوارزمی نے اُس کی تشریح کی، لیکن مسلمانوں کے علمی شوق نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ بعض لوگوں نے علمی تحقیقات کے لئے خود ہندوستان کا سفر کیا، چنانچہ محمد بن اسمٰعیل تنوخی جو مشہور منجم تھا ہندوستان آیا، اور علم نجوم کے متعلق مفید معلومات حاصل کر کے واپس گیا، چنانچہ مصنف اُس کے حال میں لکھتا ہے،

"علم نجوم کی جستجو میں ملکوں کا سفر کیا اور اُس کے لئے ہندوستان آیا اور وہاں سے علم نجوم کے متعلق عجیب وغریب مسائل سیکھ کر واپس گیا انہیں مسائل میں حرکۃ اقبال وادبار وغیرہ بھی ہیں"،

یونان، ایران، ہندوستان کے علاوہ مسلمانوں کو جہاں سے جو کچھ علمی ذخیرہ ہاتھ آیا اُس کو اُنہوں نے عربی میں لے لیا، یحیٰی بن اسحاق ایک نصرانی طبیب تھا، جو طبابت کے ساتھ خلیفہ عبدالرحمٰن ناصر کا وزیر بھی تھا، اُس نے طب کے متعلق پانچ جلدوں میں ایک کتاب روم کے مذہب پر لکھی جس کا نام ابریسم ہے چنانچہ

مصنف لکھتا ہے:۔

"اُس کتاب میں اُس نے روم کا مذہب اختیار کیا، کیونکہ اس قسم کو اندلس میں یہ شہرت اور یہ استقرار آج تک حاصل نہیں ہوا تھا"۔

اس قسم کے اور واقعات بھی اس کتاب میں مل سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے فلسفہ ریاضی اور طب کی تحقیقات میں صرف یہ مسلک اختیار کیا تھا کہ

متاع خوش ز ہر کان کہ باشد

اخیر میں اگر فلسفۂ ارسطو کو مقبولیت عام حاصل ہوئی تو اُس کے ناگزیر اسباب تھے، ورنہ ابتداء میں مسلمانوں نے فلسفہ کو محض فلسفہ کی حیثیت سے سیکھا تھا، اس میں ارسطو کی کوئی خصوصیت نہ تھی،

سلاطین اسلام کا ذوق علمی

ماموں رشید کو فلسفہ یونان کے تراجم کا جس طرح شوق پیدا ہوا، اور اُس نے اس غرض کے لئے جسقدر حکماء اور اطباء جمع کئے، اُس کی شہرت نے دوسری علمی تحریکوں کو اسقدر دبا لیا کہ فلسفہ کے ساتھ اب صرف ماموں ہی کا نام آتا ہے، اور دوسرے لوگ اس علمی شہرت سے محروم رہ جاتے ہیں، لیکن اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے سلاطین، وزرا اور اہل علم کا بھی اس علمی کوشش میں بہت کچھ حصہ ہے سب سے پہلے منطق کی کتابوں کا ترجمہ ابن مقفع نے ابوجعفر منصور کے لئے کیا مجسطی کی تفسیر اور شرح سب سے پہلے یحییٰ بن خالد بن برمک نے کروائی، اور اُس کے متعلق اسقدر اہتمام کیا کہ جب اہل علم کی ایک جماعت نے اُس کی تفسیر کی، اور اُس کو پسند نہ آئی، تو اُس نے ابو حسان

اور سلمان کو جو بیت الحکمتہ سے متعلق تھے طلب کیا، ان دونوں نے قابل مترجمین کے ذریعہ سے اُس کی تصحیح کی یحییٰ نے ان تمام تراجم کو جانچ کر اُن میں بہترین نسخہ کا انتخاب کر لیا،

سیف الدولہ کو بھی تراجم کا بیحد شوق تھا، اُس کا عام قاعدہ یہ تھا کہ جب وہ کھانا کھاتا تھا تو اُس کے دستر خوان پر ۲۴ طبیب موجود رہتے تھے ان اطباء میں جو شخص دو علم جانتا تھا اُس کو دو وظیفے، اور جو شخص تین علم کا ماہر ہوتا تھا اُسکو تین وظیفے دئے جاتے تھے۔ انہیں اطباء میں عیسیٰ نفسی بھی تھا جو تین وظیفے حاصل کرتا تھا، ان وظائف میں ایک وظیفہ سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے معاوضہ میں دیا جاتا تھا،

بنو منجم نے بھی جو بنو شاکر کی اولاد میں تھے بہت سی کتابیں ترجمہ کروائیں، حنین بن اسحاق، حبیش بن الحسن، ثابت بن قرہ، راس المترجمین تسلیم کئے گئے ہیں، اور یہ سب بنو منجم کے وظیفہ خوار تھے، اور ان وظائف کی تعداد پانچسو دینار ماہوار تھی موسیٰ بن شاکر ماموں کے منجمین میں تھا، اُس کے تین بیٹے محمد بن موسیٰ، احمد، حسن ریاضی، ہندسہ، ہیت، نجوم، علم الحیل وغیرہ کے بڑے ماہر تھے، علم الحیل میں ان کی متعدد کتابیں ہیں، جو حیل بنی موسیٰ کے نام سے مشہور ہیں، ان تینوں بھائیوں نے روم کی اطراف سے بہت سی یونانی کتابیں منگوائیں، دُور دُور سے مترجمین طلب کئے، اور اُن کے لئے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور علوم حکمیہ کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا۔

مسلمان حکومتوں کی علمی قدردانی

ایشیاء میں چونکہ ہمیشہ شخصی سلطنت قائم رہی۔ اس بنا پر، علم، مذہب،

اخلاق، و عادات. غرض تمام چیزیں اس شکنجہ میں جکڑی ہوئی تھیں، اسلئے ہر ایک چیز میں سلطنت کا اثر صاف نمایاں ہوتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب جس قدر زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے، جس قدر قوای عقلی آزادی کی آغوش میں نشو و نما پاتے جاتے ہیں، مسلمانوں کو اپنا پچھلا زمانہ تاریک نظر آتا ہے، ہم موجودہ اور گذشتہ زمانہ کا تمام چیزوں میں مقابلہ کرنا نہیں چاہتے،

لیکن علمی حیثیت سے ہم کو اس آزادی کے زمانہ کو اُس زمانہ پر کوئی ترجیح نظر نہیں آتی، قدیم زمانہ میں بہت سے بزرگ ایسے بھی تھے جو باوجود سلطنت کی خواہش کے گوشہ فقر و قناعت سے باہر نکلنا نہیں چاہتے تھے، اس زمانہ میں بھی اس قسم کے بزرگ موجود ہیں، قدیم زمانہ میں اس قسم کے لوگ بھی تھے جو صرف سلطنت کے دست پرور تھے۔ اس زمانہ میں بھی اس قسم کے لوگ کثرت سے ہیں، لیکن جب ہم ان دونوں قدیم و جدید گروہ کا مقابلہ کرتے ہیں، تو ہم کو علانیہ پچھلا زمانہ ممتاز نظر آتا ہے۔ اس لئے تاریخی حیثیت سے اس کے علل و اسباب کی جستجو کرنی چاہئے، اس کا عام سبب تو یہ بتایا جاتا ہے کہ اُس زمانہ میں سلطنت کی طرف سے جو قدردانی کی جاتی تھی اب اُس قدر نہیں کی جاتی ہم اُس کو تسلیم کرتے ہیں، ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ سیف الدولہ ہر ہر علم کے لئے الگ الگ وظیفے دیتا تھا، بنو منجم ہر مترجم کو پانچسو دینار ماہوار دیتے تھے، بنو شاکر نے بھی مترجمین کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کی تھیں ہم اس پر بھی قناعت نہیں کرتے بلکہ اس سے بھی اعلیٰ تر مثال پیش کرتے ہیں،

اسلام کی عالمگیر علمی فیاضی

جبرائیل بن بختیشوع جو ماموں کا طبیب تھا جب مرنے لگا تو اُس نے سات لاکھ

دینار کی وصیت کی اور یہ وہ رقم تھی، جو لُٹ جانے، اہل امانت کے انکار کرنے اور جائداد وغیرہ خریدنے کے بعد بچ رہی تھی، اس کی آمدنی کی تفصیل جو مصنف نے بتائی ہے، حسب ذیل ہے،

مقدار رقم	ماہوار، یا سالانہ	کیفیت
دس ہزار درہم	ماہوار	یہ عام مشاہرہ تھا،
ساٹھ ہزار درہم	سالانہ	یہ اسکو خاص طور پر ہر محرم کے مہینے میں ملتے تھے اس میں دس ہزار کے کپڑے ہوتے تھے،
ایک لاکھ درہم	"	ماموں رشید سال میں دوبار فصد لیتا تھا یہ رقم اُسی کا معاوضہ ہے،
ایک لاکھ درہم	"	ماموں رشید سال میں دو دفعہ دوا پیتا تھا یہ رقم اُسی کا معاوضہ تھی،
پچاس ہزار درہم	"	عیسےٰ ابن جعفر دیتا تھا،
پچاس ہزار درہم	"	زبیدہ ام جعفر دیتی تھی،
پچاس ہزار درہم	"	عباسہ کیطرف سے ملتے تھے،
ستر ہزار درہم	سالانہ	فاطمہ کی طرف سے مقرر تھے،
تیس ہزار درہم	"	ابراہیم بن عثمان دیتا تھا،
ایک لاکھ پچاس ہزار درہم	"	فضل بن ربیع دیتا تھا کپڑے خوشبو، سواریاں بھی انکے ساتھ ہوتی تھیں، جنکی قیمت ایک لاکھ تھی.

تعداد رقم	ماہوار، یا سالانہ	کیفیت
اسی ہزار درہم	؍؍	یہ خود اُسکی جاگیر کی آمدنی تھی،
ستر ہزار درہم	؍؍	یہ وہ آمدنی تھی جو صوبوں کے خرچ سے بچ رہتی تھی،
چھ لاکھ درہم	؍؍	یحییٰ بن خالد، دیتا تھا،
بارہ لاکھ درہم	؍؍	جعفر بن یحییٰ، عطا کرتا تھا،
چھ لاکھ درہم	؍؍	فضل بن یحییٰ، دیتا تھا،

جبرائیل بن بختیشوع کو ۲۳ برس ماموں سے اور ۱۳ برس برامکہ سے تعلق رہا، اور یہ رقم اُس کو سالانہ ملتی تھی، اس کے علاوہ جو صلے اور انعام ملتے تھے وہ اس سے الگ تھے، اس سے اُس زمانے کے سلاطین کی قدر دانی کا اندازہ ہوسکتا ہے، لیکن گذشتہ زمانے کی علمی ترقی اور اس زمانہ کے علمی تنزل کے متعلق یہ استدلال صرف علماء کی طرف سے پیش کیا جاسکتا ہے، جدید گروہ کے لئے یہ دلیل بالکل بیکار ہے، اس کے ساتھ دیسی ریاستوں میں فیاضیوں کا جو بادل برستا ہے اُس سے زیادہ تر فقراء علماء اور زہد پیشہ ہی لوگ سیراب ہوتے ہیں، لیکن باایں ہمہ علمی معیار روز بروز پست ہوتا جاتا ہے، بہرحال انعام وصلات کی توقع علمی تحریک کا ذریعہ ہو تو ہو لیکن وہ علمی ترقی کا ذریعہ نہیں ہوسکتی اسلئے ہم کو اس کا اصلی سبب بتانا چاہئے،

رؤسائے اسلام کا علمی شغف

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ علمی ترقی اور علمی سرپرستی کا دعوے رکھتے ہیں، وہ خود علم وعمل سے بے بہرہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ کسی علمی تحریک کو سرسبز نہیں کرسکتے قدیم زمانہ میں جو امراء و سلاطین علوم وفنون کو ترقی دیتے تھے،

وہ خود بہت بڑے عالم ہوتے تھے، اسلئے وہ اہل علم کو پہچانتے تھے، اہل علم کا خاندانی لحاظ رکھتے تھے، اُن کا امتحان لیتے تھے، اسلئے اُن کی خدمت میں وہی شخص کام کر سکتا تھا، جو خود بہت بڑا عالم ہوتا تھا، اسلئے خود بخود علم کو ترقی ہوتی تھی، ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے جب مجسطی کی تفسیر کا حکم دیا، اور اُس کو پسند نہ آئی، تو اُس نے اس کو دوسرے مترجمین کے حوالہ کیا، جب مترجمین نے اُس کی تصحیح کی تو سب سے بہتر نسخہ کا اُس نے خود انتخاب کیا، لیکن کیا ہندوستان کا کوئی رئیس مجسطی کا نام بھی جانتا ہے،

اہل علم کیساتھ اسلام کا سلوک کیا تھا؟

جبرائیل بن عبید اللہ جب شیراز میں آیا، تو یہ عضد الدولہ کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا، شیراز میں جبرائیل کی شہرت ہوئی تو عضد الدولہ نے اُسکو طلب کیا، اور آنکھ کی دونوں رگوں کے متعلق اُس کا امتحان لیا اُس نے نہائت خوبی کے ساتھ تقریر کی، عضد الدولہ کو اُسکی تقریر پسند آئی، اور اُس کے لئے وظیفہ مقرر کیا،

ایک مرتبہ صاحب ابو القاسم بن عباد معدہ کے ایک سخت مرض میں مبتلا ہوا، اُس نے عضد الدولہ سے طبیب طلب کیا، عضد الدولہ نے تمام اطباء کے مشورے سے ابو عیسیٰ کو منتخب کیا، صاحب نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ اُسکو اپنا مہمان کیا، جب ایک ہفتہ گذر گیا تو اُس نے اُس کو طلب کیا، وہ آیا تو اُس سے مناظرہ کرنے کیلئے اہل علم کی ایک جماعت تیار رکھی، اس میں سے ایک شخص مناظرہ کے لئے منتخب ہوا اور نبض کے متعلق چند سوالات کئے، ابو عیسیٰ نے اس تفصیل اور خوبی کے ساتھ جواب دیا کہ تمام مجمع دنگ رہ گیا، چنانچہ اس امتحان کے بعد صاحب نے اُسکو خلعت عطا فرمایا، صاحب نے اُس سے ایک کتاب بھی لکھوائی جس کے صلہ میں ہزار دینار کی کوئی

چیزوی،

موسیٰ بن شاکر جو مامون کا منجم تھا جب مرگیا تو مامون نے اسکی اولاد کیساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کیا انکو اسحاق بن ابراہیم مصعبی، اور یحیی بن ابی منصور کی نگرانی میں بیت الحکمہ میں رکھا اور روم سے خط و کتابت کے ذریعہ سے انکے حالات دریافت کیا کرتا تھا، اس علمی مشغلہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بنو شاکر علم الحیل علم ریاضی اور نجوم کے سب سے بڑے استاد ہوگئے، اور ان کی کوشش سے یونانی کتابوں کے ترجمے ہوئے، حالانکہ مالی حیثیت سے ابتدا میں ان کی حالت نہایت ابتر تھی، صرف انہیں کی خصوصیت نہیں بلکہ مامون کی خدمت میں جس قدر اہل علم تھے انکو وظیفے بہت کم ملتے تھے، چنانچہ مصنف لکھتا ہے کہ "اصحاب مامون کے وظیفے عموماً خراسان کے طریقے کے موافق بہت کم تھے"

لیکن مامون کے زمانے میں جو علمی ترقی ہوئی، وہ اسلام کی تیرہ سو برس کی وسیع مدت میں نہ ہو سکی، اور اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے بتایا کہ علم کی سرسبزی محض ابر کرم کی بارش ہی سے نہیں ہوتی بلکہ اہل علم کی صحبت، علمی مشغلہ، اور فضلاء کی نگرانی سے ہوتی ہے،

مسلمان بحیثیت مذہب، علم سے دلچسپی رکھتے تھے

اس زمانہ میں جب کسی علمی کام کی بنیاد پڑتی ہے، تو عموماً اہل ثروت، اور اہل جاہ طلب کئے جاتے ہیں، اور شروع سے اخیر تک انہیں کی موجودگی میں یہ کام انجام پاتا ہے، لیکن اس زمانے میں صرف اہل علم کی شرکت اور اعانت سے اس قسم کے کام انجام پاتے تھے، شرف الدولہ نے جب بغداد میں رصدخانہ تیار کرایا تو ویجن بن رستم کوہی کو اس کا افسر مقرر کیا، ویجن نے آلات رصدیہ کے ذریعہ سے جن مسائل کی تحقیقات

کی اُن کی صحت و تصدیق کے لئے دو محضر مرتب کئے گئے، اور اُس پر تمام فقہا، منجمین، ریاضی دان علماء نے دستخط ثبت کئے، چنانچہ ہم ایک محضر کے ابتدائی فقرے نقل کرتے ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم اجتمع من ثبت خطہ وشہادتہ فی اسفل ھذا الکتاب من القضاۃ ووجوہ اھل العلم والکتاب والمنجمین والمھندسین الخ یعنی یہ وہ میموریل ہے جس کی ذیل میں بطریق شہادت و ثبوت قاضیان اسلام و علما وارباب انشا و فضلائے علم ہئیات و فلکیات و ہندسہ (انجنیرنگ) کے دستخط ثبت ہیں۔

اس کے بعد رصدخانہ کے مقام کی تعیین، تاریخ، مہینہ، مسائل محققہ کی تفصیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے محضر اور سرکاری کاغذات کس قدر باقاعدہ ہوتے تھے، اس محضر پر جن علماء کے دستخط ثبت ہیں، وہ اپنے اپنے فن کے امام تھے، ابن القفطی نے اُن سب کے نام لکھے ہیں مگر ہم بغرض اختصار ترک نقل پر مجبور ہیں۔

مسلمانوں کا فلسفۂ عملی

یورپ نے اور یورپ کے ساتھ ہمارے جدید تعلیم یافتہ گروہ نے بار بار کہا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علوم و فنون کے ذریعہ سے کوئی عملی کام نہیں کیا۔ یہ الزام موجودہ حالت کے لحاظ سے بے شبہ صحیح ہے، لیکن ہم کو اس کتاب میں متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں، جن سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے، فلسفہ عملی صورت میں آنے کی کوئی چیز نہیں، ریاضی، طبعیات، طب وغیرہ کے ذریعہ سے بے شبہ عملی کام کیا جاسکتا ہے، اور حکمائے اسلام نے ان علوم سے عملی کام کئے ہیں، جعفر القطاع المعروف بالسدید البغدادی ایک حکیم تھا، جو منطق، کلام، ریاضی وغیرہ کا بہت بڑا ماہر تھا، اُس کو فن انجنیری اور عمارات کی تعمیر و تقسیم میں کامل مہارت حاصل تھی، اور غالباً اسی وجہ سے قطاع اُس کے نام کا جزو ہو گیا تھا، چنانچہ مصنف اُس کے حالات میں لکھتا ہے کہ

"... اسکے مکانوں کی تقسیم اور عمارت میں یدِطولیٰ حاصل تھا"
ابن ہیثم مسلمانوں میں ایک بہت بڑا ریاضی دان گذرا ہے، اس کے علم وفضل کی شہرت ہوئی تو حاکم مصر اسکی ملاقات کا بیحد مشتاق ہوا، اسی شوق کی حالت میں حاکم مصر کو معلوم ہوا کہ دریائے نیل کی طغیانی، اور جزرومد سے اہل مصر کو جو نقصان پہنچتا ہے، اسکے انسداد کے لئے ابن ہیثم کوئی انجنیری کام کرنا چاہتا ہے، اسلئے اس کا شوق اور بڑھا اور خفیہ طور پر اس کو مال ودولت دیکر طلب کیا، ابن ہیثم جب پہنچا، تو وہ اسکے استقبال کے لئے نکلا، اور نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ اتارا، جب ابن ہیثم کی کلفت سفر دور ہوگئی، تو حاکم مصر نے اس سے دریائے نیل کی طغیانی کے انسداد کے لئے عملی کام لینا چاہا، ابن ہیثم معماروں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا، لیکن جب اسکو مصر کے آثار قدیمہ نظر آئے، تو معلوم ہوا کہ اگر یہ کام محض ریاضی دانی پر موقوف ہوتا تو حکمائے مصر جن کی ریاضی دانی اور انجنیری کے ایسے اعلیٰ ترنمونے موجود ہیں، اس کام کو انجام دے چکے ہوتے، اس بنا پر وہ ہمت ہار گیا، بہرحال اس واقعہ سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حکمائے اسلام عملی کام بھی کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، اور اس کام کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر کرنا چاہتے تھے،

تاریخی حصہ

نہری آبپاشی قدیم ہندوستان میں

(از نمبر ۱۶۶ جناب مولانا مولوی عبداللہ العمادی صاحب)

لاجدید تحت الشمس' کرۂ آفتاب کے نیچے کوئی چیز بھی نئی نہیں' روئے زمین پر جو کچھ تم دیکھ رہے ہو' جو ایجادیں تم کو نظر آ رہی ہیں' جن اختراعات کی گرم بازاری ہے جیسی جیسی نظر فریب مادی ترقیاں محسوس ہو رہی ہیں' ان میں کوئی ایک چیز بھی ایسی نہ ہوگی جس سے کسی نہ کسی وقت میں دنیا روشناس نہ ہو چکی ہو' فرق صرف تدریجی ترقی کا ہوتا ہے' اور یہی تفاوت مراتب ہے جو نقش اول کو بھلا دیتا ہے اور نقش ثانی کو زمانۂ حال کی ایجاد بتاتا ہے' لیکن اگر یہ سچ ہے کہ فٹن' لینڈو' موٹر کار' ٹراموے' ٹرین' یہ سب دراصل رتھ اور بہلی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں اور ان خوشنما و خوش وضع اختراعات کی جانب انہیں بھدی چیزوں نے راہ نمائی کی تھی' تو کوئی وجہ نہیں کہ موجودات حال کی عزت بڑھانے کے لئے مخترعات ماضی کی وقعت گھٹائی جائے۔

آج تم دیکھ رہے ہو کہ فن جہاز رانی نے کس قدر ترقی کی ہے' مگر کل کی یہ بات کیوں بھولے جاتے ہو کہ اس فن کے پادشاہ' بقول ڈاکٹر لسٹاؤلی بان' مسلمانان عرب تھے جن کی جہاز رانی اس وقت کی دنیا میں ہر جگہ وسیع تھی اور جو لڑائیوں کے موقع پر ۱۲ سو جنگی جہازوں کا ایک عظیم الشان بیڑہ سمندر میں آگ لگانے کے لئے بھیج سکتے تھے'

آج تم رفاہ عام کے کاموں کو دیکھ دیکھ کر مبہوت ہو رہے ہو کہ مہذب ممالک میں رعایا کے سود و بہبود کے لئے کتنے وسیع پیمانے پر کام ہو رہے ہیں' مگر اس زمانہ

کو بھی تو یاد کرو جبکہ حکومتیں صرف ملک کی نگرانی و پاسبانی سے تعلق رکھتی تھیں، رعایا کو اندرونی خود مختاری حاصل تھی کہ اپنے رفاہ و فلاح کے لئے جو کام جس طرح چاہیں کریں اور اُس کے تمام مصارف گورنمنٹ کے خزانے سے ادا کئے جائیں، کیونکہ بادشاہ صرف گلہ بان رعیت کی حیثیت رکھتا ہے اور جو خراج اُسے گلہ بانی کے معاوضہ میں ملتا ہے وہ اسلئے نہیں ہے کہ ارکان سلطنت اُسکو اپنا مال سمجھیں بلکہ اس لئے ہے کہ بیت المال میں راعی و رعایا سب کے برابر برابر حقوق ہیں اور سب کو بقدر ضرورت و اقتضائے مصلحت اُس سے یکساں مستفید ہونیکا موقع ملنا چاہئے،

آج تم کو نہر پناما کے واقعات سن سن کر حیرت ہوتی ہے کہ امریکہ نے اس نہر کے ذریعہ سے دنیا پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ تم عہد قدیم کی نہر سعد، نہر معقل، نہر ابو موسیٰ، نہر امیر المومنین کو قابل تذکرہ کیوں نہیں سمجھتے جو اس ترقی کی ابتدائی شکلیں تھیں اور جو سب کی سب ایک شخص واحد نے فائدۂ عامہ کے لئے طیار کرائی تھیں،

آج تم مہذب ممالک میں محکمۂ انہار کی حیرت انگیز توسیع دیکھ دیکھ کر متعجب ہو رہے ہو کہ غریبوں کی نفع رسانی کے لئے ارباب دولت کیا کیا کر رہے ہیں، کس کس طریق سے بے آب و گیاہ زمینوں کو سیراب بناتے ہیں، شاداب کرتے ہیں، اور ترقی زراعت کی بہترین سبیلیں کیونکر نکالتے ہیں، لیکن زمانہ گذشتہ کے متعلق علامہ مقریزی (جلد اول صفحہ ۷۰) کی یہ تشریح کیوں بے حیثیت سمجھتے ہو کہ فاروق اعظم (حضرت عمر بن خطاب) نے کھیتوں میں آبپاشی کا شاہانہ وار بندوبست کر رکھا تھا، ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں، بند باندھے، تالاب طیار کرائے، پانی کی تقسیم کرنے کی غرض سے دہانے بنوائے، نہروں کے شعبے نکالے،

اور اس قسم کے تمام کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا جو اپنے فرائض باقاعدہ انجام دیا کرتا تھا۔ علامہ مقریزی یہ بھی لکھتے ہیں کہ خلافت فاروقی میں رعایا پروری و غریب نوازی کا اندازہ اس واقعہ سے کرو کہ خاص مصر میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور روزانہ اس کام (یعنی نہریں کھودنے کے کام) میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے، اسی پر قیاس کر سکتے ہیں کہ بقیہ ممالک میں کیسا وسیع انتظام رہا ہوگا اور محکمہ انہار کس شان و شکوہ سے جاری ہوگا بہرحال یہ غیر ممالک کی باتیں ہیں جن کی نظیریں خاص اپنے وطن کے مقابلہ میں زیادہ قابل اعتنا و مستحق التفات نہیں۔ ؎

نازم بہ دیار خود و بر دوست نہ فزایم
آثار در و بام صنا وید عجم را

ہندوستان کی بہت بڑی دولت اس کی نہریں ہیں جن سے اراضی کے بیشمار مربعے سیراب ہوتے ہیں اور زمینداروں کو نفع پہنچتا ہے، اس باب میں گورنمنٹ کے عظیم الشان احسانات ہرگز بھولنے کے قابل نہیں ہیں اور نہ زراعت پیشہ گروہ کے منت پذیر و احسانمند دل کسی حالت میں اس کی شکر گذاری سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں، پنجاب اس خصوصیت میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہے جس کے سات کروڑ پانچ ایکڑ اراضی کی آبپاشی صرف نہروں سے ہوتی ہے اور ان میں فصل کی پیداوار دس گونہ زائد بیان کی جاتی ہے، یہ مسرت و شادمانی اس وقت اور بھی ترقی کر جاتی ہے جب رعایا کو اپنے بیدار مغز فرماں روا (ہز آنر سر میکائیل اوڈوائر لفٹنٹ گورنر صوبہ پنجاب) کی زبان سے یہ بشارت مسموع ہوتی ہے کہ صوبہ کی خوشحالی بڑھانے کی جانب خاص توجہ ہے جس کی ذیل میں گورنمنٹ صرف یہ کر سکتی ہے کہ خدا پر بھروسا رکھے اور سلسلۂ نہر کو وسیع کرتی جائے جو

اس صوبہ کی خوشحالی کا پشت پناہ ہے اور جو قلت بارش کے اثر کو زائل کرتا ہے" رعایا کے لئے یہ امر بھی کچھ کم مسرت انگیز نہیں ہے کہ "گورنمنٹ نے نہر لوئر باری دوآب اور دوسری نہروں سے تجارتی اصول پر فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ ان کے آس پاس کی اراضی کو سرکاری اراضی سمجھ کر اُسے عام طور پر صوبہ کی خوشحالی کے کام میں لانا مناسب خیال کیا' اراضی نہر لوئر باری میں چالیس ہزار ایکڑ نئے آب رسیدہ جنگل قرار پائے' ایک لاکھ ۲۰ ہزار ایکڑ اُن لوگوں کے ہات نیلام ہوئے جو اپنا سرمایہ بہترین قسم کے کام میں لگا سکتے تھے' ایک لاکھ ایکڑ تخم ریزی وامتحان کاشت کپاس وغیرہ کے لئے مخصوص کئے گئے' چالیس ہزار ایکڑ تارکسان اوطن قابضان زمین کے تلافی مافات کے لئے' تیس ہزار ایکڑ اچھوت ذاتوں کی آبادی کے لئے' ۲۲ ہزار ایکڑ کے عطیات سات لاکھ ۲۰ ہزار عام زمینداروں کے لئے' اور ۵۰ ہزار ایکڑ خاص اعلیٰ زمینداران پنجاب کے لئے جن کی مالی حالت کچھ دنوں سے زیادہ اچھی نہیں ہے" یہ فیاضانہ داد ودہش تاریخ زرعیات ہند میں یادگار رہے گی' گو اس سکیم سے زمیندار بوجہ بے مائگی بہت کم مستفید ہو سکے اور زمین کے نیلام میں تو شاید اُنہیں کچھ بھی نہ ملا' مگر یہ باتیں اس فیاضی و فراخ حوصلگی کی وقعت نہیں گھٹا سکتیں جس کی وجہ سے ہر ایک ہندوستانی اپنی گورنمنٹ کا سپاس گزار ہے اور اُس کی عنایتوں کا رہین منت بن رہا ہے' رفاہ وفلاح ملک کے یہ بہترین ذرائع ہیں جو کوئی گورنمنٹ فراہم کرسکتی ہے' ہندوستان ناسپاس نہیں ہو سکتا کہ ان کی وقعت فراموش کر کے اپنی بدبختی کا گلہ مند رہے' ہم کو امید کرنی چاہئے کہ دوسرے صوبوں کی گورنمنٹیں بھی پنجاب کی نظیر سے فائدہ اُٹھا کر یہی نظام عمل اختیار کریں گی کہ بلائے افلاس کا استیصال ہو جائے اور ملک ہمیشہ خوش نصیب وخوشحال رہے۔

۱۸۹۱ء میں دوآبہ رچنا کی مکمل سکیم منظور ہوئی اور کرنل جیکب کی ہوشیاری اور دانائی سے وہ کامیاب ثابت ہوئی۔ خوش قسمتی سے کپتان پوپہم ینگ ایک فوجی سویلین افسر نوآبادی کے مہتمم مقرر ہوئے۔ وہ ۶ سال تک رہے۔ انھوں نے تمام مشکلات کو حل کیا اور نوآبادکاروں کا دل ہاتھ میں لے لیا۔ جب وہ ۱۸۹۹ء میں وہاں سے رخصت ہوئے تو ایک پنجابی شاعر نے جو ہومر کے مانند سورداس تھا آپ کی شان میں ایک دلکش نظم لکھی تھی۔ اس وقت سے نوآبادیاں متواتر ترقی کرتی رہیں۔

نہر لوئر چناب ۳ کروڑ کی لاگت سے تیار ہوئی ہے جو ۲۲ لاکھ ایکڑ اراضی کو سیراب کرتی ہے اور خرچ شدہ سرمایہ پر تیس فی صدی سالانہ کا منافع دیتی ہے۔ اس میں ۹ کروڑ روپیہ سالانہ کی فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی نہر پر جو لاگت آئی اس سے سہ چند روپیہ ایک ہی سال میں آمدنی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد لوئر جہلم نہر تیار ہوئی ہے۔ جو ۸ لاکھ ایکڑ اراضی کو سیراب کرتی ہے۔ جس پر ۱۹۱۲-۱۳ء میں سرمایہ پر ۲۰ فی صدی خالص مالیہ کی آمدنی ہوئی تھی۔

نوآبادی کی نئی سکیم میں تین نہریں شامل ہیں جس کی آخری لڑی اپر جہلم نہر آیندہ موسم خزاں سے آبپاشی کے لئے جاری ہو جائے گی۔ پنجاب میں لوگ زمین کے کس قدر خواہشمند ہیں وہ ان بھاری قیمتوں سے ظاہر ہے جو حال میں نیلام اراضی سے وصول ہوئی ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں پنجاب گورنمنٹ نے علاقہ چناب میں اراضی کی بازاری قیمت معلوم کرنے کی غرض سے ۹ لاکھ ایکڑ زمین فروخت کی تھی اور ۴۳ روپیہ ایکڑ کی اوسط سے قیمت وصول ہوئی تھی۔ لیکن ۱۹۱۲ء میں جب ۵ ہزار ایکڑ اراضی نیلام ہوئی تو ۲۴۱ روپیہ ایکڑ کے حساب سے قیمت حاصل ہوئی۔ لیکن نوآبادی باری دوآب میں اگلے سال

۱۸عصہ روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے نیلام ہوئی۔ دوآبہ رچنا اور دوآبہ چج کے آباد ہونے سے زمین کی مانگ بہت کچھ پوری ہوگئی ہے۔ پس دوآبہ باری میں زیادہ قیمت وصول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو نہری اراضی کی پیداوار نوآبادیوں کی سکیم کے کامیاب ہونے پر پورا بھروسا ہے۔

پنجاب میں اس وقت تک ۲۰ لاکھ ایکڑ نوآبادی لور چناب پر اور ۵ لاکھ ایکڑ لور جہلم پر ہے اور جب لور باری دوآب آباد ہوگئی تو نہری نوآبادیوں کا کل رقبہ ۴۰ لاکھ ایکڑ سے زیادہ ہو جائے گا جس کا رقبہ کاشت گندم انگلینڈ اور ویلز کے رقبہ گندم سے زیادہ ہوگا۔

پنجاب میں ۱۷ ہزار میل نہریں جاری ہیں جس کی فصلوں کی مجموعی سالانہ قیمت ۲۳ کروڑ روپیہ ہے۔ اس کی نہری اراضی کا رقبہ ہندوستان بھر کے نہری اراضی کے رقبہ سے نصف ہے۔ اور جس قدر لاگت ان نہروں پر آئی ہے گورنمنٹ کو اس پر ۱۶ فی صدی کا منافع ہے جو کسی تجارتی کاروبار میں نہیں ہو سکتا۔ باایں ہمہ بجائے نہروں کے ریلوے کی تعمیر کے لئے ہر سال زیادہ روپیہ منظور کیا جاتا ہے جس کی آمدنی ۵ فی صدی سے زیادہ نہیں ہوتی۔

"معاشراں ز زمان گذشتہ یاد آرید"

تھوڑی دیر کے لئے ہم اپنے ناظرین کو قدیم ہندوستان کی سیر کرانی چاہتے ہیں جس کی نسبت "ریلیٹ ہسٹری آف انڈیا" کے ناشر (پروفیسر جان ڈوسن - ایم - آر - ایس) کی رائے ہے کہ "ہندوستان مبتلائے آفات تھا، تاریخ میں کوئی ایسی بات نہیں بیان ہوئی کہ کچھ دیر کے لئے یہ بلائیں ملک سے رُکی ہوں" یہ رائے بے شبہ درست و صحیح ہوگی، اس لئے کہ ایک مشہور یوروپین مورخ کی فیلسوفانہ تحقیقات کا یہ نتیجہ ہے، مگر افسوس ہے کہ تمام تاریخ ہندوستان کا بیان

اس کے خلاف ہے، اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ اس بیان سے جان ڈوسن کی رائے غلط ٹھہرتی ہے" تاریخ مذکور میں رفاہ عام کے مختلف کاموں کا مفصل تذکرہ ہے، مگر ہم اس کے صفحات ۱۸۲-۱۸۵ و ۳۰۰ سے صرف ایک نہروں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو فیروز شاہ نے جاری کی تھیں، اور جن کے پانی سے ۲۷ میل یا ۹ کوس تک کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی، مورخین نے جو واقعات اس ذیل میں بیان کئے ہیں ہم نہایت مختصر لفظوں میں اُن کا اجمالی خلاصہ درج کئے دیتے ہیں

فیروز شاہ نے جب حصار کا شہر آباد کرنا چاہا تو اس زمانہ میں وہاں کی زمین بالکل ہی بے آب و گیاہ تھی، گرمی کے موسموں میں ایران و خراسان تک کے سوداگر تجارتی مال و اسباب لے کر آتے تھے اور پانی کی قلت سے تکلیف اٹھاتے تھے، پادشاہ نے پہلے تو ایک قلعہ بنوایا جس کا نام حصار فیروزہ رکھا پھر ایک خندق گردا گرد کھدوائی اور قلعہ کے اندر ایک بڑا تالاب طیار کرایا جو ہر وقت پانی سے لبریز رہتا تھا اور خندق بھی بھری ہوتی تھی، علاقہ کو شاداب و سیر حاصل بنانے کی غرض سے ایک طویل و عریض نہر دریائے جمنا کے اُس مقام سے نکالی جہاں وہ کوہستان سے نکلکر الگ جاری ہوتا ہے یہ نہر کرنال ہو کر ہانسی حصار پہنچتی تھی اور پھر دریائے گھاگھرا میں گرتی تھی، اس کا نام "راجِ واہ" تھا، دوسری نہر دریائے ستلج سے نکالی تھی جس کا نام "الغ خانی" تھا، یہ دونوں نہریں ہو اصل میں نہریں نہیں بلکہ دو دریائے مواج سے مشابہ تھیں، کرنال کے قریب سے گزرتی ہوئی ۸۰ میل کا فاصلہ طے کر کے باہم مل جاتی تھیں اور پھر اسی حالت میں شہر حصار فیروزہ کے ارد گرد چکر لگاتی تھیں، ڈھائی برس میں یہ نہریں طیار ہوئی تھیں اور ان کے تمام مصارف سرکاری خزانہ سے ادا کئے گئے تھے نہ رعایا سے کوئی ٹیکس لیا گیا تھا اور نہ کسی قسم کا محصول باندھا

کیا تھا نہروں سے بے شمار شاخیں اور جدولیں نکالی تھیں جو زمین کو مفت میں سیراب کرتی تھیں اور اس کا کوئی محصول نہیں دینا پڑتا تھا۔ گرد اگرد باغ لگوا دیئے تھے جن میں ہر قسم کے میوے ہوتے تھے، اور یہ سب اور ان کے قرب وجوار کی زمینیں وقف کردی تھیں کہ ان کی آمدنی سے محکمۂ انہار کا خرچ چلے، پہلے ان مقامات میں صرف ایک فصل (خریف) ہوتی تھی، پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے گیہوں پیدا ہی نہ ہوتا تھا، اب تمام فصلیں ہونے لگیں، ہزاروں لاکھوں ایکڑ نئی زمین آباد ہوگئی اور سارا علاقہ اس خیر جاری کی طفیل میں باغ وبہار بن گیا۔

ایک اور شہر فتح آباد کے نام سے بھی آباد کیا تھا اور وہاں بھی اسی طرح کی ایک بڑی نہر لایا تھا جس سے علاقہ کے تمام اضلاع وقصبات وقریات سیراب ہوتے تھے، اس نہر کے ذریعہ سے کچھ اوپر ڈھائی سو میل تک آبپاشی ہوتی تھی اور پیداوار اراضی میں بعید اضافہ ہوگیا تھا، جب برسات کی شدت ہوتی تو خاص خاص عہدہ دار وافسر واہلکار مقرر ہوتے کہ نہروں کے کناروں کی گرداوری کرتے رہیں اور گورنمنٹ کو اطلاع دیں کہ سیلاب کا پانی کہاں سے کہاں تک پہنچا، کھیتوں کو جس قدر فائدہ پہنچتا اور جس تناسب سے زیادہ آبپاشی ہوتی پادشاہ اُسی قدر خوش ہوتا، اتفاق سے اگر کوئی گاؤں خراب ہوجاتا تو وہاں کے افسران واہلکاران نہر ذلیل کرکے نکال دیئے جاتے کہ عذاب آخرت سے پیشتر اپنی غفلت کا خمیازہ اسی دنیا میں اُٹھالیں، محکمۂ انہار ایک بڑے وسیع پیمانہ پر قائم تھا اور اُس کی نگرانی واحتساب بذات خاص پادشاہ کیا کرتا تھا، آمدنی بہت بڑھ گئی تھی، پیداوار نے انتہائی ترقی کرلی تھی مگر محصول میں کوئی اضافہ نہ ہوا، وہی پلہ کی شرح بدستور قائم رہی کہ پیداوار کے ۹ حصے رعایا کیلئے ہیں اور دسواں حصہ پادشاہ کا حق ہے۔

فیروز شاہ نے جو انتظامات ان نہروں کے متعلق کئے تھے اُن کا خلاصہ حسبِ

تفصیل میں یوں ہے۔

(۱) نہریں جاری کیں اور خاص اپنے خزانہ سے جاری کیں، مگر رعایا سے اجرائے نہر کے متعلق نہ پہلے کوئی ٹیکس لیا جاتا تھا اور نہ بعد میں مقرر ہوا، صرف خراج پر کفایت کی جاتی تھی اور کسی دوسرے محصول سے سروکار نہ تھا۔

(۲) زمینداروں کو عام حق حاصل تھا کہ جب چاہیں اور جس مقدار میں چاہیں نہروں سے پانی لیں اور کھیتوں کی آبپاشی کریں، اس کے لئے نہ محصول آبیانہ مقرر ہوا تھا، نہ عمال کو نذرانہ آبپاشی دینا پڑتا تھا۔

(۳) بادشاہ نے مضافات انہار میں بہت سے گاؤں خود آباد کرائے، ویران وافتادہ زمینوں میں زراعت کی جانے لگی، مالگزاری مقرر ہوئی، اور یہ تمام آمدنی سرکاری خزانہ سے الگ رکھی گئی کہ تعلیم وتربیت کے کام آئے اور علم نفع رسانی کا باعث ہو۔

(۴) نہری زمینیں نیلام نہیں کی گئیں اور نہ فروخت ہوئیں، کچھ زراعت پیشہ گروہ پر تقسیم کر دی گئیں اور کچھ پیشوایان مذہب کو عطا کی گئیں کہ ملک میں اعلٰے مذہبی کیرکٹر پیدا کرنے میں ان کی آمدنی صرف ہوا کرے۔

(۵) ان املاک سے بادشاہ کی آمدنی دو لاکھ ٹنکہ بڑھ گئی جو سب کی سب علماء ومشائخ کے نام کر دی گئی، علما کے نام اس لئے کہ وہ رعایا کو تعلیم میں مدد دیں اور علمی ترقی کی جانب مائل رہیں، مشائخ کو اس غرض سے کہ تربیت نفس وتہذیب اخلاق کی روح عوام میں پھیلائیں اور تزکیۂ باطن کے عملی نمونے بن کر عامۃ الناس کو سلطنت کا شائستہ شہری بنائیں، اس زمانہ میں تعلیم وتربیت یہ دونوں شاخیں آزاد تھیں، گورنمنٹ کی ماتحتی سے ان کو تعلق نہ تھا، اہل علم واصحاب مشیخت ہی کی دسترس ان دونوں شاخوں پر تھی جن میں ظاہر ہے کہ رعایا کا ہر طبقہ شریک ہو سکتا

تھا اور ہر گروہ اپنی علمیت و مشیخت کے لحاظ سے حصہ لے سکتا تھا، ان بزرگوں کو جاگیریں دینے کے یہی معنے تھے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر کو فرمانروائے شام نے تین لاکھ کا عطیہ دیا ارکان حکومت نے جب اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ یہ عطیہ صرف عبداللہ بن جعفرؓ کے لئے نہ تھا بلکہ میں نے تو یہ رقم تمام اہل مدینہ کے نام سے دی ہے، چند روز کے بعد حضرت عبداللہ جب وہاں سے رخصت ہوکر اپنے گھر پہنچے تو مدینۂ مبارک کے سارے مستحقین کو طلب کرکے جو کچھ لائے تھے سب کا سب تقسیم کردیا اور اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا، واقعہ نویس کی رپورٹ جب دربار میں پہنچی تو ارکان حکومت کو اُس وقت معلوم ہوا کہ یہ عطیہ کیسے شخص کو دیا گیا تھا، بعینہ یہی حال علما و مشائخ کا تھا کہ سلطنت سے جو وظائف ملتے تھے وہ اُنہیں بالعموم اہل ملک کی تعلیم و تربیت میں صرف کرتے تھے، آخری ایام تنزل میں گو یہ صورت نہیں رہی تھی مگر ہم اُس عہد کا تذکرہ کر رہے ہیں جو ہندوستان کا (بقول تاریخ ہندوستان) زرّیں زمانہ تھا اور جبکہ شائستگی و تمدن کے فیوض و برکات نے ہر طرف اعلیٰ ترین مدنیت کی روشنی پھیلا رکھی تھی، کیا اب بھی اُس روشنی کا نام و نشان مل سکتا ہے؟ نہیں، اس لئے کہ زمانہ بدل گیا ہے اور مسلمان خود ایسے تبدیل ہوگئے ہیں کہ اسلام سے اُن کی صورت ہی نہیں ملتی، یہ خدا کی بخشش و رحمت ہے کہ اس زمانہ میں بھی ہم کو ہر طرح کی آسائش نصیب ہے اور ہماری زندگی خوشحالی و فارغ البالی سے بسر ہوتی ہے ورنہ ہمارا اکبر کٹر تو اس نعمت کا ہرگز مستحق نہ تھا۔

ادبی حصّہ

حضرت اقبال کا طرزِ جدید

شاعری بھی ایک فن ہے۔ جس طرح کوئی فن محض علم کی صورت میں فن ہونے کے اعتبارات سے اپنی خوبیوں اور کمالات کے اظہار میں کامیاب نہیں ہوتا اسی طرح فن شاعری بھی محض علمی دائرہ میں رہ کر شاعرانہ کمالات کے اظہار میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شاعری کی کتابیں پڑھ لینا ایک علم ہے۔ اور شاعر بننا ایک ایسی مشق ہے جس سے انسان باعتبار ایک شریف فن کے فنِ شاعری میں عملی رنگ میں مہارت پیدا کرتا اور ان کمالات تک پہنچتا ہے۔ جو اُس فن میں مستتر ہوتے ہیں۔ علم محض جاننا یا معلوم کرنا ہے۔ لیکن فن وہ ہے جس میں جاننے اور معلوم کرنے کے بعد مختلف مواد اور مختلف اشیاء کو جدید تراکیب اور جدید ترتیب کے تابع کیا جاتا ہے۔ جو شخص عملی مراحل سے گزر کر فن مراتب تک پہنچ جاتا ہے۔۔ وہ گویا مختلف قسم کے معلومات پر ایک ایسی دسترس حاصل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ گویا اُس کا ایک حکم بن جاتا ہے۔ اور مشق کرتے کرتے اُس فن کی مختلف صورتیں عملی رنگ میں اُس کے قابو میں آجاتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ وہ اُس فن اور اُس تجربہ کے ماتحت ایک صحیح الذہن حکم ہونے کی وجہ سے مختلف عملی شوارع اور طرزوں کا وارث ہو جاتا ہے۔

مثلاً جو شخص فن معماری میں کامل ہے۔ وہ اس کمال کی وجہ سے معماری کی مختلف خوش آئند اور خوش نما صورتوں سے واقف ہوگا۔ اور اُنکے اظہار میں اُسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اپنے اپنے وقت پر بلا تکلیف ان سے کام لے سکے گا۔ ایک تجربہ کار انجنیر مختلف شعبوں میں کام کر سکتا ہے۔ باوجود اس کے بھی اُس کے مختلف طرزوں میں سے ایک دو طرز ہی ایسے ہونگے۔ جو اُس کے مذاق کے زیادہ تر تابع یا موزوں ہونگے اور ان ہی طریقوں سے اس کی طبیعت کو ایک اخص نسبت ہوگی۔ جیسے ایک طبیب یا ایک ڈاکٹر باوجود تمام امراض کا علاج کرنے کے بھی خاصکر چند ہی امراض کے متعلق خاص تجربہ رکھتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھا جائیگا۔ کہ سوا ہے ان چند امراض مختصہ کے ایسا طبیب یا ایسا ڈاکٹر دوسرے امراض کا علاج یا تشخیص کر ہی نہیں سکتا۔

یہی صورت اور نقشہ شاعروں کا بھی ہے۔ ہر شاعر بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں شاعر ہی ہو۔ باوجود ایک خاص طرز کے رکھنے کے بھی دوسری طرز پر بھی طبع آزمائی کر سکتا ہے۔ اور ایسی مشق سے یہ نہیں کہا جائیگا۔ کہ وہ اپنا طرز خاص چھوڑ چکا ہے۔ یا کسی جدید طرز کے اختیار کرنے سے وہ شاعری کے دائرہ سے نکل گیا ہے۔ یا خدانخواستہ اسکی شاعری میں کوئی نقص آگیا ہے۔ جو لوگ فن شاعری میں کچھ بھی دسترس اور مہارت رکھتے ہیں۔ وہ ایسی بحث کا بہت اچھی طرح سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مختلف نامور شاعروں کی شاعری یہ ثابت کر دے گی۔ کہ ایک طرف شاعر ایک حد تک پابندی میں ہوتا۔ اور دوسری طرف اپنے خاص طرز کا بھی مالک یا خود مختار بادشاہ ہوتا ہے۔ شاعر ایک ایسا دریا ہے۔ جو اپنے طبعی زور اور فطرتی

جذبات سے ہر طرف جا سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اُس کی ایک خاص رو بھی ہوتی ہے۔ جو دوسرے بھنور اور دریاؤں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ ہم ایک حد تک جداگانہ مذاق کے بھی تابع ہیں۔ لیکن باوجود اس کے دوسرے مذاق سے بھی ہم ایک حد تک آشنا ہو سکتے ہیں +

گذشتہ جلسہ سالانہ انجمن حمایت اسلام لاہور پر ہمارے کامیاب اور نامور شاعر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے ایک نظم پڑھی تھی۔ جس کا کچھ حصہ ۲۹ اپریل ۱۹۱۲ء کے زمیندار میں شائع ہؤا ہے۔ اس نظم کی نسبت پنجاب کے بعض اخبارات میں یہ بحث اٹھائی گئی ہے +

(الف) یہ نظم حضرت اکبر الہ آبادی بالقابہ کے رنگ میں کہی گئی ہے +

(ب) اس نظم کے بعض اشعار فقط اقبالی رنگ سے نکل گئے ہیں

ہم نے نظم زیر بحث کو پڑھا ہے۔ ہماری رائے میں اگر حضرت اقبال نے ان ابیات میں حضرت اکبر کا رنگ اختیار کیا ہے۔ تو اس سے اقبال کی شاعری پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی۔ اول تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان اشعار میں اکبری رنگ کیا کچھ آگیا۔ اور اگر آ بھی گیا۔ تو اس سے کیا قباحت پیش آگئی۔ خود حضرت اکبر کے اشعار میں سے ہم ایک نہیں بہت سے اشعار ایسے پیش کر سکتے ہیں۔ جو حضرت غالب اور اقبال کے رنگ میں کہے گئے ہیں یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ جب شاعر فن شاعری کے کمالات کی حد تک رفتہ رفتہ پہنچ جاتا ہے۔ تو چونکہ کمالات کا مرکز نقطہ انتہائی یا ایک ہی ہوتا ہے۔ اس واسطے حدود کمالات اور اظہار کمالات میں ایک حد تک توافق اور تناسب پایا جاتا ہے۔ اور بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں اہل کمال یا دونوں شاعروں کے کلام میں با

ایک توارد یا ایک تناسب ہے۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے۔ کہ دونوں اہل کمال یا دونوں شاعر ایک ہی نقطہ خیال یا ایک ہی نقطہ بحث سے مناظر اور واقعات کا مطالعہ اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ انتہائی نقطہ خیال یا نقطہ بحث ان حالات میں حضرت اکبر اور حضرت اقبال کو ایک ہی مذاق اور ایک ہی دُھن کا مشاق ظاہر اور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیکھو مختلف زمانوں اور مختلف مذاقوں کے صوفیائے کرام کے کلام میں کسقدر یگانگت اور مناسبت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ انہیں بظاہر کوئی آشنائی اور تواصل نہیں ہوتا۔ انسان کو دو حواس دے گئے ہیں۔ ایک وہ جو ہمارے ظاہری اور باطنی حواس ہیں اور ایک وہ حواس جو ان دونوں سے جداگانہ ہیں اور جو ان حواس سے بہت افضل اور اعلےٰ ہیں۔ جب کوئی انسان کسی فن میں کامل ہو جاتا ہے۔ تو اس تیسری قسم کے حواسوں سے کام لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور اُس وقت ایسے مختلف قسم کے حواسوں کے ادراکات اور جذبات میں ایک قسم کی نسبت اخص پائی جاتی ہے۔ حضرت اقبال اور حضرت اکبر کے شاعرانہ حواس اپنی اپنی کمالات کی وجہ سے تیسری قسم کے حواس ہیں۔ ان میں مناسبت اور توارد کا پایا جانا ایک لازمی امر ہے۔ بلا تکلف ایک حواس دوسرے حواس کے تصرفات اور جذبات سے کام لے سکتا ہے اور ان حالات میں شاعر کا ہر جگہ پر رنگ فقط اپنا ہی رنگ ہوتا ہے۔ اگر لوگ آئینۂ خیال میں اس بحث کا خوبی وعمدگی سے عکس لیکر دیکھیں گے۔ تو اُنہیں اپنے سطحی خیالات سے ہٹنا پڑے گا۔ میں ادب سے یہ پوچھوں گا جو کاریگر جو ماہر ایک حد تک دوسرے کا رنگ اڑا نہیں سکتا۔ اُس کی کاریگری اور مہارت ہی کیا ہے۔

رہی ابھی یہ بات کہ ایسا کرنے میں اُسے کامیابی کہاں تک ہُوئی - یہ ایک دوسری بحث ہے - اگر لوگوں کو حضرت اقبال اور حضرت اکبر کے طبائع کے نکات کے وزن کرنے کا موقعہ ملتا ہو تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اُن کے اُن کمالات میں کہاں تک نسبت ہے - اور خود حضرت اکبر حضرت اقبال کی شان میں کیا کہتے ہیں - اور حضرت اقبال کو حضرت اکبر کے کمالات کا کہاں تک اعتراف ہے باوجودیکہ دونوں کا طرز جداگانہ رنگ رکھتا ہے - لیکن بعض خیالات میں دونوں ایک ہی نقطہ خیال کے پرستار ہیں *

حضرت اکبر کا رنگ ایسا نہیں ہے کہ اُسے حضرت اقبال بعض وقت اختیار نہ کر سکیں - اکبری رنگ وہ ہے جس سے حضرت اقبال مدتوں سے مانوس ہیں - اور اُن الفاظ میں اُس کے مداح ہیں - جن سے اکثر لوگ ناآشنا ہیں - اور حضرت اقبال کی وقعت حضرت اکبر کے دل میں جو کچھ ہے - وہ حضرت اقبال کے واسطے ایک بزرگانہ سارٹیفکٹ ہے *

یہ کہنا کہ ابیات زیر بحث حضرت اقبال کے اپنے رنگ سے نکل گئے ہیں یا انکا وہ رنگ نہیں - جو حضرت اقبال کی شاعری کا خاصہ تھا - درست نہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے - کہ ہر فن کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی ہے - کہ جب اُس کے اصناف مختلفہ سے کام لیا جاوے - تو اُن کا رنگ جداگانہ ہو - شاعر جب قصیدہ کہتا ہے - تو اُس کا رنگ غزل اور رباعی سے جدا ہوتا ہے - جب شاعر رزمی مباحث میں پڑتا ہے - تو اُس کا رنگ عاشقانہ مثنوی سے الگ ہو گا - ابیات زیر بحث میں حضرت اقبال نے مختلف مضامین پر بحث کی ہے - اور ایک خاص رنگ میں ضروری تھا کہ ان سب کا جداگانہ رنگ ہوتا کیا شاعر مختلف مضامین کا ایک ہی طرز پر بیان کر کے کمالات

شاعری کا اُن ہی بعض اشعار کے بعض بندوں کی نسبت یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ اُن کا بعض مضمون یا بسبت نفاست یا ضرورت کے مدارج سے گرا ہُوا ہے۔ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے۔ جو ہمیشہ مقولہ کی نسبت زیادہ تر قایل پر نظر کرنے کے عادی ہیں۔ ہماری سلئے میں ان تمام اشعار کے مضامین اپنی اپنی بہت کے اعتبار سے قابل غور اور قابل بحث ہیں اور اُن پر بہت کچھ بحث ہو سکتی ہے۔ اس واسطے نکتہ چینی مفید نہیں ہو سکتی۔ کہ اس کا قایل سنسلا ن ہے۔ بلکہ اس جہت سے کہ یہ مقولہ یا یہ قول کیسا ہے۔ ...بھی ہو سکتا ہے حضرت حافظ علیہ الرحمۃ اور شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے مختلف اصناف شاعری کو جدا گانہ دیکھو کہ اُن میں کہاں تک مناسبت پائی جاتی ہے۔ بعض وقت یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ خدا جانے یہ کسی دوسرے شاعر کا کلام ہے۔ بے شک غور و غوص سے ایسے اصناف شاعری بھی شاعر کے مذاق اور اصلی رنگ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دوسرا یا اجنبی نمونہ ضرور پایا جاتا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اشعار زیر بحث میں غور کرنے والوں کے واسطے اقبالی جھلک موجود اور درخشاں نہیں ہے۔ غور کرنا شرط ہے۔ حضرت اقبال ارشاد فرماتے ہیں۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ

روش مغربی ہے مد نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

حضرت اقبال نے ان تین شعروں میں تعلیم نسوان کا جو فلسفہ باعتبار

ضروریات اور حوائج تمدنی اور مشرقی رسم و رواج کے بیان کیا ہے۔ اس پر ایک مبسوط کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اور ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت اقبال کا استدلال اور پیش گوئی اپنی تہ میں بہت کچھ صداقت رکھتی ہے لڑکوں کی تعلیم سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ نری انگریزی پڑھنے سے قوم کی اصلی فلاح متصور نہیں ہے۔ اس سے یہ نہ قیاس کر لیجئے۔ کہ انگریزی کی ضرورت نہیں۔ ضرورت ہے۔ اور سخت ضرورت ہے۔ لیکن محض انگریزی دانی سے قوم کی فلاح متصور نہیں ہے۔ کتنے انگریزی دان ملک و قوم میں ایسے ہیں۔ جو باوجود انگریزی دانی کے بھی انواع و اقسام کی تکلیفات میں مبتلا نہیں ہیں۔ یہ کسی محکمہ میں جا کر دیکھ سکتے ہو۔ کہ محض انگریزی دانی کن کن کونوں سے گزارتی ہے۔ حضرت اقبال بہ درد دل فرماتے ہیں۔ کہ صرف انگریزی دانی سے ہی قومی فلاح متصور نہیں۔ اس کے واسطے کوئی ایسی راہ نکالو۔ جو تمدنی رنگ میں بھی مفید ہو۔ نہ صرف یہ کہ انگریزی بول کر خوش کر چھوڑا کیا اس میں کوئی شک ہے۔ اور کیا اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ محض انگریزی دانی فلاح کی راہ نہیں ہے۔ کیا جن ممالک میں انگریزی نہیں ہے۔ اُن کی عورتوں میں فلاح نہیں ہے فرانس کی عورتوں میں سے شائد چند ہی عورتیں انگریزی جانتی ہوں۔ کیا ان میں فلاح اور فلاحی جذبات نہیں ہیں۔ عورتوں کے واسطے باعتبار اپنے ملک اور اپنی قوم کی ضروریات کے اصلی فلاح کی ضرورت ہے۔ یہ جدا بات ہے کہ جو لوگ عورتوں کو محض انگریزی پڑھانے میں ساعی ہیں۔ ان کی کچھ بھی رائے ہو۔

اگلے شعر میں حضرت اقبال نے اس خصوصیت بلا دلیل کی یہ تفصیل

کی ہے۔ کہ یہ طریقہ محض اس واسطے اختیار کیا گیا ہے۔ کہ روش مغربی یا
روش یورپین مدنظر ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں وضع مشرقی گرگناہ سمجھا گیا ہے
ورنہ مشرق کو طے کرنے کے بعد لڑکیوں کا مغرب کی جانب جانا مزوری تھا
اس میں بھی کوئی مبالغہ اور تحکم نہیں ہے۔ جب ایک طرف قوم قوم کا راگ
گایا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ بنیاد رکھی جاتی ہے۔ کہ بجائے
مشرقی راہ ورسم کے ازسرتاپا مغرب ہی مغرب ہو تو اُس کے معنے کیا ہیں۔
کوئی قوم اُس وقت تک اس زمانہ میں باقی نہیں رہ سکتی۔ جب تک اپنی
قومیت باقی نہ رہے۔ اور کوئی قومیت باقی نہیں رہ سکتی۔ جب تک
ایک بڑی حد تک اپنے رسوم و اجبیہ سے محبت اور رسوم اغیار سے امن
وامان اور آزادی کے ساتھ نفرت نہ ہو۔ اور یہ صورت اُسی صورت
میں متصور ہے۔ جب اپنا اثاثہ باقی ہو۔ جب اپنا اثاثہ باقی ہی نہیں رکھا جاتا
تو غیرت کس طرح ہو سکتی ہے۔ نمونہ کے طور پر لے لو۔ مغرب اور رسوم مغرب
کو کیا مغرب میں آنے والوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ مغرب میں جو کچھ
سیاہ وسفید پایا جاتا ہے۔ وہ قابل تقلید اور قابل اخذ ہی ہے۔ یا اُس
میں کوئی برائی نہیں۔ میری رائے میں ہر ملک اور ہر قوم کی تہذیب میں
ضرور ایک حد تک امتیاز ہوتا ہے۔ اور ہونا بھی چاہیئے۔ بیسیوں اس قسم
کی مغربی روشیں ہیں۔ جو بادی النظر میں بھی قابل اخذ نہیں۔ یا قابل تعریف
نہیں ہیں۔ ایسی رسمیں اور ایسی پابندیاں کہ خود بعض اہل مغرب بھی اُن سے
بیزار ہیں۔ مگر اس واسطے چھوڑتے نہیں۔ یا چھوڑ سکتے نہیں۔ کہ قومیت کے
دائرہ سے نکلنا پڑتا ہے۔ حضرت اقبال درد بھرے دل سے فرماتے ہیں
کہ ان معنوں میں انگریزی خوانی موجب فلاح ثابت نہ ہو گی۔ کیا اس میں کوئی

شک و شبہ کر سکتا ہے۔ جو ایسا شبہ کرتا ہے۔ وہ سوچنے کے بعد معلوم کر سکتا ہے کہ اُس کی رائے ایک بڑی حد تک فریب دیدہ ہے۔ تیسرے بند میں حضرت اقبال فرماتے ہیں:۔

یہ روش جو اختیار کی جا رہی ہے۔ اور جس پر بعض جلد باز اور ظاہر بین لوگ زور دے رہے ہیں۔ کیا نتیجہ پیدا کرے گی۔ اور اس کا ماحصل کیا ہوگا جب اس کا پردہ اُٹھے گا۔ اُس وقت دیکھنے والے دیکھ لیں گے۔ کہ حضرت اقبال کے کہنے میں کہاں تک صداقت تھی۔ حضرت اقبال نے بعض واقعات پر مدبرانہ استدلال کے بعد ایک رائے قائم کی ہے۔ لوگ انتظار کریں۔ اور دیکھیں کہ وہ کہاں تک درست اور صحیح نکلتی ہے۔ قاہرہ اور مصر میں تو چالیس ثمر آور ہو رہی ہیں۔ اُن سے لوگ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس کا اثر ہندوستان میں کیا کچھ ہونے والا ہے۔ لوگ ان ہرسہ بندوں کو تجربہ کی خاطر شیشیوں میں لگوا کر کمروں میں رکھ چھوڑیں۔ اور رفتہ رفتہ دیکھیں کہ حضرت اقبال کے خیالات کا ظہور کس کس رنگ میں ہوتا ہے حضرت اکبر نے بھی اس بارہ میں بہت کچھ کہا ہے۔ وہ اشعار بھی ساتھ ہی لکھے جاویں۔ پھر حضرت اقبال فرماتے ہیں:۔

یہ کوئی دن کی بات ہے۔ اے مردِ ہوش مند
غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض؛
کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ چاہے گی

ان اشعار میں بھی زمانہ کا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے۔ اور کس خوب صورتی سے جب عورتیں کونسل کی ممبری کے واسطے کوشاں ہوں گی۔ تو

کیا یہ کہا جائے گا کہ انہیں خانہ داری اور اولاد کی خواہش باقی رہے گی فرانس کا نقشہ پیش نظر ہو جائے گا۔ اور ہر عورت ممبری کی خاطر بار خانہ داری سے سبک دوش ہونے کی کوشش میں رہنا اعلےٰ فرض سمجھے گی۔ لیکن یورپ میں اس وقت سفریجیٹ عورات نے حضرت اقبال کی اس پیشین گوئی کو سچ کر کے نہیں دکھا دیا۔ اور کیا صدہا عورتیں لنڈن میں اس وقت مردوں کی خرابی کا باعث نہیں ہو رہیں۔ اور کیا اُن کے اس مشغلہ یا اس استدعا سے خانہ داری کا کارخانہ تباہ نہیں ہو رہا۔ کیا مضرب کا بہت سا حصہ ان مشکلات کا احساس نہیں کر رہا۔ اگر حضرت اقبال نے غیرت کا واسطہ ڈال کر یہ خبر دیدی ہے۔ تو گناہ کیا کیا *

حضرت اقبال نے اخیر پر ایک معنی خیز بند کہا ہے۔ ہم اور اشعار کی تشریح کو ملتوی رکھ کر اس پر ختم کرتے ہیں۔

اس دور میں سب مٹ جائینگے پھر زندہ رہیگا باقی وہ
جو قائم اپنی راہ پہ ہے۔ جو پورا اپنی ہٹ کا ہے
اے شیخ و برہمن سنتے ہو۔ کیا اہل بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کیسی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے
اک وقت وہ تھا جب بیٹھے تھے سب باہم ملکر ایک سے ایک
اب بحث میں آردو ہندی ہے یا قربانی یا جھٹکا ہے۔

ناظرین! یہ بند دوسری تمام نظم اور بندوں سے ملا کر پڑھیں۔ پھر انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضرت اقبال کا ان اشعار سے مطلب کیا ہے اور وہ کہہ کیا رہے ہیں۔ حضرت اکبر مدظلہم کی تمام شاعری جس طرح واقعات کی بنیاد پر ہے۔ اُسی طرح حضرت اقبال کا کلام بھی ہے۔ حضرت اکبر کی

شاعری ایک بسیط تشریح کی محتاج ہے۔ اور خوش قسمت ہو گی۔ وہ نسل جو عملی رنگ میں اسکی شرح سے مستفید ہو گی۔ اس اخیر بند اقبال کی تشریح میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ بیسیوں جلسوں میں اس پر بحث ہو سکتی ہے۔ اور وہ نکات روشنی میں لائے جا سکتے ہیں۔ جو قومی اور ملکی بہبود کے واسطے تمدنی پہلو سے اصول اور گر شمار ہو سکتے ہیں۔

(سلطان احمد از لنڈن)

بھاشا میں حمد و نعت

عربی ۔ فارسی ۔ اردو میں نظم لکھنا آسان ۔ مگر بہاشا میں مشکل ۔ مسلمان تو بھاشا کے اہل ہی نہیں ۔ مگر یہ عذر لنگ ہے ۔ عربی ۔ فارسی ۔ انگریزی بھی تو مسلمانوں کی زبان نہیں ۔ مگر تینوں زبانوں میں نظم و نثر لکھتے ہیں اور غور سے دیکھئے تو اردو بھی مسلمانوں کی خالص زبان نہیں ۔ اُس کی جھولی میں بھاشا کے ٹکڑے ہیں ۔ خود ہندوں نے بہاشا کو چھوڑ رکھا ہے ۔ جو بھاشا بعض دھرمی منش بولتے ہیں وہ بھاشا نہیں ۔ بلکہ اردو ہے بھاشا تو وہ ہے جو تلسی داس جی وغیرہ کویشروں کی پستکوں میں ہے ۔ کیا کوئی ہندو کویشر راماین جیسی نظم لکھ سکتا ہے ۔ نہ صرف لاکھوں بلکہ کروروں ہندو راماین کے مطالب سمجھ بھی نہیں سکتے ۔ ویسی کوئی لکھنا تو کجا ۔ مگر ہم نے یہ بھی کر دکھایا ۔ کیا معنی کہ ہز مجسٹی جارج پنجم کے دربار تاجپوشی کی تقریب میں جو فصیح و بلیغ کوی لکھی ۔ آجتک ملک میں اُس کا غلغلہ ہے اور کسی طرح راماین سے کم نہیں ۔ اگر ممکن ہوا تو مخزن کے ناظرین کے حضور وہ کوی (یا مدحیہ نظم) پیش کیجائیگی ۔

کچھ شک نہیں ۔ کہ بہاشا بڑی پیاری اور موہنی سوہنی زبان ہے گویا نیچرل شاعری کے لئے ہی موزون ہوئی ہے ۔ اور بہاشا کے شعراء نے کمال کیا ہے ۔ ہم اُن کی نظم کا ترجمہ کر کے بتائینگے کہ ہر شعر میں کیسی فصاحت و بلاغت بھری ہے ۔ اور مضامین کیسے بلند و نازک ہیں ۔ مسلمانوں

کو بھی بھاشا میں شعرگوئی پر زور دینا چاہیئے۔ جس طرح ملک محمد جائسی وغیرہ نے دیا اور ہنود کی تو یہ زبان ہی ہے مگر جب اونہوں نے اپنے دھرم کی پوتر زبان سنسکرت کو تیاگ دیدیا ہے کہ آج کے روز ہندوستان میں ایک بھی ایسا مہا تما پنڈت نہیں کہ سنسکرت میں نظم و نثر یا کوئی چھوٹی موٹی کتاب یا رسالہ لکھنا تو کجا کسی جلسہ میں لیکچر یا اسپیچ بھی دے سکے تو اس غفلت و تنزل پر جس قدر افسوس کیا جائے۔ کم ہے پھر اب بھاشا کی کس مپرسی کی کیا شکایت

اے سبزۂ سر رہ تو زجور پا چہ نالی
درکیش نو بہاراں گل خوں بہا ندارد

مندرجہ ذیل اشتتی (مناجات) معہ نعت صلعم ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین غور سے سمجھینگے اور مزہ لینگے۔

اے میرے سائیں اے میرے داتا | سب تیرا نام جپیں دن راتا
ہوکے اکیلا جگمگ گھٹ تو ہے | گھٹ میں براجکے پرگھٹ تو ہے
تیری دیا ہو انیک جو او جھل | بندھیاچل میں ابھی ہو ہلچل
چاہے سُمیر کو کائی کر دے | گر کو جو چاہے رائی کر دے
نور تیرا اندھیاری تیری | دو لو سے شوبھا نیاری تیری
باہر اندر مایا تیری | دھوپ اور چھاؤں ہے کایا تیری
جگ میں ہیں جتنے پتی اور تپنی | سگروں میں تیرے پریم کی تپنی
اے میرے داتا اے میرے سائیں | بل پر تیرے نبل بل جائیں[۱]
تیرے ہی سورج چندر میں درپن | تیرے ہی کھوجمندر سنگھاسن

نوٹ [۱] بل بمعنی قوت ۔ نبل کمزور ۔ بلجانا قربان ہونا۔ مصرعہ میں بل تین جگہ ہے مگر معنی جدا جدا۔ یعنی تیرے زور پر کمزور قربان ہو جاویں ۔ ۱۲

دکھیاری سکھیاری تیری — نرناری بلہاری تیری
دیکھے تجھے جو جوگیان کا کاجل — نین کے تل میں ہے پربت اوجل
گن لے گیان کا گُننے والا — ایک ہی ناتا ہے بشنی مالا
وہ جو کعبہ تیرا مندر — خبر تیرے کون ہے اسکے اندر
جاس ہمارا سوامی دھایا — تونے جسے اپدیش پڑھایا
دلیش پدیش کے گھر کا اوجالا — پورے والا کملی والا
بھوک اور پیاس یہ کہکر تجدی — یطعمنی یسقینی پورے ربی
نین رسیلے رنگ بھبوکا — لب پر انترا اللہ ہو کا
ست کی بنسی بجانے والا — سوتے ہوؤں کا جگانے والا
دھن کا مال کا تجنے والا — منتر ہری کا ہی بھجنے والا
اُس کی شنبرن میں رومی شامی — کُل رشیوں منیوں کا سوامی
پیرے ہیں جگ کو بھر اس ہی کی — ہے شوکت موہے آس اُسی کی

مجدد السنۂ مشرقیہ سید احمد محسن شوکت میرٹھی

نوٹ ۵۲:- جب رسول صلعم نے تین دن کے روزے رکھے۔ تو صحابہ بھی رکھنے لگے آپ نے فرمایا یطعمنی و یسقینی ربی الحدیث یعنی میرا خدا تو اپنے درشن کا امرت مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ تم میں سے کسی کو کھلاتا پلاتا ہے۔ پس امت مرحومہ پر تین دن کا روزہ حرام ہو گیا۔ یہ رحمت سبحان اللہ۔ منہ ۱۲

عورتوں کی بول چال نمبر۲

(مخزن مطبوعہ ماہ مئی گذشتہ کے صفحہ ، سے آگے)

نجبن - ہاں بُوا - دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں - دودھ اور پوت - ایسی کہاوتیں اگلے وقتوں کے بڑے سمجھدار لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں - جو زبانوں پر جاری ہیں - اور جن کو سب نے مان لیا ہے - کوئی کہاوت جب تک عام طور پر مقبول نہیں ہو جاتی - زبانوں پر نہیں چڑھتی - کہنے کو تو دو تین لفظ ہوتے ہیں - مگر اُن میں باریک مطلب بھرے ہوتے ہیں جنکو سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں - بھلا " دودھ پوت " کے دو لفظوں کی کیا لمبا طاہے - مگر غور سے دیکھو - تو اِن دو کوزوں میں دریا موج مار رہا ہے - دیکھو تو پہلے دودھ ہے پھر پُوت - پوت دودھ کوئی نہیں بولتا - کیونکہ دودھ نہ ہو تو پوت کہاں - میرے ابا جان مولوی احمد مسعود نے خدا اُن کی تربت نور سے بھرپُور کرے - خدا کی رازقیت اور رحمت کا ثبوت دیتے ہوئے ایک دن کسی کا یہ شعر پڑھا - جو اب تک مجھے یاد ہے - ؎

رزق کا کیا غم کہ بچہ ہوگا پیدا بعد میں
پہلے بھر دیگا خدا پستان مادر شیر سے

کیا کہوں میں جب یہ شعر پڑھتی ہوں - تو دیر تک مزہ لیتی ہوں شعر

کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کچھ نہ کرو۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر اپاہج بنکر بیٹھ رہو۔ اللہ سب کچھ دیگا۔ اور چھپر پھاڑ کر دودھ میدہ دیگا۔ ایسا اعتقاد رکھنے سے خدا کی حکمت میں فرق آتا ہے۔ اور اُسکی بات ہلکی ہوتی ہے۔ میں اپنے اللہ کے قربان۔ اُسکے ہاتھ بہت لمبے لمبے ہیں۔ وہ بڑی قدرت والا ہے جسے جو چاہے دیسکتا ہے۔ مگر وہ جسطرح کریم ہے اُسی طرح حکیم اور منصف بھی ہے۔ اُس نے ہر شئے کے اسباب مقرر کر دیئے ہیں جبتک وہ نہ ہوں کچھ نہیں ہو سکتا۔ چیونٹیوں کی کیا بنیاد ہے۔ مگر وہ بھی گرمی کے موسم میں قطار در قطار اپنا رزق ڈھونڈتی پھرتی ہیں۔ اور جاڑوں کے لئے رزق کا پورا سرمایہ اپنے گھروں (سوراخوں اور چھیدوں) میں اکٹھا کر لیتی ہیں۔ تمنے چیونٹیوں کا حال دیکھا ہوگا۔ لگاتار ایک ہی سیدھ میں جاتی ہیں اور سب کے منھ میں سفید سفید ریزے ہوتے ہیں۔ یہ وہی رزق کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ جسے وہ اڑے وقت کے لئے یہ جمع کرتی ہیں مطلب یہ ہے کہ انسان ہر کام کو حتی الوسع انجام تک پہنچانے میں جی جان سے کوشش کرے۔ اور پھر اللہ پر بھروسہ رکھے کہ میں باوصف سب کچھ کرنے کے تیرا عاجز بندہ ہوں۔ تو نے ہی سروسامان کی توفیق دی ہے۔ تو ہی مسبب الاسباب ہے۔ تو ہی اپنے کرم سے کامیاب کرنے والا ہے"۔ پس اللہ پر پورا توکل یہ ہے۔ نہیں تو وہ ہمیں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک۔ کان۔ عقل و ادراک اور ضروری قوتیں کیوں دیتا۔ جنکو کام میں لانے سے ہم ہر طرح محفوظ رہتے ہیں۔ انسانیت میں۔ ترقی کرتے ہیں پیارے قرآن اور پیارے نبی (جنپر ہزار ہزار درود و سلام) کی حدیثوں میں کہیں نہیں لکھا۔ کہ بندے کچھ نہ کریں اور خدا پر نرا توکل کر کے کچھ کرنے

دھرنے سے بیفکر ہوجائیں۔ بھلا کسی کو بے کئے بھی کچھ ملا ہے۔ دیکھو خدا نے ہمیں عبادت کا حکم دیا ہے۔ مگر جبتک ہم پہلے طہارت کی شرطیں بجا نلائیں غسل اَور وضو نہ کریں۔ نماز نہیں پڑھ سکتے۔ پھر خدا کیونکر حکم دے سکتاہے کہ کچھ نہ کرو۔ اِس صورت میں تو اُسپر بڑا بھاری الزام آتا ہے۔ جسکا بیان کرنا بے ادبی ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ بزجبیں بیگم بڑی بھاگ والی ہیں۔ خدا کا دیا اُن کے گھر میں سب کچھ ہے۔ دودھ بھی پوت بھی" تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ مال دولت۔ سونا چھونا بھی خدا نے دیا ہے اَور اولاد بھی ہُوا۔ اگر مال دولت سب کچھ ہو۔ اَور اولاد نہ ہو تو سب خاک ہے گھر میں لعل شبچراغ نہ ہو تو انکھوں میں گھپ اندھیرا ہے۔ یہ کہاوت ٹھیک ہے۔ کہ اولاد مرد کی قسمت سے ہے اَور مال دولت عورت کی قسمت سے۔ دولت کی لکھشمی اَور دیوی بھی عورت ہی ہے۔ اَور منحوس دائن بھی عورت ہی ہے۔ بھلا مرزا حیدر نواز خان کے گھر میں دس بارہ سال پہلے کیا تھا۔ چولھا ٹھنڈا رہتا تھا۔ گھر میں چوہے قلابازیاں کھاتے تھے۔ زمرد بیگم کے آتے ہی کایا پلٹ گئی۔ اُنکے میاں شبیر حسین ریاست مغل پور کے دیوان ہوگئے۔ اب دروازے پر کلنے ہاتھی جھول رہے ہیں۔ اصطبل میں عربی گھوڑے ہنہنا رہے ہیں۔ فٹن۔ گاڑی ٹمٹم۔ موٹر کار الغرض سواری شکاری سب کچھ موجود۔ بہار آرہی ہے اگر اولاد نہیں تو زمرد بیگم کا کیا قصور۔ یہ شبیر حسین کی قسمت ہے اَور لُوا تم انکھوں کے سامنے گلزار علی خان کے گھر کو بھی دیکھ رہی ہو۔ اُن کے قبضہ میں کیا کچھ نہ تھا۔ ۷۰ تو صرف گاؤں تھے۔ شہر کی جائداد

الگ ہی۔ سوار پیادہ۔ نقیب۔ چوبدار۔ چنور بردار ملازم اور اہلکار بے شمار تھے۔ چاندی سونے کے بادل رات دن گھر پر برستے تھے مگر جب سے سبز قدم زعفران بیگم کے پیترے آئے۔ لاکھ کا گھر خاک ہوگیا۔ گلزار علیخان کے خوارق بگڑ گئے۔ عیاش اور شراب خوار ہو گئے رنڈیوں کی جھنڈیاں انکے محل میں گڑ گئیں۔ اور جو کچھ مال و دولت کی گت ہوئی تمہارے سامنے ہے۔ خدا کسیکو بنا کے نہ بگاڑے اور سچ یہ ہے کہ بگاڑنا خدا کا کام نہیں۔ انسان کو بداعمالیاں اور بُرے چلچلن بگاڑتے ہیں۔ ہاں اولاد کی ریزروان بہت۔ بچے کچے اسقدر بھر گئے۔ کہ انکی پرورش دوبھر ہوگئی۔ سچ ہے خدا اولاد دے۔ تو روپیہ بھی دے۔ اولاد میں کوئی صاحب نصیب ہو جائے۔ تو کیا عجب ہے کہ مرزا جی کی سرکار سنبھل جاوے اور کہاوت بھی ہے کہ ٹوٹت ہوئے بیانے ولدر گئے پرانے۔ ابتو جائداد نکی پردھری ہے قرضخواہوں کی ڈگریوں میں ایک دو یہ تین کا لگا لگ رہا ہے۔ کونوں کھندروں مرزا جی چھپتے پھرتے ہیں۔ مفلسی میں اولاد کی بھرتی دوسرا وبال ہے مگر خدا کے گھر سے ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ وہ بڑا کارساز بے نیاز بیلک نواز ہے۔ بندے جب باغی ہوکر خدا کو بھول جاتے ہیں۔ تو سزا پاتے ہیں۔ وہی ہندی مثل ہے۔ بھوت گئے بھگوان کے پاس کہ ہم بھوکے ہیں۔ وہاں سے حکم ہوا۔ کہ جو لوگ ہمیں بھول گئے ہیں جاؤ تم انہیں لوٹو۔ کھاؤ۔ پس انسانوں پر جتنی بلائیں اور مصیبتیں آتی ہیں۔ سب اللہ میاں کی بھتیاں ہوتی ہیں اور جسقدر صدمے اور دکھڑے نازل ہوتے ہیں۔ سب بھگوان کے بھوت یا خدا کی

سرکار کے سرہنگ ہوتے ہیں۔ فارسی کہاوت ہے۔ از ماست کہ بر ماست
اور قرآن　کی بھی ایک آیت　ہے جسکا ترجمہ یہ ہے۔ کہ تم پر جو
مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ہوتی ہے
اور یہ بھی آیت　ہے کہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

دیکھنا بُوا! دودھ پوت کتنے پیارے لفظ ہیں۔ بڑی بوڑھیوں کو
جب تم سلام کرتی ہو۔ تو وہ یہ دعا دیتی ہیں۔ دودوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ اہاہا
کیسی اچھی دعا ہے۔ اُسکے مطلب پر تم غور کرو گی۔ تو حیران ہو کر عش عش
کرنا پڑیگا۔ اب سنئے۔ بجز دودھ پوت کے کوئی اور دعا نہیں دی جاتی۔
تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دو چیزوں سے عزیز اور محبوب تر کوئی شے
نہیں۔ بلکہ بلا مبالغہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ دنیا جس شے کا نام ہے وہ بس یہی
دو چیزیں دودھ پوت (مال اور اولاد) ہیں۔ اور انسان سب کچھ انہیں دو
کے لئے کرتا ہے۔ اور دین و دنیا کی درستی انہی دو میں ہے۔ مسکینوں کی
خبر لینا۔ رفاہ عام خصوصًا قوم کی تعلیم میں حصہ لینا۔ علوم دین و دنیا کی اشاعت
میں مدد کرنا۔ فلاح دارین اور موجب نجات ہے اسی طرح نیک اور سعادتمند
صالح اولاد والدین کا حسن عمل اور آخرت کی بہتری کا ذریعہ ہے۔ دودوں
نہاؤ اور پوتوں پھلو" میں کسقدر بلاغت بھری ہے گویا دودھ کو دریا قرار دیا ہے۔ یعنی تمہاری چھاتیوں میں
اسقدر دودھ پیدا ہو۔ کہ تم اسمیں نہانے لگو اور پھر پوتوں کے پھل لگنے لگیں اور اسمیں طلب کا بھی
مسئلہ ہے کہ جس عورت کے کثرت سے دودھ ہوگا۔ اولاد بھی کثرت سے ہوگی۔ اور
قوی اور تناور ہوگی۔ اکثر عورتوں کے دودھ کم ہوتا ہے بچے کو گائے یا بکری کا دودھ پلایا جاتا ہے
اور امیر آدمی انائیں مقرر کر رکھتے ہیں مگر ماں کا دودھ خدا کی دی ہوئی نعمت ہے اسلئے دعا دیجاتی ہے کہ بچہ ماں ہی کے دودھ
سے پلے مضبوط اور تنومند ہو۔

سید احمد حسن شوکت میرٹھ

المُوکھا

(از جناب حکیم ناصر میاں صاحب فراق دہلوی)

(سلسلہ کیلئے دیکھو "مخزن" بابتہ ماہ جون ۱۹۱۴ء)

میر مسلمان اور مورکھا صدر دالان میں آ گئے۔ اِدھر ماہ منیر بھی اپنے سونے کے کمرہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ کیونکہ اُس نے مورکھا اور میر مسلمان کی باتیں سن لی تھیں۔ میر مسلمان کا جب دم ٹھکانے ہوگیا۔ تو اوسنے آج رات میں حکیم ابوالفتح طوسی کا اقبال میرزا کے پاس جانا۔ اور ماہ منیر کی نسبت بیان کرنا۔ کہ وہ مردانے بھیس میں ایک حوروش عورت ہے اور مورکھا اُس کو بھگا کر لایا ہے اور اوسکے پاس لاکھوں روپیہ کا جواہر ہے اور اقبال میرزا اور حکیم صاحب کا مشورہ کرنا کہ صبح دونوں کو گرفتار کیا جائے اور اسوقت رات کو چار آدمی خفیہ اونکی نگرانی کے لئے۔ اسکے دروازہ پر مقرر کرنے کا حکم دینا ذرا ذرا بیان کیا۔ جس کو سُن کر مورکھا کی ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور ماہ منیر کے چہرہ پر مردنی چھا گئی۔

میر مسلمان۔ مورکھا صاحب آپ نے میرے ساتھ سلوک کیا تھا۔ فرخندہ جمال صاحب آپنے آقا کی بیماری میں بیس روپیہ مجھے ایک ایک دو دو کرکے دئیے تھے۔ یہ اُسکا بدلہ ہے ہمارے حکیم صاحب بھی شریف کہلاتے ہیں اور اقبال میرزا صاحب تو اصل نسل مثل **النقوائی خاتون** کی اولاد میں سے ہیں اس لئے آپ غریب پردیسیوں کو ستانا چاہتے ہیں مگر مجھ کمین کا کمینہ پن بھی آپ نے ملاحظہ کرلیا۔ کہ اپنی جان پر کھیل کر آپ

کے پاس آیا ہوں۔ کیونکہ اگر وہ چاروں خفیہ سرہنگ سرا کے دروازہ پر آگئے ہیں اور مجھے اونہوں نے سرا میں جاتے آتے دیکھ لیا۔ تو اقبال میرزا سے جا لگائیں گے۔ اور وہ میری کھال میں بھس بھروا کر بھی بس نہیں کریں گے۔ گر نیکی نیک را و بدی پیش را۔ میں اپنا حق ادا کر چلا۔ آپ جانیئے اور آپ کا کام اگر سچ مچ آپ کے یہ میاں عورت ہیں۔ اور کوئی ایسی ویسی بات ہے تو آپ اسی وقت یہاں سے سدہار جائیے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ وہ چاروں سپاہی ابھی نگرانی کے لئے آئے نہیں ہیں اور اگر یہ بات جھوٹ ہے تو آپ پاؤں پھیلا کر سوئیے اور صبح اقبال میرزا سے ملکر ڈنکے کی چوٹ چلے جائیے وہ آپکا بال بھی بیکا نہیں کر سکیگا۔

مور کھا بھائی میر مسلمان ہم تمہارے بڑے شکر گذار ہیں تمنے ہمارے ساتھ بڑا سلوک کیا۔ جو یہ جتا دیا۔ ہم جیتی زندگی تمہارا احسان نہیں بھولیں گے۔ اچھا تم جاؤ۔ اللہ بلی۔ مگر ہم چور نہیں چور کے بھائی نہیں۔ اقبال میرزا سے ملکر ہی جائیں گے۔ فقط اتنا خیال ہے کہ کرتو ڈر نہیں خدا کے غضب سے ڈر۔ سنا ہے تمہارا رئیس بڑا ظالم اور بے ایمان ہے۔

میر مسلمان اُسکے ظلم اور بے ایمانی کا حال نہ پوچھئیے۔ اپنے وقت کا فرعون ہے۔ یہ کہکر میر مسلمان چلا گیا اور ماہ منیر نے ایک آہ بھر کر کہا۔ دیکھئے میری تقدیر میں کیا ذلت اور رسوائی لکھی ہے اور کیا کیا کنویں جھانکنے پڑتے ہیں۔ مجھ بے حیا نے ہیضہ بھی کیا۔ اور نہ مری مرجاتی۔ تو ڈھکن ڈھک جاتا سے

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجئے ہمنے چاہا تھا کہ مرجائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مورکھا میرے ہوش تو ٹھکانے رہے نہیں - اب جو تیری سمجھ میں آئے وہ کر - مورکھا نے بہت جلد جو اسباب پھیلا ہوا تھا۔ شمع کی روشنی میں سمیٹ سمات اور باندھ جوڑکر درست کرلیا۔ اور جو خرجیوں میں رکھنے کا تھا - وہ خرجیوں میں رکھ لیا۔ پھر وہ پھرتی کے ساتھ سرا کے طویلہ میں گیا - اور دونوں گھوڑوں پر زین کس سرا کے دروازہ پر پہونچا۔ کہ چوکیدار اور چاروں سپاہیوں کو جو چپکا کر بھیجے گئے ہیں۔ کچھ منہ بھرائی دیکر گانٹھ لے اور سرا سے نکل جانے کی تدبیر کرے - گر پھاٹک پر جاکر دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ سپاہی اور چوکیدار کے نام کی وہاں چڑیا بھی نہیں ہے۔ گر چراغ دہڑ دہڑ جل رہا ہے - اور سارا دروازہ بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ یہ حال دیکھ کر مورکھا کو بہت تعجب ہوا۔ اور اُس کو تائید غیبی سمجھ کر اپنے دل میں خدا کا شکر بجالایا۔ جھپ سے چراغ گل کر کے سرائے کے دونوں کواڑ کھول دیئے۔ تاکہ گھوڑوں کے نکلنے میں وقت نہ ہو اور انہیں قدموں محل میں آیا۔ اور ماہ منیر کو سنجاب کا ایک گرم خفتان پہنا کر باہر نکال لایا - اور اُس کے کان میں کہا بات کہنے کا وقت نہیں ہے خدا کا نام لیکر گھوڑہ پر سوار ہو جاؤ - ڈر بُری چیز ہے - ماہ منیر جیسی نازنین عورت اور وہ بھی ناتوان جیسی ہیضہ کئے ہوئے دو ایتوارہ سے زیادہ نہیں ہوئے ہے ترا شا گھوڑہ کی پیٹھ پر پہونچگئی - دوسرے گھوڑے پر مورکھا سوار ہو آگے ہولیا۔ اور ماہ منیر سے کہا سرا کے دروازہ تک اِس نرمی سے گھوڑہ کو لانا۔ کہ آہٹ نہ ہونے پائے ۔ مگر پھر بھی تھوڑی سے آہٹ ہوئے بغیر نہ رہی - ماہ منیر اور مورکھا اپنے گھوڑوں کو لیکر سرا سے باہر نکل آئے اور ایک طرف کو چلدیئے - جب دونوں حسن آباد کے بازار میں پہونچے

تو گھڑیالی نے آدھی پر ایک بجایا۔ اور گھنٹہ کی آواز رات کی خاموشی میں میلوں تک چلی گئی۔ ماہ منیر اور مورکھا نے دیکھا۔ کہ قصبہ کی دکانیں بند ہو رہی ہیں۔ بعض کے مالک تو باہر سے قفل لگا کر اپنے گھر چلے گئے ہیں بعض دوکانوں کے اندر ہی سو رہے ہیں۔ کیونکہ اُن کے کھانسنے کھنکارنے یا خراٹوں کی آواز آرہی ہے۔ اور دکان کے اندر جو چراغ روشن ہیں۔ اُنکی روشنی دراڑوں سے نکلکر دور تک سیدھی لکیر کی صورت میں جا رہی ہے۔ چاند نے بھی کھیت کیا ہے۔ اور قصبہ کے مکانات کی ممٹیوں اور منڈیروں پر تھوڑی تھوڑی چاندنی جھلک دکھا رہی ہے بازار کے ایک موڑ پر پہونچے تو بیچ سڑک میں چھ سات کتے بیٹھے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کے سموں کی کھٹ پٹ سنکر سب نے ملکر ایک ہی دفعہ بھونکنا شروع کر دیا ایک شخص نے اپنے کوٹھے پر سے چونک کر کہا۔ سڑک پر کون جاتا ہے۔

مورکھا ریاست کے سوار ہیں کام کو جاتے ہیں

تھوڑی دیر میں یہ دونوں قصبہ کی فصیل کے پاس پہونچگئے اور اونہوں نے دیکھا۔ شہر پناہ کے دروازہ میں قفل لگا ہوا ہے۔

ماہ منیر مورکھا اب کیسے ہوگی۔

مورکھا بیشک یہ بڑا سخت مرحلہ ہے۔ اگر ہم یہاں سے نکل گئے تو پھر اقبال میرزا کیا۔ اوس کی اچھی کے بھی ہاتھ نہیں آسکتے ہیں۔ اگر یہیں رہ گئے۔ تو زندگی سے بھی ہاتھ دہو لینے چاہئیں۔ مگر خدا پر نظر رکھئے۔ دیکھئے تو وہ کیا کرتا ہے۔ یہ کہکر مورکھا نے اپنے گھوڑہ کو ایڑ لگائی۔ اور تیزی کے ساتھ اُسے دروازہ میں نے گیا۔ دربان جو دروازہ کی صحنچی میں سوتا تھا۔ ایک دفعہ ہی گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ اور دونوں ہاتھوں

سے انکھیں مل مل کر مورکھا کی طرف دیکھنے لگا۔
مورکھا (کڑی آواز سے) واہ اچھے دربان ہیں۔ جنکو اپنے تن بدن کا بھی سوئے پیچھے ہوش نہیں رہتا ہے۔ چاہے کوئی میاں کی ٹانگوں میں سے ازار اُتار کرے جائے۔ تو بھی خبر نہ ہو نمک حرام ساری خدائی کے جانتے ہیں ناکہ اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ پوچھتا کون ہے۔ کہ تم پہرہ دیتے ہو۔ یا پڑے سویا کرتے ہو۔ اب جو میں آیا ہوں۔ تو اُٹھ کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں کہ یہ ہے کون بلا یہ نہیں کہ جھٹ پٹ دروازہ کھول دے۔
دربان (ڈر کر) مینے حضور کو پہچانا نہیں۔
مورکھا۔ میں ہوں اسفندیار بیگ رئیس صاحب کا مصاحب رئیس صاحب شکار کے لئے جا رہے ہیں۔ بس اب آئے کہ آئے ہیں خدا کے لئے یار جلدی دروازہ کھول دے۔ نہیں مفت میں تجھپر خفگی ہو جائے گی۔ جانتا نہیں ہے اقبال میرزا کے طنطنہ کو۔
دربان نے ایک کہی نہ دو۔ غریب نے قفل کھول بھاری بھاری کواڑوں کو مشکل سے سرکا کر دروازہ کے بازوؤں سے لگایا۔ اِس میں بی ماہ منیر بیگم بھی خفتان اوڑھے گھوڑہ کو بڑھا کر دروازہ میں آپہنچی۔
مورکھا (ماہ منیر کیطرف اشارہ کر کے دربان سے) دیکھا وہ حکیم صاحب بھی تشریف لے آئے۔ کوئی دم میں خود بدولت بھی آجائیں گے۔ یہہ کہکر مورکھا اور اُس کے پیچھے سے ماہ منیر دروازہ سے اِسطرح نکل گئے جسطرح انکھہ سے نظر۔ یا کمان سے تیر یا عاشق کے پہلو سے دل۔ گو مہینہ کی آخر تاریخیں تھیں۔ مگر چاند نے پھر بھی زمین کے بچھونے پر

اپنے نور کی چادر لگا رکھی تھی۔ اور سارے جنگل کو چمکا دیا تھا۔ ماہ منیر اور مور کہا نے حسن آباد کے دروازہ سے نکل کر دیکھا کہ ایک کنکر کی بنی ہوئی سڑک جسکے دونوں طرف کاج اور بادام تلخ کے بڑے بڑے درخت لگے ہوئے ہیں۔ شمال سے جنوب کو سیدہی چلی جاتی ہے اور بغیر منہ کے یہہ کہہ رہی ہے۔ کہ اے ماہ منیر اور مور کہا پیارے مسافرو میں نے تمہاری انتظار میں اپنی انکہیں بچھا رکھی ہیں۔ جلدی آؤ اور میرے اوپر آرام سے قدم دہرتے ہوئے منزل پر پہنچ جاؤ۔ گھوڑہ اشارہ کے ساتھ سڑک کی طرف مڑ گئے۔ اور چاندنی کے اندر اوس ہموار رستہ پر بے تکان سرپٹ جانے لگے۔ خیر اب یہ تو نکل ہی گئے۔ آئے ہم آپ کو پھر حسن آباد کی سیر کراویں اور یہ دکھاویں کہ صبح اُٹھ کر اقبال میرزا نے کیا کیا۔

میرزا صاحب کو رات بھر نیند نہ آئی اور ماہ منیر کے انوکہے حسن کی تصویر اور جواہر کے لالچ نے کلیجہ کو گھائل کر دیا۔ تڑپ تڑپ کر چھ گھنٹے کاٹے اور صبح سے پہلے اُٹھ بیٹھا۔ حمام کیا۔ اور پُر تکلف کپڑے پہن کر دیوان خانہ میں آکر بیٹھ گیا۔ اور حکیم ابوالفتح طوسی کا انتظار کرنے لگا۔ حکیم صاحب کو آنے میں ذرا ہی دیر ہوئی تھی جو اُس نے بولا کر اپنا ہوادار بھیجدیا۔ کہ حکیم صاحب کو جلد لے آئیے۔ غرض حکیم صاحب آگئے اور سلام بندگی کے بعد باتیں شروع ہوگئیں۔

اقبال میرزا۔ حکیم صاحب رات کس کافر کو نیند آئی ہے۔ صبح تک تڑپا ہوں۔ اور رات بھر اُس کافر کی کالی کالی زلفوں کے تصور سے کلیجہ پر سانپ لوٹے ہیں۔ پھر آپ دیر کرنی کس نے بتائی ہے۔ اُنہیں بلوا آنا

ہوں۔
حکیم صاحب بیشک دیر کی کیا ضرورت ہے۔ بسم اللہ کیجئے۔ پہرہ تو رات سے ہی دروازہ پر لگا دیا ہے نا۔
اقبال میرزا جی ہاں پہرہ رات سے لگا ہوا ہے۔ دیکھئے میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں۔ کوئی ہے۔
اردلی حاضر ہوں خداوند۔
اقبال میرزا اصالت خان جمعدار کو بلاؤ۔ اردلی بھاگا ہوا گیا۔ اور اصالت خان کو بلا لایا۔ جمعدار ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر اقبال میرزا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔
اقبال میرزا برزو کی سرا کے دروازہ پر رات کس وقت سے تم نے چار آدمی نگرانی کے لئے بھیجدئے تھے۔
جمعدار جس وقت حضور نے حکم دیا تھا۔ اُسی وقت مگر حضور برزو کی سرا پر تو پہرہ نہیں لگایا گیا۔ ماہ رو کی سرا پر پہرہ لگایا گیا ہے۔ کیونکہ حضور نے رات ماہ رو کی ہی سرا کا نام لیا تھا
حکیم ابوالفتح پہلی ہی بسم اللہ غلط۔
اقبال میرزا (جمعدار سے) کہیں کھیت کی سنیں کھلیان کی۔ ارے کمبخت میں نے برزو کی سرا کی نگرانی کے لئے کہا تھا یا ماہ رو کی سرا کے لئے۔
اصالت خان حضور میں تو ماہ رُو کی سرا سمجھا تھا۔ کیونکہ حضور قصبہ میں ماہرو کی سرا ابھی ہے۔

(باقی آئندہ)

انگریزی خیالات اردو میں

جناب منشی نتانند صاحب کیں کے ایک لائق سخن سنج دوست نے شیکسپیر کے ڈراما ہملیٹ کی ایک نظم کا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ میں خوبی یہ ہے کہ اردو زبان کے لحاظ سے جذبات کو ظاہر کرنے میں زبان کی خوبی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ یقین ہے کہ شائقین و خریداران مخزن اس کی قدر کریں گے اور اس کو پڑھ کر لطف اٹھائیں گے۔ (اڈیٹر)

موت اچھی کہ زندگی اچھی؟

از جناب ناز

موت اچھی کہ زندگی اچھی؟ فکر بھی دل کو کیا لگی اچھی
آیا افضل یہ ہے کہ ہوں پیہم ہدفِ ناوکِ سنانِ الم
آشنا ہوں غم دروں کے ساتھ صلح جو بخت واژگوں کیساتھ
یا کریں اُن سے جنگ کا آہنگ تا ہو یکلخت اُن پہ عرصہ تنگ
مٹے دنیا سے بحرِ غم کا نشاں غم سے ہو دورے غمِ نہاں پنہاں
چرخ کو چکر اور فزوں ہو جائے بار خجلت سے سرنگوں ہو جائے
موت بس ایک خواب غفلت ہے خواب میں کب امید راحت ہے
نیند درمانِ حالِ بسمل۔ خوب التیام جراحت دل۔ خوب

چارۂ صد جہاں جان معلوم ‏ ‏ دفعِ سوزِ دلِ تپاں معلوم
زیرِ تربت اگر ہو کچھ آرام ‏ ‏ موت کی ہوں دعائیں صبح و شام

موت اگر ایک شکلِ خواب ہی ہے ‏ ‏ تو بھی اک دل کو اضطراب ہی ہے
خواب اُس خواب میں خدا جانے ‏ ‏ کیا پریشاں کریں خدا جانے

ایک اندیشہ ہے یہی دل کا ‏ ‏ جو نگہباں ہے جانِ بسمل کا
وسعتِ غم کو طول اسی سے ہے ‏ ‏ غم بشر کو قبول اسی سے ہے

ورنہ تو سونے کو دم میں ہوتا ہے ‏ ‏ جامۂ تن جدا تنِ جاں سے
ورنہ کِس کو پڑی اٹھانے کی ‏ ‏ خِفّت و سختیاں زمانے کی

کیوں سہیں ظلمِ حاکمِ ظالم ‏ ‏ کیوں سہیں طعنِ بخششِ مُنعم
کیوں ہو محرومیٔ وصالِ یار ‏ ‏ باعثِ بیقراریٔ دلِ زار

کیوں اُٹھائیں غمِ توقفِ عمل ‏ ‏ کیا غرض ہم کو ہو تاسفِ عمل
شوخیٔ اہلکار کیوں دیکھیں ‏ ‏ نفرتِ نابکار کیوں جھیلیں

بیشتر مردانِ عجز شعار ‏ ‏ غیرِ نااہل سے ہیں سینہ فگار
جن کی بدکاریوں سے شکلِ نجات ‏ ‏ خنجرِ آبدار کے ہے ہاتھ

کیوں اُٹھائے غمِ جہاں کوئی ‏ ‏ کیوں کرے نالہ و فغاں کوئی
دردِ جانِ نزار کون سہے ‏ ‏ سختیٔ روزگار کون سہے

مگر اندیشۂ دیارِ عدم ‏ ‏ کہ نہ معلوم واں بھی ہو تپِ غم
دلِ انساں کو کرتا ہے حیران ‏ ‏ باز رکھتا ہے اُسکو کھونے سے جان

کون آیا یہاں مکینِ عدم ‏ ‏ کہتا جو حالِ سرزمینِ عدم
اِسی اندیشہ سے نہیں مرتے ‏ ‏ قصدِ ملکِ عدم نہیں کرتے
جب خبر ہی نہیں ہے کچھ واں کی ‏ ‏ جھیلتے ہیں مصیبتیں یاں کی

اِسی اندیشہ نے کیا عجز دل | اِسی اندیشہ سے ہے جاں بسمل
کردیا پست حوصلہ دل کا | ہوش باقی رہا نہ عاقل کا
ولولہ قطع ہوگیا دل کا | قصد جاتا رہا مراحل کا
چشمۂ آرزو کا رُخ جو پھرا | نام عنقا ہوا بروانی کا

نخوتِ نازِ ما اگرچہ جاں دارد
نوکِ صد خارِ غم نہاں دارد

(شیکسپئر۔ ہملیٹ)

خیالِ یار

(از جناب منشی مالک رام صاحب شاد کچھواہہ وکیل عدالت)

جاتا نہیں ہے دم بھر دل سے ملال تیرا | آتا ہے یاد ہر دم حُسن و جمال تیرا
تھا قلب کا سویدا۔ ہر خال خال تیرا | تھا مُنہ پُر حلاوت! شیریں مقال تیرا

ہے مُرغ جاں پہ میرے ہر وقت جال تیرا
مجکو ستا رہا ہے ہر دم خیال تیرا

جاتا ہوں جب کبھی میں! الہا کے سوئے دریا | ہوتا ہوں آب دیدہ موج الم کا مارا
روتا ہوں ابر باراں کی طرح اے دلارا | آتا ہے یاد جس دم وہ چہرہ پیارا پیارا

مرتا ہے تیرے غم میں یہ خستہ حال تیرا
ہر دم ستا رہا ہے دل کو خیال تیرا

جاتا ہوں جب بیاباں کی! سمتِ چاک داماں | واں خاک اُڑا کے ہوتا ہوں اور بھی پریشاں

جب دیکھتا ہوں صحرا میں دیدۂ غزالاں یاد آتی ہیں تمہاری مخمور چشم فتّاں
یاد آ رہا ہے چہرہ! وہ بے مثال تیرا
ہردم ستا رہا ہے مجھ کو خیال تیرا

جاتا ہوں باغ میں جب کھاتا ہوں داغ دلبر بے تیرے جام سم ہے گل کا ایاغ دلبر
بادِ بہار مجھ کو ہے مثلِ بادِ صرصر انگاروں سے نہیں کم گلزار کے گلِ تر
میرے لئے رگِ جاں تھا بال بال تیرا
ہردم ستا رہا ہے مجھ کو خیال تیرا

جب سمتِ کوہ جاتا ہوں میں اسیرِ آفت نغموں سے طائروں کے ہوتی ہے افزوں وحشت
جب تو نہیں تو مجھ کو جینا بھی ہے مصیبت میری اجل بھی آئے تو ہو مجھے فراغت
ہے گرچہ تا قیامت ملنا محال تیرا
پھر بھی ستا رہا ہے مجھ کو خیال تیرا

جاتا ہوں بزم میں جب میں با دلِ پریشاں مانندِ شمع رہتا ہوں انجمن میں گریاں
جلتا ہے نارِ غم سے ہر لحظہ قلب سوزاں رہتا ہے چشم دل میں تیرا رُخِ درخشاں
دل چاہتا ہے میرا پھر ہو وصال تیرا
ہردم ستا رہا ہے مجھ کو خیال تیرا

تو مجھکو تج کے پیارے جا کر بسا عدم میں مجھکو ڈبو گیا تو دریائے رنج و غم میں
اب صبر و تاب مطلق باقی نہیں ہے ہم میں کب تک سہیں عذابیں کب تک رہیں الم میں
بے موت مار ڈالے گا انتقال تیرا
ہردم ستا رہا ہے مجھکو خیال تیرا

جلایا اُس ستم ایجاد نے گلشن کو گلشن سے

(از جناب مولوی محمد صدیق خاں صاحب عدؔ جونپوری شاگرد حضرت جلیل استاد حضور نظام دکن)

دکھا کر ہاتھ اپنے پوچھتے ہیں وہ برہمن سے
ادا سے کتنے بسمل ہونگے کتنے ہونگے چتون سے

قیامت ہے وہ میرے سامنے کہتے ہیں دشمن سے
کہ دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے ظالم تیرے شیون سے

بتِ کافر اگر پردہ اُٹھا دے روئے روشن سے
مسلمانوں سے قرآں چھین لے پوتھی برہمن سے

خبر ان کو نہیں بالوں کو جو بکھرائے بیٹھے ہیں
کہ میرے ہاتھ میں ہے دست و گریباں جیب و دامن سے

لگائی آگ پھولوں میں دکھا کر عارضِ رنگیں
جلایا اُس ستم ایجاد نے گلشن کو گلشن سے

دلِ مایوس کو تو میں کسی قابل نہ سمجھا تھا
یہ انکی سرفرازی ہے جو دیکھا شوخ چتون سے

تمہاری شرم نے بے موت مجکو مار رکھا ہے
خدا کے واسطے پردہ اُٹھاؤ روئے روشن سے

تعجب آپکو کیوں ہے ہماری خونفشانی پر
کہ جو کچھ دل میں ہوتا ہے ٹپک پڑتا ہے چتون سے

تری مژگاں کی الفت نے گھسیٹا مجکو کانٹوں میں
کہ اُلجھے رہتے ہیں دشتِ جنوں کے خار دامن سے

ہمارے زخمِ دل دیکھو تو یہ معلوم ہو تم کو
کہ کیا کیا گل کھلاتی ہے نگاہِ شوخ چلمن سے

وہی تم ہو کہ میری دوستی پہ ناز تھا تم کو
خدا کی شان اب میرا گلہ کرتے ہو دشمن سے

چمن میں ڈھونڈھتے کیا ہو یہیں سے ڈھونڈھتے جاؤ
زمانہ ہو گیا نکلے ہوئے ہم کو نشیمن سے

اِسی امید پر دردِ محبت سے میں روتا ہوں
کہ شاید میرے آنسو پونچھ دیں وہ اپنے دامن سے

کھچے تو یوں کھچے وہ مجھ سے خنجر جیسے کھچتا ہے
ملے تو یوں ملے جیسے ملے تلوار گردن سے

ادا و ناز پر قرباں خدائی ہوتی جاتی ہے
خدا رکھے جوانی میں بہت اچھے ہیں بچپن سے

دہانِ زخم سے میرے نہ نکلے کیوں دعا ہر دم
ہزاروں حسرتیں وابستہ ہیں قاتل کے دامن سے

تمہیں سب لوگ کہتے ہیں جفا جو ہے ستمگر ہے
ہوئے بدنام کیا کیا تم نرالی شوخ چتون سے

کیا کس دل جلے بسمل کو تو نے قتل اے قاتل
ٹپکتا ہے شرر بن کر لہو شمشیرِ آہن سے

یہ مطلب ہے دبی آگ اسکے سینے میں بھڑک اٹھے
ہوا زخمِ جگر کو مے رہے ہیں اپنے دامن سے

چمکتے ہیں مہ و خورشید چمکیں کیا غرض ہم کو
ہمارا گھر تو روشن ہوگا انکے روئے روشن سے

تمہاری دوستی پر کس طرح ہم کو بھروسا ہو
تمہارا دل کبھی خالی نہ پایا یادِ دشمن سے

نیا کوئی ستم جب آسماں ایجاد کرتا ہے
تو پہلے مشورہ کرتا ہے انکی شوخ چتون سے

سبکدوشی مری منظور ہے تم کو تو بسم اللہ
دکھاؤ تیغ کا جوہر اُتارو سر کو گردن سے

بہت اچھا ہوا گھر سے نکلنا میرے مجنوں کا
جنوں کی پردہ پوشی ہوگئی صحرا کے دامن سے

دلِ مضطر کو میرے کر گئے اے رعد وہ زخمی
نگاہِ ناز سے نوکِ مژہ سے شوخ چتون سے

زباں داں کون ہے آج اسکی بھی تصدیق مشکل ہے

(از جناب حفیظ جونپوری)

کسی کو داد دیں اس بات کی توفیق مشکل ہے
زباں داں کون ہے آج اسکی بھی تصدیق مشکل ہے

پیالا اور پیالہ دونوں ہی اہلِ زباں میں ہیں
مگر ہاں فی زمانہ (؟) اسکی بھی تحقیق مشکل ہے

ورق گردانیوں کی اب کہاں فرصت کہاں مہلت
بغیر اسناد کے حاصل حقِ تعویق (؟) مشکل ہے

بہت آسان ہے اس وقت کرنا اعتراضوں کا
سمجھنے میں کسی مضموں کے تعمیق (؟) مشکل ہے

حفیظ اشعار تیرے دل لبھا لیتے ہیں یہ سچ ہے
حسینانِ جہاں کی بزم میں تشویق مشکل ہے۔

رباعیات کوثر

خلاقِ بہارِ باغِ دنیا تو ہے   پھولوں پتوں کا جلوہ پیرا تو ہے
خارِ صحرا ہوں یا کہ برگِ گلِ تر   کہتے ہیں کہ اے قدیر یکتا تو ہے

خالق رازق علیم و دانا تو ہے   معطی محسن فرید و یکتا تو ہے
کیا کوہ گراں کا بار اٹھائے اک کاہ   یارب میں ضعیف ہوں توانا تو ہے

شایانِ غرور و ناز تو ہے یارب   عاجز بیکس نواز تو ہے یارب
سب کے بگڑے کو جو بنا دیتا ہے   حقا وہ کارساز تو ہے یارب

دل ہے کو ناوک جگر کو پیکان عزیز   ہم نے ان سے کبھی نہ کی جان عزیز
نشہ میں رہا حرمتِ ساقی کا خیال   ہوتا ہے سبھی کو دین ایمان عزیز

دیکھا لبِ بام اک حسینِ طناز   دن تھے عارض تو رات گیسوئے راز
خالِ مشکیں پہ ہو گیا دل مائل   تل کی لالچ میں کیا پھنسا ہے شہباز

عیش و عشرت کے تھے جو سامان مزید   راتیں تھیں شب برات دن عید سعید
غفلت کا یہ نشا رہا کہ ہم جیتے جی   تمیز نہ کر سکے سیاہ و سفید

حضرت کوثر خیرآبادی

وہ اپنا لطف کہ چھوڑیں وہ اپنا پیار رہنے دیں

(از جناب حفیظ جونپوری)

[illegible] انہیں وہ شمار رہنے دیں — نہ کم لیں ناخنِ تدبیر سے غمخوار رہنے دیں

[illegible] کہیں مرے غمخوار رہنے دیں — پڑا جس طرح ہوں جی جان سے بیزار رہنے دیں

[illegible] دل ہے اگر دشوار رہنے دیں — خدنگِ ناوکِ غم کو جگر کے پار رہنے دیں

[illegible] نہیں اچھا نہ بلائیں وہ محفل میں — مگر ہے آرزو اتنی پسِ دیوار رہنے دیں

[illegible] کیا سرگذشتِ دل — یونہی یہ رازِ سربستہ مری سرکار رہنے دیں

[illegible] تڑپانے کی تدبیریں — تغافل ہے حیا ہے وعدۂ دیدار رہنے دیں

[illegible] سرگوشیاں تیمارداروں میں — سرِ بالیں وہ ایسی پرسشِ بیمار رہنے دیں

[illegible] ہاں سمجھیں — ہمارے واسطے اپنا وہ پاسِ عار رہنے دیں

[illegible] پھر یہ ناز برداریاں کیسی — وہ اپنا لطف کہ چھوڑیں وہ اپنا پیار رہنے دیں

[illegible] میری کہیں اچھی — لڑائی کا گیا وقت اس کو [illegible] رہنے دیں

[illegible] شہر بھر پھر کر — پڑا مجھکو میاں کوچۂ [illegible] رہنے دیں

[illegible] یونہی جو وہ کچھ دن — ہمارے خون میں ڈوبی ہوئی تلوار رہنے دیں

[illegible] پردہ داری ہے — چھپی آنکھوں ہی میں وہ حسرتِ دیدار رہنے دیں

[illegible] ضد اسی میں — کلیجا چھن گیا طعنوں کی اب بوچھار رہنے دیں

[illegible] نامِ قاتل کا — مرا پیچھا جو میرے زخم وہ [illegible] رہنے دیں

[illegible] آتش — ہماری [illegible]

[illegible] — [illegible]

پریمیم بانڈ سے ہندوستانی مالامال ہو گئے

تازہ انعام کی چٹھی

۱۰۰۰ فرانک صرف دو قسطیں پہونچنے پر نکل آیا۔ بنام سردار رتھان سنگھ صاحب ٹھیکہ دار ڈیرہ خالصہ ضلع راولپنڈی ۔

بخدمت جناب چیف انڈین ایجنٹ پریمیم بانڈ انارکلی لاہور

میں آپکو خوشی سے اطلاع دیتا ہوں۔ کہ میں نے جو آپ سے پریمیم بانڈ کا فی نیشن نمبر ۲۰ خریدا تھا جسکی ابھی صرف دو قسطیں ادا کی ہیں میرے نام ایک پیاما بانڈ سے ایک ہزار فرانک نکل آیا۔ میں خواہش کرتا ہوں کہ تمام پبلک پریمیم بانڈ خرید کر فائدہ اٹھاسکے گی اس سے بڑھ کر اور کیا روپیہ لگانے کا بہتر طریقہ ہو سکتا ہے جسکا اصل روپیہ قایم اور سود و انعام بھی جاری رہے آپ اس کو فائدہ عام کے لئے شایع کر سکتے ہیں۔ دستخط رتھان سنگھ ٹھیکہ دار ڈیرہ خالصہ راولپنڈی۔

پریمیم بانڈ کیا ہیں۔ اور لاکھوں روپے انعام کسطرح حاصل ہو سکتے ہیں ؛

پریمیم بانڈ ایک قسم کے شاہی نوٹ ہوتے ہیں اور یہ پچاس سال سے جاری ہیں جسطرح کہ گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ ہوتے ہیں۔ یورپین گورنمنٹوں نے پارلیمنٹ کی منظوری سے کروڑہا پونڈ سرمایہ پریمیم بانڈ سے مختلف شہروں میں دیہات گروی رکھے ہوئے ہیں جنکا لاکھوں روپیہ سود آتا ہے اور پریمیم بانڈ کے خریداروں میں تقسیم ہوتا ہے خرید کا طریقہ پہلی قسط یا پوری قیمت بنام ایجنٹ پریمیم بانڈ انارکلی لاہور ارسال کریں۔ تو ہماری معرفت آپکا روپیہ ہیڈ آفس پیرس میں پہنچ جائیگا وہاں سے آپکو براہ راست اقرار نامہ سرکاری اسٹامپ لگا ہوا تمام کاغذات متعلقہ پریمیم بانڈ بھیجا جائیگا۔ اس میں اقرار ہوگا کہ جب تک آپکا نمبر نہ نکلے آپکا نمبر ہر دو مہینے کے بعد شامل تقسیم انعامات ہوتا رہیگا لطف یہ کہ خواہ آپکی پہلی قسط یا پوری رقم پہنچے تقسیم انعامات میں شامل کیا جاتا ہے جو انعام نکلے خریدار کو روانہ کر دیتے ہیں۔ اگر چند قسطیں ہو چکنے پر انعام نکل آئے تو باقی قسطیں وضع کر کے کل روپیہ خریدار کو دیا جاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے خریدار قیمت واپس لینا چاہے تو ہمارے ذریعہ گھر بیٹھے قیمت پریمیم بانڈ واپس لے سکتا ہے نتیجہ کا اخبار جس میں انعام حاصل کرنیوالوں کا حال ہوتا ہے ہر خریدار کو مفت روانہ کیا جاتا ہے۔

سٹی آف برسلز پریمیم بانڈ جو سنہ ۱۹۰۵ء میں جاری ہوئے۔ سالانہ سود فیصدی یا انعامات گورنمنٹ افسران کے زیر اہتمام اور پبلک کی موجودگی میں برسلز کے ٹاؤن ہال میں نکالے جاتے ہیں ہر سال چھ دفعہ انعام نکالا جاتا ہے۔ ایک انعام تین لاکھ روپیہ ایک انعام ڈیڑھ لاکھ روپیہ چار انعام فی پندرہ پندرہ ہزار روپیہ چار انعام فی ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار روپیہ چھ انعام چھ چھ سو روپیہ چھ انعام فی تین تین سو روپیہ سو انعام فی ایک سو روپیہ۔

المشتہر چیف ایجنٹ پریمیم بانڈ سلطنتہائے یورپ انارکلی لاہور

آنکھوں کا سچا علاج

اناڑی اور جاہل دوا فروشوں نے ہزاروں سرمے اور انجن کے اشتہار دے رکھے ہیں اور آنکھ کی تشریح سے اصلاً واقف نہیں ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں۔ کہ آنکھ میں کسقدر طبقہ ہیں۔ کے رطوبتیں۔ عصبہ مجوفہ کیا چیز ہے۔ نور آنکھ میں کہاں سے آتا ہے کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ ثقبہ جبیبہ کیا ہے جس میں پانی اُترتا ہے۔ نہ کتاب میں پڑھا۔ نہ ہاتھ سے یہ کام کیا۔ اسلئے مریضوں کی رہی سہی آنکھوں کیحالت بگڑ گئی۔ ایسے شہر آشوب اور طوفان بے تمیزی میں کسی دوا کا اشتہار دینا اپنا اور اپنی دوا کا وقار کھونا ہے۔ مگر میں جانتا ہوں ابھی دنیا میں علم و ہُنر کے قدردان باقی ہیں۔ اور زمانہ عقل سلیم سے خالی نہیں ہے اور سچی دواؤں کی حاجت ہے اس لئے مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ دوا مجھے

حاذق الملک حکیم عبدالمجید خان صاحب دہلی مرحوم و مغفور نے

بتائی تھی بتیس برس سے میں اپنے مطلب میں برابر آزمارہا ہوں۔ یہ آنکھوں میں پانی اُترنے کو جسے نزول الماء کہتے ہیں اور دھندھ۔ جالے۔ پڑبال۔ رتوندے کو از بس مفید ہے۔ جب آنکھوں کے سامنے بھُنگے اڑتے دکھائی دیں سمجھ لیجئے کہ پانی اُترنے والا ہے۔ یہ دوا منگائیے۔ اور استعمال کیجئے۔ پانی نہیں اُترے گا اُترتا ہوگا تو رک جائے گا۔ اور آنکھ صاف ہو جائے گی قیمت دوا فی ماشہ (عہ) ایک مریض کو ایک ماشہ دوا کافی ہوگی۔ محصول بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ

حکیم سید ناصر نذیر فراق محلہ ردوگران رستہ ارادتمند خان دہلی

مکان میر ظریف مرحوم



اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسی قدر اور ہندوستانی سمجھتے ہیں

○ ... ○ ان شہروں ... ○ ... جاتی ہے۔

... لاہور میں چھپا ... غلام رسول ... شائع کیا

قیمت سالانہ ... محصول ڈاک ...

مخزن ایجنسی لاہور کی موجودہ کتابیں

مقاماتِ خلافت ۔ مولفہ شیخ عبدالقادر بی۔اے۔بیرسٹرایٹ لار ۔ مہ/ے
رسوم دہلی ۔ مولفہ مولوی سید احمد صاحب مولف فرہنگ آصفیہ ۔ ۱۲/
اقبال دلہن ۔ (مصنفہ مولوی بشیرالدین احمد خان صاحب) قسم اول عہ/ ۔ قیمت عہ/
ابومسلم خراسانی ۔ "رسالۃ الہلال" مصری کے فاضل ایڈیٹر جرجی زیدان کی تصنیف کا ترجمہ ۔ مہہ/
درود جانستان ۔ (مصنفہ مولوی سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی) دہلی کی زبان میں بلی کا سچا واقعہ ۔ ۸/
خیالستان ۔ سید سجاد حیدر صاحب بی۔اے کے مصنفہ قصّوں کا مجموعہ ۔ عہ/
انتخاب مخزن ۔ مخزن کی سابقہ ۹ جلدوں کا انتخاب ۔ عہ/
مثنویات میر حسن ۔ مثنوی بےنظیر و بدرمنیر کیساتھ مثنوی گلزار ارم ایک قلمی نسخہ سے نقل کرکے شامل کر دی گئی ہے ۔ عہ/
سیر تبت ۔ انگریزی کتاب فی سایرس ان تبت کا بامحاورہ ترجمہ ملک تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ ۔ ۱۰/
حکمت عملی ۔ فلسفہ عملی مبسوط اور جامع کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی ۔ ـــے/
الانسان ۔ علم الانسان میں بےنظیر کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی ۔ عہ/
النحل ۔ شہد کی مکھیوں کے تاریخی حالات اور پرورش کے متعلق دلچسپ کتاب مولفہ سید احمد حسین صاحب بی اے ایل ایل بی ۔ ۱۰/
صبح زندگی ۔ اول عہ/ ۔ دوئم عہ/
خواب ہستی قیمت عہ/
تیر و نشتر قیمت ۱۰/

اجرت اشتہارات

	سالم صفحہ سرورق پر	نصف صفحہ سرورق پر	سالم صفحہ اندرونی	نصف صفحہ اندرونی
سالانہ	۳۰	۲۴	۲۰	۱۲
ششماہی	۱۷	۱۰	۱۲	مہ/
ایک دفعہ کیلئے	سرورق پر ۔ دلکار/		کسی اندرونی صفحہ پر	دستے ر/

مخزن

علمی حصہ

اسدی طوسی کی لغت فرس

(از شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی)

ہم یورپ کی علمی فیاضیوں کا شکریہ ادا کرتے کرتے تھک جاتے ہیں لیکن یورپ اپنی فیاضیوں سے نہیں تھکتا عربی کی قدیم نادر تصنیفات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر شائع کرنے کا ذکر ہم بارہا کر چکے ہیں، اب موقع ہے کہ فارسی سرمایہ کے مہیا کرنے کے متعلق جو کچھ یورپ کر رہا ہے کبھی کبھی اُس کے حالات بھی اس علمی پرچہ کے ذریعہ سے شائع کئے جائیں۔

اسدی کی نسبت عام تذکروں میں مذکور ہے کہ وہ فردوسی کا اُستاد تھا۔ اگرچہ یہ محض غلط ہے لیکن بہرحال وہ اسی زمانہ کا نہایت مشہور شاعر ہے اور مثنوی میں نظامی کے طرز کی بنیاد اُسی نے قائم کی۔ اسدی کو تمام دنیا صرف شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ صرف شاعر نہیں بلکہ فارسی لغت کا سب سے پہلا مدوّن ہے۔ اُس نے اپنی کتاب کا نام "لغت فُرس" رکھا ہے اور صرف نادر و غریب

الفاظ جمع کئے ہیں۔

یورپ کے ایک مشہور مستشرق (پاول ہارن) نے آٹھ برس کتاب کی تصحیح و تحشیہ میں صرف کئے اور ۱۸۹۷ء میں اس کو شائع کیا۔ اس کے پاس جو قلمی نسخہ تھا وہ محرم ۷۳۳ھ کا لکھا ہوا تھا۔ تصحیح و تحشیہ کے علاوہ اس نے ایک مطول دیباچہ بھی لکھا ہے لیکن چونکہ وہ جرمن زبان میں ہے اس لئے ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

مستشرق موصوف نے یہ کتاب پروفیسر نولدکی کے نام معنون کی ہے جو یورپ میں آج تمام مستشرقین کا استاد الکل تسلیم کیا جاتا ہے۔ موسیو پاول ہارن کو پروفیسر موصوف کی شاگردی کی عزت بھی حاصل ہے۔ اسی لئے اس نے چند فارسی اشعار بھی لکھے ہیں جن میں اس انتساب کا اظہار کیا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:-

چنیں بود آئین پیشینیان	چو پیش آمدے بر گاہ کیان
تو در دولت علم داری دہیم*	شہنشاہ عالی و ما بندہ ایم
ولیکن بجز کے تو ہم مردمی	کہ مر مشتری را بزیبد ہمی
بدیں ہشت سال اندریں شہر تو	طلب کردہ ام علم با جستجو
کنوں ایں کتاب تست شہا	ترا باشد از من یکے یادگار

* ان اشعار کے بیت دوم میں لفظ "دہیم" وارد ہے جو شاید "دیہیم" کی تخفیف ہے
یہ ہم نے اس کو بہ ترتیب و شناخت غلطیوں سے نکال ڈالتے ہیں:-

اسدی مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "میں اس کتاب میں بلخ و ماوراء النہر و خراسان وغیرہ کے لغات لکھتا ہوں" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں انہیں ملکوں کے لوگ شاعر و نامور تھے اور انہیں کا کلام مستند سمجھا جاتا تھا۔ اس سے یہ امر بھی حل ہوتا ہے کہ قدما کی زبان جو بالکل نامانوس معلوم ہوتی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ افغانستان و ترکستان کے بہت سے الفاظ ان کے کلام میں آ گئے

تھے جو اس وقت بالکل متروک ہوگئے جب شاعری فارس کے صدر مقام میں آگئی۔

(۲) مصنف نے التزام کیا ہے کہ ہر لغت میں شعر کی سند لائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ چونکہ مصنف خود قدیم زمانہ کا شاعر ہے اسلئے ایسے بہت سے قدمار کا کلام اس ذریعے سے محفوظ رہ گیا ہے جو آج بالکل معدوم تھے۔ مثلاً لبیبی، ابو طاہر خسروانی، منجیک، طیان، کسائی، آغاجی، شاکر بخاری، قریع الدہر، ابو شکور بلخی، ابو الفتح بستی، سرفی، ابو المثل، عمارہ مروزی، منیفی نشناس۔

مشہور ہے کہ مثنوی سب سے پہلے رودکی نے لکھی یعنی کلیلہ و دمنہ کو مثنوی کی بحر میں نظم کیا، فردوسی نے شاہ نامہ میں اس مثنوی کا ذکر کیا ہے لیکن آج یہ مثنوی بالکل نایاب ہے حتیٰ کہ اس کے دو چار شعر بھی ہاتھ نہیں آتے۔ اس کتاب (لغت فرس) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی (کلیلہ و دمنہ) مثنوی مولوی رومی کے وزن پر ہے۔

اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

دمنہ را گفتا کہ تا این بانگ چیست ۔۔۔ با نصیب و ہم این آوای کیست

دمنہ گفت او را جز این آوا و گر ۔۔۔ کار تو نہ ؟ ہست و ہمے بیشتر

آب ہر چہ بیشتر می زد گند ۔۔۔ بند رود نیز ہست بود ہ بفگند

دل گسستہ داری از بانگ بلند ۔۔۔ رنجکی باشدت و آوا گزند

اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رودکی نے شاہنامہ کی بحر میں ایک مثنوی لکھی تھی اس کا ایک شعر یہ ہے:-

نگو گفت مزدور با آں خدیش ۔۔۔ مکن بد بکس گر نخواہی بخویش

(زروجہ)

عنصری کے تذکرہ میں اُس کی مثنویوں کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر لکھتے ہیں کہ اب نایید ہیں۔ اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عنصری نے مختلف بحروں میں مثنویاں لکھی

تھیں۔شاہ نامہ کی بحر میں یہ اشعار ہیں:۔

بہاریہ:۔

چو سر گشتہ غنچۂ سرخ گل جہاں جامہ پوشید ہر رنگ گل

رزمیہ:۔

اگر بر سر مرد زد در نبرد سر قامتش با زمیں پست کرد

ہفت پیکر کی بحر میں جو مثنوی ہے زیادہ صاف و شستہ ہے۔نمونہ یہ ہے:۔

گفت کایں مردمان بیباک اند ہمہ ہموارہ دزد و چالاک اند

(۳) عام طور پر مشہور ہے کہ فردوسی نے یہ التزام کیا تھا کہ عربی الفاظ نہ آئیں لیکن اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ تک عربی الفاظ فارسی مثنویوں میں یوں بھی کم برتے جاتے تھے۔ عنصری، رودکی، ابوشکور بلخی کی مثنویوں کے اشعار کثرت سے نقل کئے ہیں، ان میں بھی عربی الفاظ بہت ہی خال خال ہیں۔

(۴) ہمارا خیال ہے کہ ہزالی و فحش گوئی اُس زمانہ تک مطلق پیدا نہیں ہوئی تھی۔ فردوسی نے ہجو لکھی تو اس قدر شائستہ لکھی کہ مستورات کو اُس کے پڑھنے میں تامل نہیں ہوسکتا۔لیکن اس کتاب سے معلوم ہوا کہ یہ بلا اُسی زمانہ میں پیدا ہوچکی تھی۔ لبیبی جو اس زمانہ کا ممتاز شاعر ہے جعفر زٹلی سے ذرہ بھر کم نہیں۔ ابوشکور اور منجیک بھی اکثر فحش کہتے ہیں۔ فردوسی و فرخی وغیرہ اس زمانہ کے عام شاعر نہیں بلکہ مہذب شاعر ہیں۔

(۵) اگرچہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ کتاب اسدی طوسی کی تصنیف ہے مصنف نے خود ایک لغت کی سند میں اپنا نام لکھا ہے اور اس کے ساتھ مصنف کا لفظ بھی اضافہ کیا ہے، لیکن یہ سخت تعجب ہے کہ کتاب میں جابجا معزی کے اشعار ہیں، حالانکہ معزی سنجر کے زمانہ کا شاعر ہے، ہمارا خیال ہے کہ یہ اشعار الحاقی ہیں،

یعنی کسی نے بطور حاشیہ کے لکھے تھے جو کتاب میں شامل ہو گئے۔

(۶) اڈیٹر (پاول ارن) نے دیباچہ میں کسی کتاب کی عبارت نقل کی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں:-

"تصنیف حکیم اسدی خواہرزادہ حکیم ابوالقاسم منصور فردوسی رحمۃ اللہ علیہ"

اگر یہ نقل صحیح ہو تو اسدی کی فہرست مفاخر میں یہ اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ فردوسی کا بھانجا تھا۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ ایک ہی شہر اور ایک ہی خاندان میں دو شاعر اس رتبہ کے پیدا ہوں کہ اقلیم سخن انہیں دونوں میں تقسیم ہو کر رہ جائے۔

دوبارہ ہم پاول صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی بدولت ایک ایسی نایاب اور گم شدہ کتاب بہم پہنچی اور شائع ہوئی۔

نام نیکِ رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

تاریخی حصّہ

قدیم ہندوستان کا ایک تاریخی منظر

(از شمس العلماء جناب مولانا مولوی عبداللہ العمادی صاحب)

مالیۂ اراضی مسلمان حکومتوں کے عہد میں

اسلامی ہندوستان میں خراج کا قانون کیا تھا؟

(نمبر اوّل)

ہمارے صوبہ (پنجاب) میں گورنمنٹ کی عنایت سے ایک تاریخی سوسائٹی قائم ہے جو قدیم ہندوستان کے تاریخی واقعات کی تحقیق کرتی ہے اور اُس کے نتائج اہل نظر کے روبرو لاتی ہے، اس ذیل میں جن مہمات امور پر سوسائٹی کی توجہ مبذول رہی ہے پبلک کیلئے

اُن کی تحقیقات واقع میں نہایت سودمند ہوگی، ہر ایک ہندوستانی کا فرض ہے کہ اس باب میں سوسائٹی کو مدد دے، ہم خود بھی اپنا فرض محسوس کر رہے ہیں، اور اس لئے ذیل کے سلسلۂ تحقیق میں ہم تین امور کو منقح کرنا چاہتے ہیں (۱) قدیم ہندوستان میں قانون خراج (لگان یا مالگذاری یا معاملۂ اراضی یا مالیہ) کیا تھا (۲) قدیم ہندوستان کی رعایا کیا خوش حال نہ تھی (۳) ہندوستانی گورنمنٹیں اپنی رعایا کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھتی تھیں؛ بالفعل ہم اس دائرہ کو ہندوستان کی اسلامی حکومتوں کے طریق عمل تک محدود رکھتے ہیں اور غیر اسلامی حکومتوں کی تحقیقات کو اپنے روشن خیال اور روشن ضمیر ہندو محققین کیلئے چھوڑتے ہیں کہ وہ بھی اس تحقیق میں حصہ لیں اور مادر وطن کی سب سے بڑی خدمت کریں۔

ہم نے اس بحث میں انگریزی تاریخوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی ہے جن کی نسبت شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ دہلوی نے سرہنری لارنس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "انگریز اگر فرشتہ بن کر بھی ہندو مسلمانوں کے عہد سلطنت کی تاریخ تحریر کرے گا تو اس کی عیب نمائی لغیر نہیں رہے گا" (تاریخ ہندوستان۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۰) ہمارے معتمد علیہ زیادہ تر مسلمان مورخین ہند ہیں جن کی نسبت مشہور محقق فن تاریخ جے۔ ٹال۔ ہوئلر کی رائے ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں مورخوں نے جو واقعی تاریخیں لکھی ہیں اُن میں بیشتر راستی و درستی اور سچائی پائی جاتی ہے، بعض دفعہ وہ اُن بدکار پادشاہوں کی بھی تعریف کرتے ہیں جو پکے مسلمان تھے، سوائے اس کے یہ مورخ معتمد و متدین بھی تھے علماء ان کو اپنی حد سے پرے نکلنے نہیں دیتے تھے۔ دارالسلطنت میں علماء، فضلاء، مفتیوں، فقیہوں، اور قاضیوں کا ایک مجمع رہتا تھا شریعت اسلام پر سلطنت کا چلانا ان کا کام تھا، ایشیا کی شخصی سلطنت میں یہی گروہ تھا جو اپنی آزادانہ آواز نکال سکتا تھا، اگر مسلمانوں کے عہد سلطنت کے مورخ سائنٹی

کے بجائے چاپلوسی اور خوشامد کرتے تھے تو یہ گروہ اُن کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہو جاتا تھا جس سے وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتے تھے، پھر ہندوستان میں عام رائے معدوم ہو گئی، خوشامد و دروغ کا نام تاریخ ہو گیا"

مالیہ ہند عربوں کے عہد میں

آج سے ایک ہزار دو سو ۴۹ برس قبل کا واقعہ ہے کہ عرب گورنر جنرل سندھ و پنجاب (محمد بن قاسم ثقفی) نے ۹۳ھ میں ممالک مفتوحہ کا نیا بند و بست کیا تھا جسے ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا بند و بست کہنا چاہئے، تاریخ بتا رہی ہے کہ تحصیل زرمالگزاری کے لئے دہاقین (یعنی زمینداروں) اور رئیسوں کو مقرر کیا کہ وہ شہر اور رئیسوں سے محصول زمین وصول کریں جس سے اُن کو تقویت و استظہار رہو، جب برہمنوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے اپنا حال عرض کیا کہ یہ خاص ہمارا کام ہے، ہمیشہ ہم اس کو کرتے آئے ہیں، رئیسان شہر نے بھی اُن کی عظمت پر شہادت دی، محمد بن قاسم نے برہمنوں کو معزز جانا، اُن کی یہ عزت کی کہ جلیل عہدوں پر اُنکو مقرر کر کے ممتاز و سرفراز کر دیا، اور اُن کی برتری قائم رہنے کا حکم صادر فرمایا، اُن کی ایسی حمایت کی کہ اُن کے ساتھ کوئی مقابلہ و زبردستی نہیں کر سکتا تھا، ہر ایک برہمن کو ایک عہدہ دے دیا، اُس کو پورا اعتبار تھا کہ برہمن کبھی دغا نہ کریں گے، راجہ چچ کی طرح ہر برہمن کو کسی نہ کسی شغل میں لگا دیا اور کل برہمنوں کو بُلا کر اُن کو یاد دلا دیا کہ راجہ داہر کے عہد میں تم بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے، اس لئے تم کو شہر و حوالی شہر کا حال بخوبی معلوم ہو گا، اگر تم کسی مشہور و معروف آدمی کا حال جانتے ہو۔ تو مجھے مطلع کرو، میں اُس کو عہدہ جلیلہ پر مقرر کروں گا اور اُس کو انعام و اکرام دونگا، میں تم سب کی دیانت و امانت پر اعتماد کُلی رکھتا ہوں، اس لئے یہ عہدے تم کو

عطا کرتا ہوں اور سارے ملک کا انتظام تمہارے ہات میں دیتا ہوں، یہ عہدے
تم کو نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوئے ہیں اور تم سے چھین کر دوسروں کو نہیں دئیے جائینگے"
(صفحہ ۱۵۲) اس عہد کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ" برہمنوں سے جن کو محمد بن قاسم نے
محصّل مال وعمّال مقرر کیا تھا اُس نے یہ کہا کہ رعایا و پادشاہ کے درمیان معاملہ راستی
سے کرو، اُن کے بیچ میں جب کوئی تقسیم کا معاملہ ہو تو دونوں میں نصفا نصفی کا معاملہ
کرو، اور محصول اُتنا لوگوں پر مقرر کرو کہ وہ ادا کرسکیں، تم اوروں کے ساتھ موافقت
کرو اور ایسے متردد نہو کہ ملک خراب ہوجائے، محمد بن قاسم نے ہر ایک (فرد رعایا)
کو بُلا کر نصیحت کی کر تو سب طرح سے خوش دل رہ، کچھ اندیشہ نہ کر، کسی طرح کا الزام
تجھ پر نہیں لگایا جائیگا تجھ سے محصول کی بابت میں کوئی دستاویز نہیں لکھاتا
ہوں، بلکہ ایک جمع مقرر کی ہے اُس کو تو ادا کر، اس باب میں بھی تیرے ساتھ نرمی و رعایت
برتی جائیگی، اس معاملہ میں جو تیری درخواست ہوگی میں اُس کو سنونگا، اُس کا جواب
شافی دونگا، اور تیری دلی تمنا پوری کی جائے گی" (صفحہ ۱۵۳)، عربوں کے انتظام
حکومت ہند کے متعلق بصراحت و اعلان یہ تشریح موجود ہے کہ" جو ملک اُن کے ہات
لگا اُس کو یہیں کے (ہندو) رئیسوں اور امیروں کے حوالہ کردیا .... جو کام روپیہ
کے حساب کا تھا وہ اُنھوں نے ہندوؤں کے ایسا سپرد کردیا کہ جو چاہیں سیاہ و سفید
کریں، ملک کی آمدنی و خزانہ کے ہندو ایسے مالک تھے کہ اُن کے اختیار میں تھا
کہ جو چاہیں ہات اُٹھا کر مسلمانوں کو پیسہ دیں، اہل عرب کو یہ محاسب دھوکا دیتے
رہے اور خیانتیں کرکے مال اُڑاتے رہے، جب کہیں چار پانچ برس کا زر باوجب
ادا نہوا تو اہل عرب نے محاسبین کو شکنجہ سے ڈرایا اور فتنہ کا خوف دکھایا، یوں ہی
اٹکل پچو اپنا روپیہ جو چاہا لے لیا، دینے والوں نے کچھ منت سماجت کی، کچھ حکمت کام
میں لائے، کچھ سختی کے متحمل ہوئے اور تھوڑا تھوڑا روپیہ دے کر ہات پاؤں چھڑا لئے

.... جب کوئی ملک انہوں نے مفتوح کیا اس فتح کے استحقاق میں جتنا روپیہ رعایا دینے پر راضی ہوئی انہوں نے غنیمت جانا، زمین کی قدر وقیمت کی جانچ پڑتال کرکے اُس کا محصول نہیں مقرر کیا، کچھ اُن کے ہاں ملک کی آمد وخرچ کا حساب ترتیب سے نہیں رہتا تھا، ایک مدت کے بعد ایک شخص نے اس آمد وخرچ کی کتاب بنائی" (صفحہ ۷۷، ۱۰۰) "پیشہ ور، کاشتکار، تاجر، گشت وخون سے معاف تھے، اُن سے کچھ تعرض نہ ہوتا تھا .... جن لوگوں نے جزیہ دینا قبول کیا اُن کو حسب دستور قدیم اپنے رسوم مذہب کے اجرا وادا کا اختیار دیا گیا، جب راجہ بھی جزیہ دینے پر راضی ہوگیا تو اُس کا ملک اُس کے قبضہ میں دیدیا اور وہ ایک باجگذار راجہ بن گیا، جو مسلمان ہوگیا وہ سب جھگڑوں سے چھوٹ گیا" (صفحہ ۱۸۰)

یہ تشریحیں صاف بتا رہی ہیں کہ عربوں نے ہندوستان کے جس قدر علاقہ (سندھ وپنجاب) پر قبضہ کیا تھا وہاں سلیف گورنمنٹ قائم کر رکھی تھی، یعنی رعایا کو پوری طرح آزادی حاصل تھی کہ اسلام کے زیر سایہ رہ کر جس طریق پر چاہے اپنے ملک کا انتظام کرے، گورنمنٹ کو اُس کے اندرونی معاملات سے کچھ تعلق نہ تھا، وہ صرف نگرانی رکھتی تھی اور خراج یا جزیہ وصول کرتی تھی، خراج بھی رعایا کی رائے کے مطابق تھا، مزارعین جو اپنی مرضی سے دے دیتے تھے حکام بخوشی لے لیتے تھے، اس سے زیادہ کسی بات میں اُن کو مطلق سروکار نہ تھا، حتیٰ کہ "جن جوانمردوں نے کارنمایاں ملک سندھ میں کئے اُنہوں نے معافی میں اقطاع زمین پائے مگر خلیفہ عمر (رض) کا حکم سپاہیوں کے واسطے تھا کہ وہ کوئی پیشہ وکاشتکاری نہ کرنے پائیں، اس لئے گو زمین اُن کو مل گئی تھی مگر وہ اصل مالکوں کے قبضہ میں رہی" (صفحہ ۲۰۷)

یہ طریق بندوبست سلطان علاء الدین خلجی متوفی ۷۱۶ھ کے عہد تک قائم رہا،

گورنمنٹ کے آئین و اسلوب میں گو تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں مگر کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس عہد کے فاتحان اسلام نے کوئی نیا بندوبست رائج کیا ہو، ہندوستان اُس وقت پر کالۂ آتش بن رہا تھا، مسلمانوں کو فتوحات سے اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ آئین خراج میں کسی تبدیلی کی جانب ملتفت ہو سکیں، تقریباً چھ سو برس کے بعد اس تبدیلی کی ضرورت سلطان علاء الدین کو البتہ محسوس ہوئی جو ہندوستان میں دوسرے اسلامی بندوبست کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔

دوسرا بندوبست مالیہ

سلطان علاء الدین کے پُر آشوب زمانہ میں قدیم آئین خراج کی وجہ سے زراعت پیشہ گروہ نہایت متموّل و دولتمند ہو گیا تھا، ثروت کی بے انتہا کثرت تھی اسلئے سلطنت کے خلاف عموماً بغاوتیں کرتے تھے جن کے دفعیہ میں ہر اسلامی گورنمنٹ کو سخت ترین زحمتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، سلطان علاء الدین نے اس کا یہ بندوبست کیا کہ مالیہ کی شرح گراں کر دی "قانون مقرر ہوا کہ مساحت کے بموجب نصف محصول بلا قصور وصول ہو، اس میں مقدم و چودھری و کل رعایا سب برابر ہوں، زبردستوں کا بوجھ زیردستوں کے سر نہ پڑے" (جلد ۱ صفحہ ۲۱۰)

"امیر و غریب، زمیندار و کاشتکار سب برابر ہو گئے تھے۔ . . . . یہ مال و زر ہی سب سے زیادہ دین و ملک میں فتنہ پردازی کرتا ہے . . . . سب بُرے کاموں کی اصل دولت ہے، جب پادشاہ نے طرح طرح سے رعایا کے پنجہ سے مال چھڑا لیا تو . . . . سے بال و پر کیوں کر ہلا سکتے" (صفحہ ۲۰۰)

اس طرح پر بغاوتوں کا قطعی انسداد ہو گیا اور ملک میں امن و امان سے رعایا رہنے لگی۔

تیسرا بندوبست

سلطان علاء الدین کا بندوبست بہت دن تک قائم رہا نہیں، گورنمنٹ کو جب بغاوتوں کی جانب سے اطمینان ہوگیا تو زراعت پیشہ گروہ کی جانب پھر توجہ ہوئی اور آئین اسلام کے مطابق ازسرنو بندوبست کیا گیا کہ زمین کی جو پیداوار ہو اُس میں زائد از زائد گیارھواں یا دسواں حصہ سلطنت کا حق ہے، یعنی ۱/۱۰ یا ۱/۱۱ سے زیادہ خراج نہ لینا چاہئے کیونکہ زیادتی سے رعایا پر بار پڑے گا اور ملک ویران ہو جائے گا (صفحہ ۹۷) یہ بندوبست سلطان غیاث الدین متوفی ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء کی گورنمنٹ نے کیا تھا اور اُسی کے نام سے تاریخ میں یہ مذکور ہے،

(نمبر دوم)

ہم اس کے قبل لکھ چکے ہیں کہ سنہ ۹۲ھ سے ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء تک ہندوستان میں تشخیص جمع وبندوبست مالگزاری کے لئے تین مختلف انتظام ہوئے تھے (۱) رعایا کو اختیار تھا کہ جو مالیہ چاہے سلطنت کو دے (۲) اس قانون سے مزارعین دولتمند ہو کر سلطنت کا مقابلہ کرنے لگے اسلئے اُن کا زور توڑنے کو پیداوار کا نصف حصہ خراج حکومت مقرر ہوا (۳) اس قانون کا واضع ۶۱۶ھ/۱۲۱۹ء میں مرگیا، ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء میں اُس کے خاندان سے حکومت نکل گئی اور دوسری گورنمنٹ قائم ہوئی جس نے دوسرے بندوبست کو منسوخ کرکے ایک تیسرا بندوبست خود کیا کہ احکام شرع شریف کے مطابق زمین کی پیداوار میں نو یا دس حصے زمیندار کے ہیں اور دسواں یا گیارھواں حصہ گورنمنٹ کا حق ہے، یہ قانون عام تھا اور

ہمیشہ عام رہا ہے، قانون تنصیف پیداوار کا نفاذ بحساب تقریبی صرف دس برس تک کیلئے تھا، پھر یہ قانون بدل گیا اور تیسرا بندوبست ہوا جس کی تشریح ہم ابھی ابھی کر چکے ہیں، آخری بندوبست میں بھی تبدیلی ہوئی اور نئی گورنمنٹ کو ایک نیا طریقہ جاری کرنا پڑا۔

چوتھا بندوبست

۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں سلطان ابوالفتح محمد شاہ تخت نشین ہوا، بادشاہ گو غناہ خرچ تھا مگر رعایا خوشحال تھی اور خراج کی مقدار چونکہ صرف ۱/۱۰ یا ۱/۱۱ تھی اسلئے مالگزاری بڑی آسانی سے وصول ہو جاتی تھی۔ "اُس وقت دور و دراز کے صوبوں میں بھی ایسا ہی اچھا انتظام تھا جیسا کہ دارالسلطنت کے قرب و جوار میں، دور و نزدیک کے ملکوں سے خراج بے خرخشہ وصول ہوتا تھا" (تاریخ ہند۔ ج ۲ ص ۱۱۰) بادشاہ کے دل میں بعض خیالات ایسے پیدا ہوئے کہ اُس نے دوآبہ (یعنی علاقہ مابین دریائے گنگا و جمنا) کے خراج کو تگنا چوگنا اضافہ کر دیا، اس سے رعایا کے سر پہ خراج کا بار ایسا پڑا کہ اُس کی گردن جھک گئی اور کمر ٹوٹ گئی . . . . ایک قحط عظیم مہلک پڑا . . . . پادشاہ نے حکم دیا کہ اہل شہر کو اتنا غلہ دے دیا جائے کہ وہ چھ مہینے تک کھائیں، اس حکم پر عملدرآمد کیلئے اہلکاران شاہی نے پہلے شہر کے محلوں کے آدمیوں کی فہرست بنائی، پھر ہر ایک شخص کو اتنا غلہ دے دیا کہ وہ چھ مہینے تک کھائے، مگر اس سے مصیبت نہ ٹلی" (ص ۱۱۱ و ۱۱۲) یہ بندوبست (اضافۂ مالیہ) صرف ایک خاص علاقہ میں ہوا تھا جس سے رعایا و گورنمنٹ دونوں کو نقصان اٹھانا پڑا، رعایا کو تباہی سے بچانے کیلئے گورنمنٹ کو بہت کچھ خرچ کرنا پڑا، پھر بھی باشندے خوشحال نہ ہو سکے، سلطنت کے دوسرے صوبوں

میں وہی قدیم قانون خراج ۱/۲ یا ۱/۱۱ مروج تھا، مگر اضافۂ مالیہ کا ہولناک نتیجہ جو دوآبہ میں نمایاں ہوا تھا، ایسا نہ تھا کہ ترقی زراعت کی جانب گورنمنٹ کو توجہ نہ ہوتی، "زراعت کے واسطے اُس نے بہت کچھ سوچ بچار کیا، جو اسلوب اُس نے اختیار کئے اگر وہ رعایا کے نزدیک محالات سے نہ ہوتے تو ضرور کچھ نتیجہ ہوتا۔ اُس نے چاہا کہ تیس تیس کوس مربعوں کے حلقوں میں زمین تقسیم ہو اور خزانۂ شاہی سے اُس کا تردد ہو (یعنی سرکاری روپیہ سے زمینداروں کو مدد دی جائے کہ ان مربعوں میں وہ زراعت کریں) زمین غیر مزروعہ مزروعہ ہو اور مزروعہ زمین کی زراعت کی اور ترقی ہو، مگر یہ روپیہ جن اہلکاروں کے سپرد ہوا وہ کمبخت ایسے حریص و طامع تھے اور فاقوں کے مارے بھوکے بیٹھے تھے کہ اُنھوں نے اس روپیہ کو فوراً اُڑا دیا اور تردد زمین کے واسطے خاک نہ دیا، جو کچھ روپیہ صرف ہوا اُس کا سواں کیا ہزارواں حصہ کبھی وصول نہ ہوا، دو سال میں سات لاکھ تنگہ خزانہ کا خرچ ہو گیا، اگر پادشاہ ٹھٹھہ کی مہم سے زندہ پھرتا تو ان اہلکاروں سے خوب حساب سمجھتا" (ص ۳۴۲)۔

پانچواں بندوبست

۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں محمد شاہ نے وفات پائی اور فیروز شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا، اُس نے بندوبست قدیم کو منسوخ کر کے زمین مزروعہ کی پیداوار کا دسواں حصہ خراج مقرر کیا (ص ۲۲۶) جو ویران زمینیں تھیں اُن کو آباد کیا، نہریں جاری کیں، شہر بسائے، قصبات و قریات آباد کئے، اور اُن میں وہی قانون خراج ۱/۱۰ نافذ ہوا کہ پیداوار زمین کے نو حصے رعایا لے اور ایک حصہ پادشاہ کو ملے، مگر یہ آمدنی جس کا نام اُس زمانہ میں حق شرب تھا بیت المال سے خارج رہی

اور علماء و مشائخ پر تقسیم کر دی گئی، ایسی زمینوں کی زراعت سے پادشاہ کے املاک میں دو لاکھ تنگہ کی آمدنی بڑھ گئی تھی (ص ۱۰۴)

چھٹا بندوبست

فیروز شاہ کا قانون خراج سنہ ۸۰۱ھ / ۱۴۰۰ء تک نافذ رہا، مگر اس کے بعد امیر تیمور کے حملہ نے سلطنت ہند کی حالت متزلزل کر دی اور سلاطین میں اتنی قدرت نہ رہی کہ ملک کا معقول انتظام کر سکیں، اُس زمانہ میں رعایا سے جو کچھ وصول ہوتا اُسی کو غنیمت جانتے، ایک مدت تک یہی دستور رہا کہ مزارعین جس قدر چاہتے خراج دیتے اور جو نہ چاہتے نہ دیتے، سنہ ۸۲۶ھ / ۱۴۲۲ء میں نیا بندوبست ہوا جس کی ابتدا مالوہ و چنبل سے ہوئی، سلطان معز الدین مبارک شاہ متوفی ۸۳۷ھ نے قانون قدیم کے موافق خراج اس دیار کے زمینداروں سے وصول کیا (ص ۳۰۹) وہ قانون قدیم کیا تھا؟ وہ یہی ½ کا ضابطۂ مالگزاری تھا۔

ساتواں بندوبست

بندوبست مبارک شاہی کی میعاد ۹۳۲ھ سے آگے نہ بڑھنے پائی، اسی سال سلطان بابر متوفی سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء کے فاتحانہ حملوں سے ملک میں انقلاب آگیا اور کوئی بندوبست قائم نہ رہا، بابر و ہمایوں نے کچھ انتظامات سرسری طور پر کئے ہونگے مگر اُن کی تفصیل نہیں ملتی، سنہ ۹۴۹ھ / ۱۵۴۲ء تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد شیر شاہ نے ملک کا از سرِ نو بندوبست کیا، جن دنوں وہ جاگیردار تھا اُسی زمانہ میں ترقی کاروبار زراعت سے اُس کو انتہائی دلچسپی تھی، سپاہیوں کو سمجھا رکھا تھا کہ "زراعت و عمارت میں رعیت کے ساتھ سہولت و عمل نیک کرو، ظلم و تعدی کو

چھوڑ دو، رعیت سے بوقت زراعت جو محصول مقرر ہو اُس قرار سے محصول لینے کے وقت پھرنا نہیں چاہئے، اُسی کے موافق محصول لینا چاہئے، اگر عمال ویسا ہی اپنے قول و قرار سے محصول لینے کے وقت پھر جائیں اور رعیت کے حق میں طمع کریں تو ویرانی رعیت اور حاکم کی بدنامی کا سبب ہوگا اور سال آئندہ میں محصول کم ہو جائیگا...... اگر میں سنوں گا کہ انہوں نے رعیت سے ایک گھاس کا پٹھا بھی ظلم سے لیا تو ایسی سیاست کروں گا کہ اوروں کو عبرت ہو، خواہ میرا کیسا ہی عزیز ہو میں اُس کی رعایت نہیں کروں گا........ رعیت کی طرف متوجہ ہو کر کہ میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ جس طرح اپنا فائدہ دیکھو زرمالگزاری ادا کرو...... مُقدموں سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ سارے ملک کی سرسبزی زراعت پر موقوف ہے اور زراعت کا سارا مدار کاشتکاروں پر ہے، جس قدر وہ مُرفہ الحال ہونگے زمین کو زرخیز کریں گے اور جس قدر خستہ حال ہونگے زمین کو ویران کریں گے.......... حاکم پر واجب ہے کہ پیمائش زمین کے وقت جس قدر رعایت کاشتکار کے ساتھ ممکن ہے کرے مگر تحصیل کے وقت رعایت کا نام نہ لے.......... بعد اس کے کاشتکار و رعیت کی طرف متوجہ ہوا اور اُن سے کہا کہ میں دل و جان سے تمہارا بہی خواہ ہوں، جس بات کی تکلیف تم کو ذراسی بھی ہو تو مجھ سے آکر عرض کرو، میں اُس کا علاج کردوں گا، میں تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جانتا ہوں" (رزم نامۂ شیر شاہی۔ ص ۱۰ و ۱۱) جب پادشاہ ہوا تو ایسا بندوبست کیا کہ جو ملک "تحت تصرف آتا تھا اُس کی عمارت (آبادی)، و زراعت میں وہ سعی کرتا تھا اور تھوڑے دنوں میں اپنی حالت سابقہ سے بہتر ہو جاتا تھا" (ص ۴۷) رعیت سے تحصیل زر کے لئے اور آبادی مملکت کی غرض سے یہ قاعدے مقرر تھے کہ "ہر پرگنہ میں ایک ایک امیر، ایک

خدا ترس شقہ دار، ایک فوطہ دار (خازن) ایک کارکن ہندی نویس اور دوسرا کارکن فارسی نویس مقرر ہوتا تھا، واقعات مشتاقی میں لکھا ہے کہ اُس نے ملک کو پرگنوں میں تقسیم کیا تھا، اُس کے ملک میں ایک لاکھ ۱۶ ہزار پرگنے تھے، ہر سال زمین کی پیمائش کرنے کا حکم تھا، اس پیمائش کے مطابق اور جنس پیداوار کے موافق رعیت سے خراج لیا جاتا تھا" (ص ۴۸ و ۵۵) ان بیانات سے گو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سرکاری خراج کی شرح کیا تھی، تاہم مورخین کا چونکہ قاعدہ ہے کہ خلاف دستور قدیم جب کوئی نئی شرح مقرر ہوتی تھی تو اُس کا ضرور تذکرہ کرتے تھے، اسلئے بندوبست شیر شاہی میں شرح مالگزاری کی تشریح نہ کرنے سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس وقت بھی معمولی قانون خراج چلا رہا ہوگا، بہرحال یہ بندوبست اکبر اعظم کے عہد تک قائم رہا، اکبر نے اس میں مناسب تبدیلیاں کیں جن کی تحقیق ہم آئندہ نمبر میں کریں گے۔ واللہ المستعان۔

دل سمجھتے ہو جسے گنج شہیداں ہے یہی

از جناب ملک محی الدین احمد صاحب قمر (کشمیر)

یہ جو پرتو ہے ترا طلعت خوباں ہے یہی
خط یہی، خال یہی، کاکل پیچاں ہے یہی

بند ہیں سینکڑوں خوں گشتہ امیدیں اسمیں
دل سمجھتے ہو جسے گنج شہیداں ہے یہی

آستانِ درِ محبوب کو چھوڑیں کیوں کر
کعبۂ دیں ہے یہی، قبلۂ ایماں ہے یہی

جلوۂ یوسف مقصود ہے میرے دل میں
چاہِ کنعاں ہے یہی، حجرۂ زنداں ہے یہی

پابرہنہ ہوں رواں دشتِ طلب میں ہمدم
دیکھ ذوقِ خلشِ خارِ مغیلاں ہے یہی

عالمِ عشق ہے اک داغِ جگر سے روشن
ماہِ تاباں ہے یہی، مہرِ درخشاں ہے یہی

ہاں ہاں نوش بھی کر ساغرِ صہبا زاہد
حوضِ کوثر ہے یہی، چشمۂ حیواں ہے یہی

اس کی ماہیت [illegible] فقط [illegible] دل
اب اگر ہے تو علاجِ غمِ پنہاں ہے یہی

تیری خواہش ہے [illegible] ذوق ہے تیری [illegible]
غایتِ شوق و طلب ہے یہی، ارماں ہے یہی

شیشۂ [illegible] ہے [illegible] دل
بزمِ عرفاں ہے یہی، محفلِ رنداں ہے یہی

کیسے [illegible] نہیں عالمِ امکاں قمر
سبق آموزِ فنا کو دبستاں ہے یہی

مُعاشرتی حصّہ

نیکی، بدی، اور تکلیف

(خان بہادر میرزا سلطان احمد صاحب مقیم لندن کے قلم سے)

بعض وقت دل و دماغ میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہو کر موجب خلجان اور تشویش ہوتے ہیں۔

(الف) کیوں قدرت نے ہمیں بالکل ہی نیک نہ بنا دیا۔

(ب) کیوں ان اسباب اور ان رجحانات کے تابع رکھا جو بدی کا موجب یا سرچشمہ ہیں۔

(ج) کیوں ایسا تکلیف دہ سرچشمہ بند ہی نہ کر دیا گیا۔

(د) کیوں تکلیف اور درد و الم سے محفوظ نہ رکھا۔

(ہ) یا کیوں ایسی صورتیں صورت پذیر ہوتی ہیں۔

یہ وہ سوالات اور خدشات ہیں جو کم و بیش اکثر انسانوں کے دل و دماغ میں مختلف صورتوں کے ماتحت متموّج رہتے ہیں بعض وقت انسان بعض متضاد واقعات اور خاص کیفیات سے ان کا جواب خود بخود ہی پا لیتا ہے اور بعض وقت سوالات اور بحث کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیکی و بدی کی تفصیل اور تعریف بہت تکلیف دہ ہے ساری

دنیا میں نیکی و بدی کی تعریف و تفصیل ایک نہیں ہو سکتی اور پھر یہ کہ صرف انسان ہی تک اس کا خاتمہ نہیں ہو سکتا یا نہیں ہو جاتا بلکہ دوسری مخلوق اور کائنات تک بھی اسکی ملنا ہیں چلی جاتی ہیں گو ہمیں دوسری مخلوق کے رجحانات اور مصطلحات سے ایک بڑی حد تک آگاہی نہیں لیکن ماتحت بعض مکشوفات اور کیفیات کے یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ اونہیں بھی اپنے اپنے دائرہ یا اپنے اپنے رنگ میں نیکی و بدی اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ وہ بھی ایک حد تک ہمارے ساتھ ہیں اگر ہم اون کی زبانوں اور معلومات سے واقفیت رکھتے تو ہمیں معلوم ہو سکتا کہ اون کے نزدیک نیکی اور بدی کیا کچھ پیمانہ رکھتی ہے اور تکلیف و مصیبت کا کیا مفہوم ہے نیکی و بدی کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جو اپنے اپنے مواقع پر مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے مذاہب۔ اخلاق۔ فلسفہ اور سوسائٹی ہی میں نہیں بلکہ دیگر معنوں میں بھی اسکی کھپت ہے مثلاً جب ایک ڈاکٹر اور طبیب مفید اور مضر کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اوس وقت لفظ مفید سے مراد ایک نیک صورت اور مضر سے بد کیفیت ہوتی ہے جب ایک سیاست دان قانونی رنگ میں نیکی اور بدی کا استعمال کرتا ہے تو نیکی سے مراد امن برکت اور مضرت کا مفہوم الزام یا جرم ہوتا ہے عام گفتگو میں یہ دونوں لفظ نیکی اور بدی کے اچھے اور برے کے معنوں میں بھی استعمال پاتے ہیں۔

اخلاق کی بحث میں نیکی سے مراد اخلاقی عمدگی اور بدی سے بد اخلاقی مراد ہے فلسفہ میں نیکی اور بدی سے مراد کوئی ایک اچھا اور مفید رسم و رواج ہے اور بدی کا مفہوم بری رسم اور برا رواج ہے مذاہب میں نیکی سے مراد وہ کام اور وہ طریق عمل ہے جو مذہبی حدود سے متجاوز نہ ہو اور بدی سے مراد وہ عمل جو مذہبی حدود سے باہر ہو بہ ہیئت مجموعی نیکی سے مراد وہ فعل ہے جو فطرت کے خلاف

نہ ہو۔ اور بدی سے مراد وہ عمل جو فطرت کی حدود سے نکل جائے۔ تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر بھی نیکی اور بدی کی تعریف کی جاتی ہے اور اس اصول کے ماتحت یہ کہا جائے گا کہ جو چیز ہمارے حق میں مستقل طور پر بغیر کسی حرج کے مفید ہے وہ نیکی ہے اور جو مضر ہے وہ بدی ہے مذاہب میں ان سے مراد خیر اور شر بھی ہے اور تجربہ میں بھی یہی مراد لی جاتی ہے۔

قدرت یا قانون قدرت کا بھی نیکی اور بدی کی بابت ایک عملی فتوا ہے جب آگ میں ہمارا ہاتھ جل جاتا ہے اور ہمیں اوس سے تکلیف ہوتی ہے تو ہم اس کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آگ تکلیف دہ ہے اور ضرر پہنچاتی ہے اور ان معنوں میں یہ بدی ہے یا یہ کہ اس میں ایک بدی ہے جب آگ ہمارا کھانا پکاتی یا اور کام اوس سے نکلتے ہیں تو ہم اوسے مفید کہنے میں تامل نہیں کرتے۔

ان تمام متضاد صورتوں پر غور کرنے سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ نیکی اور بدی کا معیار ایک نہیں ہے اگر ایک گھر میں ایک نیکی ہے تو وہی دوسرے گھر میں جاکر بدی بن جاتی ہے اگر ایک کے واسطے ایک شے مفید ہے تو وہی دوسرے کے واسطے مضر بھی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ طریق استعمال کے اختلاف سے بھی نیکی اور بدی مفید یا مضر کی کیفیات میں ایک بڑی حد تک فرق پڑجاتا ہے آگ برے استعمال سے نقصان رساں ہے اور اچھے استعمال سے فایدہ بخش روٹی کھانے سے انسان کی زندگی ایک حد تک سرسبز رہتی ہے لیکن اگر اوس سے زیادہ کھایا جائے تو معدہ اوس سے ماؤف ہوکر تکلیف میں پڑجاتا ہے اور مضر ثابت ہوتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہونا چاہئے کہ خدائے لایزال نے انسان کو پاک پیدا کیا ہے چھوٹے سے چھوٹا کاریگر اور صناع بھی یہ چاہتا ہے کہ اوسکی صنعت بے

عیب بنے یہ جدا بات ہے کہ بعد میں کسی غلطی سے اوس میں بعض خارجی اسباب کی وجہ سے کوئی نقص شاید ہو جائے کیا سب سے بڑے کاریگر کا یہ منشاء ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی صنعت میں جان بوجھ کر کوئی ایسی کی رکھ دے جو مدت العمر اور مدت النسل تک اوس کے گلے سے نہ اتر سکے پھر ایسا کاریگر جو اپنی حکمت اور ہمہ دانی میں مشہور تر اور فرد کامل ہے۔ باوجود اس ماننے کے بھی ہم یہ پاتے ہیں کہ مخلوقات یا کائینات میں بعض کم زوریاں اور نقص بھی پائے جاتے ہیں ان نقصانات اور کم زوریوں کی وجہ سے یہ کہنا کہ یہ ایک بڑے حکیم اور صناع کی کم زوری کا نعوذ باللہ نشان یا ثبوت ہیں یا یہ کہنا کہ کیوں ہمارے جامع صناع نے ہمیں ایسے نقصوں سے محفوظ نہیں رکھا ایک جلد بازی ہے قدرت یا خدا کا اس میں کوئی قصور نہیں یہ صرف ہماری سمجھ کا قصور ہے۔

ہر خلقت اور ہر وجود کی ذات دو جہتوں پر منقسم ہوتی ہے۔

(الف) وجودی

(ب) باطنی

کوئی ہستی ان دو جہتوں سے باہر نہیں جا سکتی انسان کے سوائے اور جسقدر ہستیاں ہیں اون کی باطنی کیفیات اور حالت کو اندرونی کیفیت یا اندرونی حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انسان کی باطنی ہستی کو روحانی یا جذباتی ہستی یا کیفیت سے تعبیر کرتے ہیں انسان ان دونوں کیفیات سے اپنے ادراک اور احساس کے لایق واقفیت اور شناسائی رکھتا ہے گو روحانی شق کی خصوصیتوں خوبیوں و کمالات سے اکثر لوگ واقف نہیں ہوتے لیکن سوائے بعض کے اون کی ہستی کا اعتراف اور یقین ہر ایک کو ہوتا ہے جسمانی تراکیب اور ضروریات سے بہتسے انسان کسی نہ کسی حد تک واقف ہوتے ہیں۔

ہم اس بحث کی وضاحت کے واسطے یہ جتانا چاہتے ہیں کہ ہر خلقت کو جس میں انسان بھی داخل ہے جس حیثیت سے قدرت نے پیدا کیا ہے اوس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اوسکی ذات میں گناہ کا مواد بھی رکھا گیا ہے انسان کے جسم سے کوئی ایسی صورت یا کوئی ایسا پرزہ یہ ثابت نہیں کرتا کہ اوس کے رگ وریشہ میں گناہ کی ملاوٹ ہے اگرچہ بعض وقت خلقی کمزوری کیوجہ سے کوئی اعصابی نقص پایا جائے لیکن گناہ کا ثبوت اور نشان کہیں سے نہیں ملتا اسی طرح روحانی یا خیالی بناوٹ اور سلسلہ میں بھی گناہ پر استدلال نہیں ہوسکتا دونوں جہتوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ قدرت نے انسان کو دو قسم کی قوتیں عطا کر رکھی ہیں اور اون ہی پر اوسکی جسمانی اور روحانی زندگی کا مدار ہے۔

(الف) جسمانی قوتیں۔

(ب) روحانی قوتیں۔

یہ دونوں قسم کی قوتیں ایک ہی قسم کی نہیں ہیں ان کے مختلف کاموں اور بوقلموں تصرفات کے اعتبار سے ان کا نام بھی جدا جدا ہے۔ اور مختلف کاموں اور مختلف تصرفات کی وجہ سے ان میں بآسانی تمیز بھی ہوسکتی ہے یہ قوتیں طبعی اور فطرتی قوتیں ہیں پیدا ہونے کے ساتھ ہی ان کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور استقرار حمل ہی سے ان کی بنیاد رکھی جاتی ہے کوئی ایسا انسان نہیں ہے جسے یہ مختلف قوتیں حاصل نہ ہوں۔ یہ جدا بات ہے کہ اون کی فعلی یا عملی حالت آپس میں امتیاز اور فرق رکھتی ہو جو قوتیں ایک امیر ایک فلاسفر ایک نبی کو دی گئی ہیں وہی ایک عامی کے حصہ میں بھی آتی ہیں مدارج مراتب اور تصرفات میں فرق ہونے کے سوائے اور کوئی فرق

نہیں ہے اور ایسا امتیاز ہونا ضروری تھا زیادہ تر مختصر الفاظ میں قدرت نے انسان کو کیا کچھ دیا ہے۔

"گوشت۔ پوست۔ رگ وریشہ"

"قوتیں۔ تخیلات۔ روح وروان"

"احساسات تصرفات۔ افعال۔ اعمال"

غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس مواد کے سوائے انسان کی ذات میں اور کوئی چیز نہیں ہے یا یہ کہ اسی مخلوط مواد کا نام انسان ہے اب ہمیں دریافت کرنا چاہیے کہ کیا اس مواد میں بدی یا گناہ اور نیکی وسعادت کا بھی کوئی نشان پایا جاتا ہے جسمانی اعضاء اور پرزوں میں تو کوئی ایسا نشان ملتا نہیں البتہ قوتوں۔ تخیلات۔ تصرفات۔ افعال اور اعمال میں ایسی کیفیات پائی جاتی ہیں کہ ہم جن کی کسی نہ کسی پہلو پر تاویل کر سکتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نیکی۔ بدی۔ گناہ۔ شر شرارت صرف قوتوں کے عمل اور فعل یا تصرفات کا نام ہے۔ اگر زید اپنی قوتوں سے کسی نہج پر بھی کام نہ لے یا اونہیں کام میں نہ لائے تو کہا جائیگا کہ زید کو نیکی بدی گناہ شر شرارت کا احساس ہو ہی نہیں سکتا دوسرے الفاظ میں نیکی اور بدی قوتوں کے تصرفات مختلفہ اور افعال متضادہ کا نام ٹھہرا۔

ان حالات میں یہ کہنا پڑے گا کہ قدرت نے انسان کو صرف چند ایسی قوتیں عطا کر رکھی ہیں جو اوس کے قالب میں کام کر رہی ہیں اور کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی ہے جس سے یہ استدلال کیا جا سکے کہ وہ نیکی کا حصہ ہے یا بدی کا فرض کرو (الف) پیدا ہوتے ہی مر جائے یا اوس سے کوئی فعل سرزد نہ ہو تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اوس سے کوئی بدی یا کوئی گناہ سرزد ہوا ہے البتہ یہ تو کہا جائیگا کہ اوس نے کوئی بدی یا کوئی گناہ چونکہ نہیں کیا ہے اس واسطے وہ اپنی ہستی

صاف پاک رکھتا ہے۔

اب یہ بحث رہی کہ ہمیں خدا نے قوتیں کیسی عطا کی ہیں جو گویا انسان کی ذات اور ہستی کا خلاصہ ہیں۔ ہمیں اون قوتوں کو اس بحث میں نہیں لانا چاہئے۔ جو زندگی کی دوڑ میں رہ کر مختلف خارجی آلودگیوں سے آلودہ ہو چکی یا ہو جاتی ہیں۔ ہمیں اون قوتوں کو زیر بحث لانا چاہئے جو ہمیں بلا کسی آلودگی کے عطا ہوتی ہیں۔

ایک بچہ کی قوتیں بالکل پاک صاف اور سادی ہوتی ہیں گو اون میں بالیدگی اور نشو و نما کا مواد موجود ہوتا ہے مگر وہ اون مختلف تبدلات اور تصرفات سے آشنا نہیں ہوتیں جو بعد میں اون کے زیر مشق آتے ہیں۔ ایسی قوتیں باوجودیکہ اُن میں تضاد اور اختلاف بھی ہوتا ہے اون ہی حدود میں متدائر رہتی ہیں جو قدرت نے اون کے واسطے تجویز کر رکھی ہیں۔ گویا ہر قوت ٹھیک اعتدال پر رہ کر کام کرتی ہے۔ غور کرنے کے بعد ہمکو کیا ایسی حالت میں اون کے اندر کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے جو عملی رنگ میں اعتراض کے قابل ہو حالانکہ مجموعہ اُن قوتوں کا وہی ہوتا ہے جو جوان اور بوڑھے انسان بھی رکھتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہمیں قدرت نے جو قوتیں اور جو جذبات عطا کئے ہیں وہ بذاتہ ہماری ضروریات کے مطابق اور تمام قسم کی آلودگیوں سے مبرا اور معرا ہیں۔ اور اون کی ذات میں سوائے اپنی طاقت کے اور کوئی طاقت نہیں پائی جاتی۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہمیں قدرت نے جو کچھ دیا ہے وہ بالکل مناسب اور محفوظ ہے اوس کا سرچشمہ شریں اور خوشگوار ہے ہمارے ساتھ کوئی بے

انصافی نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں اوسی حد تک اور وہی دیا گیا ہے جو ضروری اور ہمارے واسطے لازمی تھا۔ اگر بعد میں اون قوتوں میں کوئی بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے یا سرچشمہ گدلا ہو جاتا ہے تو یہ ہماری استعمالی غلطیوں اور لغزشوں کا موجب ہے غصہ اور طیش نفرت اور وحشت بھی ہماری ذات میں پائی جاتی ہے فراموشی اور درگذر کی طاقت یا خیال بھی ہماری ذات میں موجود ہوتا ہے لیکن ان کا یہ منشا نہیں ہے کہ ان سے برُے کام لئے جائیں یا یہ برائیوں کا مخزن ہوں غصہ اور طیش ہمیں اس واسطے دیا گیا ہے کہ ہم ضرورت اور وقت پر اون سے اپنی حفاظت کر سکیں نفرت ہمیں اس واسطے دی گئی ہے تاکہ ہم اون کاموں اور اون ضروریات کا انتخاب کرنے میں غلطی نہ کھائیں جو ہماری زندگی کے باآرام گزارنے کا صحیح ذریعہ ہو سکتے ہیں وحشت ہمیں اس واسطے دی گئی ہے تاکہ وہ کام جو وحشت کی آڑ میں ہو سکتے ہیں۔ ہاں جیع ہوتے رہیں اگر ہماری ذات میں فراموشی اور درگذر نہ ہو تو ہم اپنی زندگی میں بہت کچھ مزید مصیبتوں کے پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے طمع اور حرص و آز اگر ہمیں نہ دی جاتی تو ہم دنیا کی منڈیوں میں بہت مشکل سے گزارتے سرسری طور پر ان جذبات کی نسبت غور نہ کرو بلکہ تعمق نظر سے دیکھو کہ ان جذبات یا ان قوتوں کی ضرورت کہاں تک ہے اور بغیر ان کے ہمارا گذارا ہو بھی سکتا ہے یا نہیں غور کے بعد ماننا پڑتا ہے کہ ان جذبات اور ان قوتوں کے سوائے ہماری زندگیاں ایک دم بھی گذار نہیں سکتیں یہ ہمارے واسطے ایسے آلات اور ایسے وسائل ہیں جو وقت پر ہمیں کام دیتے ہیں گو مدتوں تک بے مصرف بھی پڑے رہیں بلا مزید بحث کے یہ مان لینا چاہئے کہ ایسی قوتیں اور ایسے جذبات

محض ہماری ضرورت اور بہبودی کے واسطے ہیں قدرت کی جانب سے عطا کئے گئے ہیں اور ان کے عطا ہونے کی غرض مقدم بہتری ہی بہتری ہے اور ان کی ذات میں خوبی ہی خوبی ہے۔

اب ان کا دوسرا رُخ لیجئے۔ انسان کی ذات میں جس قدر برایاں پیدا ہوتی ہیں یا اوس کے جسقدر افعال مکروہ ہیں اون کا موجب یا منبع بھی یہی ہیں اس سے بھی ہمیں انکار نہیں لیکن یہ ان قوتوں اور ان جذبات کا تو کوئی قصور نہیں یہ قباحتیں اور یہ صوبتیں اور مکروہات تو برے استعمال کیے جاتے سے پیدا ہوتے ہیں اور یہاں پہنچ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا کی اشیاء میں سے کوئی شے بذاتہ بری نہیں استعمال کی وجہ سے اوس میں بدی اور مکروہیت پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر ان جذبات اور قوتوں کا استعمال نیک طریق پر اپنی حدود کے اندر ہوتا ہے تو کوئی برائی اور مضرت نہیں پیدا ہو سکتی غصہ اور غیظ و غضب میں انسان کیا کچھ نہیں کر بیٹھتا لیکن اس میں غصہ اور غیظ و غضب کا کیا قصور ہے وہ اس صورت کو اوس وقت اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے جب برے استعمال کی وجہ سے اوسکی اصلی حقیقت معرض اخفا میں آجاتی ہے وحشت اور نفرت بجائے خود مفید اور ضروری جذبات ہیں لیکن جب اون کا استعمال فریب دہ اور غلط ہوتا ہے تو کچھ اور ہی نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

نسلی ضروریات کے واسطے قوائے شہوانی کی ضرورتوں سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن جب اسی جذبہ اور اسی قوت سے وحشت کے مزید جوش میں کام لیا جاتا ہے تو اوس کا نتیجہ اور حشر جو کچھ ہوتا ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ یہ انسان کا ایک طبعی دعوے یا طبعی خاصہ ہے کہ اپنی ذاتی آسائش

کے واسطے حتے الامکان سعی کرے لیکن جب غلط راہوں سے یہ منزل طے ہوتی ہے تو اوس کی برایاں دور تک دامن پھیلاتی ہیں۔

اشتہاء ایک شریف جذبہ ہے اور اسی پر انسان کی زندگی کا بہت کچھ مدار بھی ہے لیکن اس کی لے اور اس کے شوق میں جب انسان اوس کے اصلی حدود سے نکل جاتا ہے تو جو کچھ گت بنتی ہے اور معدہ اور جسم پر جو کچھ گذرتی ہے اوسکی مضرتوں سے کون واقف نہیں۔

شہرت طلب ہونا انسان کا ایک طبعی اور مفید جذبہ ہے اور اس کی بدولت انسان نے بہت سے کام نکالے ہیں لیکن جب حد اعتدال سے یہ جذبہ گزر جاتا ہے تو اوس وقت جو ذلت نصیب ہوتی ہے اوس کا داغ کون دہو سکتا ہے۔

ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ ان سب کمزوریوں الزامات اور تذلل کا موجب اس کے سوائے اور کیا کچھ ہے کہ قوتوں اور جذبات کو اون نامناسب اور فریب دہ طریقوں پر کام میں لایا گیا جو حدود اعتدال سے متجاوز تھے اور جن سے حقیقت کوسوں دور ہو چکی تھی اور جن کی تہ میں ایک ذلت دلانے والا جذبہ منتخب ہو چکا تھا۔ اس قدر وضاحت اور بحث کے بعد ہم یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ قدرت کی جانب سے ہمارے مقابلہ میں کوئی فریب دہ کارروائی نہیں ہوئی اور کوئی ایسا جذبہ اور ایسی قوت انسان کو نہیں دی گئی ہے جو براہ راست بغیر کسی فریب دہ عمل اور تحریک کے بدی یا برائی کیجانب رجوع لائے ہر قوت اور ہر جذبہ بہ نظر استحسان اور ضرورت کے ودیعت کیا گیا ہے ہمارے برے استعمال سے برائی اور مضرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو انسان چوری کرتا ہے کیا یہ کہا جائیگا کہ اوسکی فطرت اور اوس کی

قوتوں میں چوری اور سرقہ کا مادہ بھرا گیا ہے بے شک جلب فوائد اور کسب مفاد کی قوت اور خواہش کا وہ شیدائی ہے۔ لیکن اوس کا یہ منشاء نہیں ہے کہ دوسروں کی جائیداد اور مال واموال تک دست درازی ہو اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر قوتوں اور جذبات کی تحریک قدرتی اور فطرتی طور پر ایسی ہی ہوتی تو لازمی تھا کہ جب چور اور غاصب کے مال واموال پر کوئی دوسرا ہاتھ صاف کرتا تو اوسے کوئی رنج اور کدورت لاحق نہ ہوتی چور اور غاصب اپنی ذات پر حملہ ہوتے دیکھ کر خاموش نہ رہتا یہ اسبات کی دلیل ہے کہ فطرت اور قوتیں ایسی آلودگی میں اوس وقت تک آلودہ نہیں ہوتیں جب تک اونہیں مجبور نہیں کیا جاتا ہر چور ایمانداری سے یہ کہہ سکتا ہے کہ چوری کے ارادے کے وقت اوس کی قوت ضمیری اوسے کہاں تک مانع ہوئی اور ضمیر نے اوسے ملامت کرنے میں کہاں تک جرأت دکھائی۔

جب ضمیر مجبور ہو گیا تو ہاتھ اور پاؤں اس برے مسلک پر چلے یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہر گنہگار اور ہر غلط کار اسپر شاہد ہے کہ ہر برے فعل اور ترک فعل کے وقت ضمیر ملامت کرتا ہے یہ دلیل اسبات کی ہے کہ

قدرت نے بدی کا مادہ انسان کی سرشت میں نہیں رکھا ہے قدرت کی طرف سے نیکی ہی نیکی دی گئی ہے اگر ایسا نہیں ہے تو ضمیر میں ملامت کی ضرورت نہ تھی بے شک یہ کہا جائیگا کہ ایک وقت میں ایسا ضمیر کا احساس باقی نہیں رہتا اور اندرونہ سے کوئی ایسی آواز نہیں بھی آتی اس کا باعث یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ضمیر پر پردہ پڑ جاتا ہے اور اسکی احساس قوت کمزور ہوتی ہوتی کام سے رہ جاتی ہے اگر شروع ہی سے ایسا ہوتا تو کوئی بات بھی ہوتی رفتہ رفتہ کمزور پڑ جانا دوسری بات ہے اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ قدرت

ہی نے ہمیں خدانخواستہ بد بنایا ہے یا ہماری فطرت ہی میں بدی کا بیج بو دیا گیا ہے۔

وہ اسباب جن سے ہمارے جذبات اور ہماری قوتیں ماوف اور متاثر ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ ان کی حس ماری جاتی ہے دو قسم کے ہیں۔

(الف) خارجی۔

(ب) اندرونی۔

جو کچھ اس کائنات میں ہمارے اردگرد اور یمین و یسار پایا جاتا ہے۔ یہ سب خارجی مواد ہے اس مجموعہ میں ہر ایک قسم کی تحریک اور صدا پائی جاتی ہے ہر چیز اور ہر سماں ہمیں اپنی طرف بہ مختلف الحیل بلا رہا ہے ہر صدا اپنے ساتھ صدہا قسم کی تحریکیں اور بلاوے لاتی ہے ہر قدم پہ ٹھوکر اور لغزش کا سامان موجود ہے ہر تحریک اور ہر وجود میں قبح کے مقابلہ میں حسن اور خوبی بھی ہے وہی حسن اور وہی خوبی ہماری تحریک اور بلاوے کا باعث ہے قوتوں میں سے ہمیں مندرجہ ذیل قوتیں ایسی دی گئی ہیں جو ہر صدا اور تحریک کا خیر مقدم کرتی ہیں۔

(الف) آنکھ۔

(ب) کان۔

(ج) لمس۔

(د) تمیز۔

(ھ) جاذبہ۔ آرزو۔

یہ قوتیں اور یہ جذبات ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی۔

باطنی یا اندرونی جذبات کی بنیاد عموماً خارجی مواد سے پڑتی ہے کیونکہ جب

تک ہم کوئی شے آنکھ کی معرفت دیکھتے نہیں تب تک اوس کی نسبت ہمارے اندرونہ اور ذہن میں خیالات کا ہجوم اور تموج نہیں ہوتا جب تک کہ ہم سنتے نہیں امور سامعیہ کی نسبت ہمارے دل و دماغ میں کوئی صورت صورت پذیر نہیں ہوتی اگر ہماری آنکھوں اور کانوں کے حدود میں سے کائینات کا بہت سا حصہ جدا کر دیا جائے تو ہمارے معلومات اور تصرفات کا دامن بھی بہت محدود ہو جائیگا۔ ہمارے اکثر تخیلات کی بنیاد بیرونی کائینات ہی ہے باوجود اس کے ہم اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے اندرونی تصرفات سے بھی بہت سے ایسے خیالات کی بنیاد پڑتی ہے جن کا ماخذ صرف اندرونہ ہی ہوتا ہے یا اندرونہ تک ہی اون کی دنیا ختم ہو جاتی ہے۔

خارجی اور باطنی مواد پر بھی نیکی اور بدی کا نشان نہیں دیا گیا ہے اون کی نیکی بدی اچھائی برائی افادت اور مضرت بھی بہت کچھ استعمال ہی کے تابع معلوم ہوتی ہے استعمال ہی اوس کا معیار بھی قرار پاتا ہے اور یہہ ماننا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہم اپنے ارد گرد پاتے ہیں اوسی کے برے بھلے استعمال یا تحریک سے ہماری قوتیں جنبش میں آتی ہیں۔ اگر ہمارے سامنے ایسا سامان اور ایسی تحریکات نہ ہوں تو تموج خیالات کی یہ صورت نہ ہوگا ... رہیگا تو وہی حصہ جو اندرونہ خالص سے وابستہ ہے اور اوس کی نسبت بھی بہت کچھ ان ہی بیرونی اور کائیناتی تحرکات پر ہے اس سے بھی ثابت ہے کہ ہماری ہستی میں بدی اور برائی کا کوئی مواد نہیں رکھا گیا بلکہ اوس کا مواد برے استعمال کے تابع بیرونی دنیا میں ملتا ہے یہ بات کہ اس بیرونی تحریک کے قبول کرنے والے یا محصل خود ہماری ہی قوتیں اور ہمارے ہی

جذبات ہیں اور اون ہی پر مدار ہے اس واسطے اون ہی کا یہ کام بھی
درست نہیں ہے یہ قوتیں تو شیشہ ہیں ان میں ہر قسم کا عکس پڑ سکتا ہے
اب اُس عکس سے ایک بُرے بھلے ڈھانچ کا تیار کرنا یا تیار ہونا خود
ہمارا فعل ہے یہ بات کہ قدرت کی جانب سے انعکاسی قوت کا عطا ہونا ضروری
نہ تھا ایک فریب وہ خیال ہے شیشہ اور شیشہ گر کا اس میں کیا قصور
ہے اگر شیشہ کے سامنے ایک بدہیت شے رکھ دی جائے تو اوس کا
انعکاس لازمی ہے اگر ایسا نہیں ہے تو وہ شیشہ ہی کیسا یہ فرض اون
لوگوں کا ہے جو عکس قبیح اور عکس صحیح میں فرق کر سکتے ہیں آفتاب بُرے
مواد پر بھی پڑتا ہے اور اچھے پر بھی اگر قوتوں اور جذبات ہی میں برائی
اور نقص ہوتا تو ضرور تھا کہ اچھے نظاروں اور اچھے مناظر کا عکس بھی
برا ہی پڑتا۔ قوتوں اور جذبات کی ذاتی برائی عمدگیوں اور محاسن کو بھی
کھا جاتی۔

اکثر ہم اوس وقت تک کوئی بُرا کام کرتے ہی نہیں جب تک ہمیں
کوئی بیرونی کائینات سے تحریک نہ کرے گو ایسی تحریک اندرونہ کے ذریعہ
ہی سے معرض عمل میں آتی ہے۔ مگر سرچشمہ اوس کا بیرونی کائینات ہی
ہوتی ہے چور اوس وقت تک چوری نہیں کر سکتا جب تک وہ دور و نزدیک
مال نہیں دیکھتا حسین جب تک نہیں ہے تو طالب بھی کوئی نہیں موجود رہ
سکتا بے شک ہمارے اندرونہ ہی سے خیالات کا ہجوم ہوتا ہے۔ لیکن
خیالات کے پیدا ہونے کی سبیلوں میں سے فی صدی ۸۰ سبیلیں بیرونی
کائینات ہی ہے اور جو ۲۰ حصہ باقی رہے ہیں اون کا منبع بھی وہی ۸۰ ہیں
کیا ان حالات میں ہم یہ کہنے کی جرات کر سکتے ہیں کہ ہمارے ہی وجود میں

ہماری ہی ہستی میں بدیوں کا خزانہ جمع کیا گیا ہے اور ہم ہی طبعاً اس کے ذمہ وار ہیں یا نعوذ باللہ خدا ہی نے ہمیں ایسا ناقص اور پر گناہ بنایا ہے ہرگز نہیں ہم بالکل پاک صاف بنائے گئے ہیں ہمارا صانع اس الزام سے بری الذمہ ہے ناواجب اور بیجا استعمال اور زور آور تحریکات بیرونی کی وجہ سے ہمارے جذبات اور ہماری قوتوں میں فریب وہ کشش پیدا ہو کر ہمیں گمراہ کر دیتی ہیں۔

ورنہ قدرت نے ہم سے کوئی برائی نہیں کی ہے اور نہ ہم قدرت کو ملزم بنا سکتے ہیں۔

(از ماست کہ بر ماست)

قدرت نے ہمیں ہماری اپنی حدود میں نیک بنایا ہے اور ہم کو وہی قوتیں اور وہی جذبات دئے ہیں جو ضروری تھے اور جن سے ہماری زندگی بخوش اسلوبی گزر سکتی ہے جو لوگ ہم میں سے اُن قوتوں اور اون جذبات سے باحتیاط کام لینے کے عادی ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں اور جو جلد بازی سے کام لیتے ہیں اونہیں محض اپنے ہی افعال کے ذریعہ سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

(رہا فضل ایزدی اور مزید عطیات قدرت کی کیفیت وہ ایک جداگانہ مسلک یا سوال ہے اس بحث سے اوس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان سوالات کی دوسری شق یہ باقی رہی کہ:

کیوں ہم تکلیفات میں پڑتے ہیں اور اس کی وجہ کیا ہے۔ سب سے بڑی تکلیف دنیا میں باعتبار عام خیالات کے موت ہے سو یہ تکلیف ایک ایسی تکلیف ہے جو حیات کے مقابلہ میں ہے یہ تکلیف نہیں ہے بلکہ حیات کی

طرح ایک ارادہ قدرت اور مشیت ایزدی اگرچہ یہ کسی طرح واقع ہو اور اسکے اسباب کیسے ہی ہوں پھر بھی وہ تحت ارادے اور مشیت صمدی کے ہے۔ اور اس میں بھی ایک بڑی حکمت ہے آج اگر اس کا عمل اور اثر اُٹھ جائے تو کسی وقت ہم اپنے ہی مُنہ سے یہ کہنے لگ جائیں گے کہ واقعی اسکی ضرورت ہے یا ضرورت تھی زندگی اگرچہ بہت اچھی حالت یا کیفیت ہے اور تمدنی ضرورتوں کا اسی پر بہت کچھ انحصار ہے لیکن دوامی زندگیاں ہونا خود انسان اور انسانی تمدن کے واسطے ایک مزاحمت عظیم ہیں۔ کیا اگر اس وقت صرف ایک نصف یا پوری صدی ہی کے مردے واپس نہ جائیں تو اون کی گنجایش اور سمائی ہماری دنیا میں ہو سکے گی یا ہم میں سے بہت سے لوگ اوس پر رضامندی بھی دیں گے جو لوگ اپنے اسلاف اور بزرگوں کی محبت میں بہت کچھ ممکن اور مست رہتے ہیں اون ہی میں سے بہت سے لوگ یہ نظارہ واپسی بڑی مایوسی سے دیکھیں گے اور دل ہی دل میں کہیں گے کہ کیوں ایسا ہو رہا ہے اوس وقت موت کی ضرورت کا کسی نہ کسی حد تک احساس ہوگا اور یہ پہلو چھوڑ کر جب کہ ہی رنگ میں یہ سوال زیر بحث لایا جائے تو اور بھی ضرورت ثابت ہو کر رہیگی۔ کیونکہ حشر ثانی یا عالم ثانی میں جانے کے واسطے اس دروازہ سے گذرنا ضروری اور لابدی ہے اس دنیا کی زندگی کا حسن و قبح اوسی صورت میں کھل سکتا ہے جب اس باب موت سے گذرا جائے۔

دوسری قسم کی اور سب تکلیفات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خود ہماری ہی بدعملیوں۔ فروگذاشتوں اور غلطیوں کا موجب ہیں اور جن فروگذاشتوں کا ہمیں خود ہی علم ہوتا ہے اور ایک وہ جو ہماری اختیاری حدود سے باہر ہوتی ہیں یا یہ کہ جن کے اسباب سے ہمیں بہت کم واقفیت ہوتی ہے۔ جو

اسباب تکالیف ہمارے حدود اختیاری سے باہر یا خارج ہوتے ہیں وہ اضطراری ہیں اور اون کی نسبت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ محض قدرت ہی نے ہمیں اون کے مُنہ میں دیا ہے۔ بہت دفعہ ہم خیال کرتے ہیں کہ یہ ہماری اپنی غلطی کا نتیجہ نہیں ہے لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ خود ہماری ہی غلطی اور لغزش تھی اور اگر یہ مان بھی لیں کہ قدرت یا خدا ہی کی مشیت کا یہ اثر ہے تو کہا جائیگا کہ یا تو وہ ہماری کسی لغزش کا اثر ہوگا اور یا مشیت آلہی میں کوئی بھید ہوگا جس کی حکمت کے معلوم کرنے سے ہم قاصر ہیں جب مشیت آلہی سزا اور جزا کی صورت میں ہمارے ساتھ عمل کرتی ہے تو وہ اوس کا ایک سیاسی پہلو ہوتا ہے۔ جسکی نسبت ہم معترض نہیں ہو سکتے یا یہ کہ ہمارا معترض ہونا برمحل نہیں ہوتا اگر قدرت اور خدا ہم پر فضل اور کرم کے خواہاں رہتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اپنی حکمت کے ماتحت کیوں خدا یا قدرت ہمیں تنبیہ نہیں کر سکتی اور کیوں ہم اوس کے اجتنابی دائرہ سے محفوظ رہ سکیں جو خدا ہمیں اپنے فضل و کرم سے باغ باغ اور بھرپور کر سکتا ہے وہ ہمیں کسی ایسی لغزش پر جو ہمیں محسوس نہیں ہوتی یا جس کا ضمیر وجہ بے حسی ہو جانے کے حسب ضابطہ احساس نہیں کراسکا سزا بھی دے سکتا ہے۔ جو ہمارے خیال میں تکلیف یا تکلیف کا موجب ہے یہ بات کہ بعض وقت ہمیں ایسی اذیت یا تکلیف کے موجبات کا علم نہیں ہوتا کوئی مسلک دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے واقعات ایسے بھی ہیں کہ ہمیں اون کے اسباب کا ابتک علم نہیں ہوتا اور ہم اون کے وجود اور ہستی سے انکار بھی نہیں کر سکتے بہت سے واقعات کی تصدیق ہمیں صرف آثار کے ماتحت ہی کرنی پڑتی ہے اور یہی مسلک ہمارے واسطے اطمینان کا موجب ہوتا ہے۔

[illegible] فضل اور کرم

ادبی حصہ

ھوالناصر

TRAGEDY

ٹراجے ڈی

(سلسلہ کیلئے دیکھو مخزن بابت جولائی ۱۹۱۴ء)

وحشی:۔ "اچھا تو پھر اصلی انسان کون ہے"

بیمار ہرن:۔ "اصلی انسان وہ ہے جسے صورت اور سیرت کا حسن درگاہ الٰہی سے ملا ہو"

وحشی:۔ "اے عاقل ہرن تو نے انسانی رتبہ کا بھید ہمیں خوب بتایا مگر ہم جانور بے زبان وہ حضرت انسان شیریں زبان بے بولے چالے ہم ان کی صحبت سے کیا فائدہ اوٹھا سکتے ہیں"

بیمار ہرن:۔ (ہنسکر) الصحبت تاثر تعلیم کے لئے گویائی درکار ہے مگر صحبت کی فیضان کے لئے گویائی کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ آفتاب کی شعاعیں پکے پھلوں پر جو بے زبان اور خاموش ہوتے ہیں پڑتی ہیں اور اونہیں شیریں خوش رنگ

نرم۔ رسیلا۔ دل پسند۔ خوشبودار بنادیتی ہیں لوکنگ گلاس (آئینہ) بھی بے زبان اور خاموش چیز ہے بولنا جانتا ہی نہیں مگر جب معشوق کے سامنے آتا ہے معشوق کا سراپا اوس میں آجاتا ہے گویا معشوق سے ہم آغوش ہو جاتا ہے وصل کے مزہ اوڑاتا ہے باز۔ جرہ۔ کبوتر۔ ریچھ۔ بندر گو آدمی کی بولی نہیں سمجھتے مگر اوسکی صحبت سے فیض یاب ہوتے ہیں اور عجیب و غریب کام سیکھ لیتے ہیں"

وحشی: اے ہمارے پیارے بھائی ہرن تو نے صحبت کی تاثیر خوب ثابت کی مگر ہم ابتک حسن کو نہیں سمجھے وہ کیا ہے حسن کوئی باغ ہے کوئی گلزار ہے کوئی پہاڑ ہے۔ کوئی مرغزار ہے حسن کسی چشمہ کیے کہتے ہیں کسی نہر کا نام ہے جو تجھے پسند آگیا ہے اور جس کے ذوق شوق نے تیرا یہ حال بنایا ہے"

بیمار ہرن: کلموا الناس علیٰ قدر عقولہم کے بموجب میں تمہاری عقل کے موافق کچھ حسن کی تعریف بطور تشبیہات کے سمجھاتا ہوں اگر تمہاری سمجھ وہاں تک کام نہ کرے تو میں مجبور ہوں سنو حسن ایک زمین کا نام ہے جسکی مٹی چینی سے زیادہ سفید اور مشک عنبر سے زیادہ خوشبودار ہے قدرت الٰہی نے اوسے خاص مصلحتوں سے اونچا نیچا بنایا ہے۔ مگر اوس کی بلندی پستی اونچان نچان بہت موزوں ہے اوس پر ایک باغ ہے جو دلفریبی اور دل آرائی میں جنت کو مات دیتا ہے اوس باغ میں عناب لب سیب زنخدان پستہ دہن۔ فندق انگشت وغیرہ مزے مزے کے میوہ پیدا ہوتے ہیں اوس کے انار خاص قسم کے ہوتے ہیں دیکھنے میں یاقوت جیسے سرخ نوجوان طبیعتوں کو اون کی خامی اور سختی بہت پسند آتی ہے اور لطف دیتی ہے بچوں کے لئے اون کا گدرانا آبحیات کا کام دیتا ہے اوس کی چمن میں نرگس چشم گل خندہ۔ غنچہ تبسم وغیرہ رنگا رنگ پھلواڑی بہار دکھاتی ہے اس گلزار کے اندر نہریں اور چشمہ بھی ہیں جن کی پانی کی لطافت

سلسبیل اور کوثر پر پانی پھیرتی ہے اس سرزمین پر ایک کوہستان ہے جسکی سفیدی اور براقی کے آگے آفتاب کا رنگ بھی پھیکا ہے شادابی وسرسبزی میں وہ شملہ۔نیپال۔دارجلنگ سے بھی زیادہ ہے۔اوس کی چکدار چوٹی پر ایسی ایسی لبنی گھانس پیدا ہوتی ہے جو کمر کوہ تک آجاتی ہے اور اوس میں چنبیلی اور موتیا کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے اور کہیں کہیں ایسا باریک سبزہ بھی اوس میں اوگا ہوا رہتا ہے جس کے آگے مخمل کا خواب بھی بے حقیقت چیز ہے اس کوہستان کے اندر حسن وخوبی کے بیش قیمت جواہر اور سونے چاندی کی کانیں بھی ہیں۔ہرن کو دلربا خانم کی خدمت میں حاضری دیتے چھ مہینہ اور گذرے اور اس مدت میں اوس بے زبان حیوان کے دل میں دلربا خانم کے عشق نے اور جگہ کرلی اور وہ دیوانہ ہو گیا اور جوش محبت میں جیسے منصور نے انا الحق اور مجنوں نے انا لیلیٰ کہا تھا یہ انا الانسان کہنے لگا جنگل کے حیوانات نے اوسے انا الانسان کہتے سُنا تو کہا تو پاگل ہو گیا ہے جو ایسا کفر بکتا ہے کجا انسان کجا حیوان چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

بیمار ہرن"میں کئی نسبتیں انسان کے ساتھ رکھتا ہوں اول تو میری آنکھیں حسین انسانوں کی آنکھوں سے ملتی جلتی ہیں جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

اے داغ بر دل از غم خالِ تو لالہ را
شرمندہ ساخت آہوئے چشمت غزالہ را

دوسرے میری کھال کی جانماز بناتے ہیں اور اس پر سجدہ کرتے ہیں۔تیسرے شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

سگِ اصحاب کہف روزے چند

پئے بنگاں گرفت مردم شد

جب کتا آدمیوں کے پاس رہنے سہنے سے آدمی ہوگیا تو ہرن جو بالکل پاک اور معطر جانور ہے ایک کامل انسان کی صحبت اوٹھا کر انسان بنجائے تو کیا تعجب کی بات ہے"

حیوانات " یتری یہ رکیک باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آئیں ہم جانتے ہیں جسطرح منصور انا الحق کہہ کر دار پہ کھینچا گیا تو انا الانسان کہہ کر اسکی سزا پائیگا چیونٹی کے جب پر نکلتے ہیں تو وہ جلدی مرجاتی ہے"

بیمار ہرن " مجھے موت سے نڈر پایہ میں موت قبل ان تموتو پر عمل کرتا ہوں ایسی موت کو عشاق شہادت کہتے ہیں جو اس کوچہ میں مارا جاتا ہے اوسے شہید سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہرن نے زور سے نعرہ مارا اور انا الانسان کہتا ہوا وہ بیابان کی طرف چلا گیا"

میرزا اہتور بیگ کما وہما کر اڑہائی برس بعد پلٹا اوس کے دل میں دلربا خانم سے ملنے کے ذوق شوق دل بادل کیطرح اوٹھ رہے تھے وہ خوش خوش شہر میں داخل ہوا۔ مگر جب محلہ کے اندر اپنے مکان کے قریب پہنچا تو اوس کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں کیونکہ اوس نے اپنے ڈہٹے ہوئے گھر کے بجائے ایک عالی شان محل بنا ہوا پایا جسکی ڈہیوڑی میں ایک ایسا بوڑھا دربان بیٹھا ہوا تھا جسکے منہ میں دانت تھا نہ پیٹ میں آنت۔

میرزا اہتور بیگ " بڑے میاں یہ کس کا مکان ہے"

دربان " یہ میرزا اہتور بیگ کی حویلی کہلاتی ہے"

میرزا اہتور بیگ " اس میں کون رہتا ہے"

دربان " اون کی بیوی رہتی ہیں جو خانم صاحب کہلاتی ہیں"

میرزا ہتھور بیگ نے اچھا خانم صاحب سے اطلاع کرو کہ میرزا ہتھور بیگ بنگالہ سے آیا ہے اور دروازہ پر کھڑا ہے۔ دربان کے کہتے ہی پہلے تو تین چار نوکریں آگے پیچھے دوڑی ہوئیں آئیں اور سلام کرکے کہنے لگیں حضور اندر آئیے ہتھور بیگ نے مکان میں قدم رکھا ہی تھا جو دیکھا دلربا خانم ہزاروں روپیہ کا جڑاؤ گہنا پہنے ہوئی دروازہ کے بازو سے لگی کھڑی ہیں اور خوشی کے مارے باچھیں کھلی جاتی ہیں نظر سے نظریں تو دلربا خانم نے لونڈیوں کی طرح ہتھور بیگ کو سلام کیا اور صدر دالان میں مسند پر لیجا کر بیٹھایا ہتھور بیگ محل کی تیاری سامان فرش فروش مال اسباب کی بہتات دیکھ کر حیران ہو گیا جنگل کی طرف جو کچی شہر پناہ تھی اوس طرف بھی پکی دیوار کھڑی تھی مگر دیوار کے اندر ایک کھڑکی لگی ہوئی تھی جسکی کواڑوں میں موٹا سا قفل لگا ہوا تھا اور قرینہ کہتا تھا کہ ضرورت کے وقت دروازہ کھلتا اور بند ہوتا ہے۔ رات کے وقت ساری ماما نوکریں کام کاج سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو چلی گئیں اور محل میں میرزا صاحب اور خانم صاحب رہگئیں خانم نہا دھو کر کنگھی چوٹی کرکے پوشاک اور گہنا بدلکر پری بنی ہوئی تھیں مگر میرزا ہتھور بیگ کو یہ طلسماتی ترقی دیکھ کر پہلے تو حیرت ہوئی مگر تھوڑی دیر میں وہ حیرت بدگمانی سے بدل گئی وہ سوچتا تھا الہی یہ کیا سمان ہے بیوی کے پاس یہ بے ہتا پیسہ کہاں سے آیا جو اس قدر اللے تللے ہو رہی ہیں اس فکر اور اندیشہ میں اوس نے کھانا بھی نکھایا منہ جھٹال کر کھڑا ہو گیا اور بچھونے پر جا لیٹا۔ میاں کو اوداس دیکھ کر دلربا خانم بھی سست ہو گئی مگر ہتھور بیگ کے بغیر پوچھے اوس نے مال متاع کے انکا حال کہنا مناسب نجانا ہتھور بیگ نے تین راتیں بڑی غم اور غصہ میں کاٹیں اور اوس نے دلربا خانم کی طرف آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھا آخر اوس سے ضبط نہو۔ اور چوتھی رات کو اوس نے دلربا خانم کے منہ پر رکھ

ہی دیا کہ میری عقل حیران ہے یہ مال خزانہ تمہارے ہاتھ کہاں سے لگا اور یہ کھڑکی جنگل کیطرف کیوں رکھی گئی ہے اور تو کریں رات کو محل سے کیوں نکال دی جاتی ہیں۔ دلربا خانم نے تنہائی میں اپنے گانے اور ہرن کے آنے کا اور سونے کے ڈلے لانے کا سارا حال بیان کیا۔

تہور بیگ "خانم تم برا مانو یا بھلا میری سمجھ میں تو تمہاری یہ داستان آتی نہیں"

دلربا خانم "دکھیانی ہوکر آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو نہ آئے مگر خدا دانا بینا ہے بات سچی یہی ہے جو میں نے کہی"

تہور بیگ "اگر یہ بات سچ ہے تو آج چوتھی رات ہے ہرن کیوں نہیں آیا۔"

دلربا خانم "نہ میں نے گایا نہ اوس کے کان میں آواز گئی نہ وہ آیا۔"

تہور بیگ "تم نے گایا کیوں نہیں"

دلربا خانم "آپ کی جدائی میں میرا دل جلتا تھا اس لئے بولا کر گایا کرتی تھی اب آپ آگئے تو پھر مجھے گانے کا کیا سودا تھا"

تہور بیگ "خیر اب تم میرے کہنے سے گاؤ اور ہرن کو بلاکر دکھاؤ دیکھو خانم میری بات کا برا نہ ماننا مردوں میں خدا نے غیرت کا مادہ زیادہ رکھا ہے۔ ذراسی بات میں اُن کا دل بگڑ جاتا ہے جب تک ہرن نہ آئیگا اور سونے کا ڈلا نہ لے جائیگا میرے جی سے وہم نہ مٹیگا"

دلربا خانم "آپ نے سچ کہا بیشک مردوں میں غیرت اور حمیت بہت ہوتی ہے مگر عورتوں میں خدا نے مردوں سے زیادہ پارسائی پیدا کی ہے وہ اپنی آبرو پر سے سارے جہان کی دولت قربان کرکے پھینکدیتی ہیں آپ زیادہ فکر نہ کیجئے میں ہرن کو ابھی بلاتی ہوں وہ آئے اور پھر آئے ہزاروں میں آئے لاکھوں میں آئے کہنے کو تو دلربا خانم نے میاں سے کہہ دیا کہ میں

ہرن کو بلائے دیتی ہوں مگر اس کا کلیجہ اندر تھر تھر کانپ رہا تھا اوس کا وہم کہتا تھا جانور کا کیا اعتبار آیا آیا نہ آیا نہ آیا ہائے اگر ہرن نہ آیا تو تہور بیگ مجھے بیتیا کا بے کر چھوڑنے لگا تھا دلربا خانم کی گھبراہٹ کچھ بیجا نہ تھی امتحان کے وقت اچھے خاصے قابل شخص سٹپٹا جاتے ہیں اور کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے دلربا خانم کو بھی طیش آگیا تھا اوس نے کھڑکی کا قفل کھول کر دونوں کواڑ چوپٹ کر دئے اور گانا شروع کیا گاتے گاتے ایک گھنٹہ ہوگیا مگر ہرن نہ آیا تہور بیگ نے کہا ہرن تو آپ کا نہ آیا۔

دلربا خانم "چونک کر۔ لیجئے آپ تو میرے پاس بیٹھے ہیں وہ آیا ہوگا تو آپ کو دیکھ کر بھاگ گیا ہوگا آپ کمرہ کے اندر چلے جائیے اور چلمن ڈال لیجے دوسرے یہ نہ آج دل لگا کر گایا بھی نہیں کیونکہ خدا رکھے آپ میری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں وہ اثر راگ میں پیدا ہی نہیں ہوتا جو آپ کے فراق میں ہوا کرتا تھا"

تہور بیگ "بہت اچھا میں کمرہ میں جاتا ہوں اور آپ کی آنکھ سے اوجھل ہوا جاتا ہوں آپ گائیے اور ہرن کو بلائیے تہور بیگ کمرہ میں چلا گیا اور چلمن چھوڑ لی دلربا خانم نے چپکے چپکے خدا کی درگاہ میں دعا کی یا اللہ اس بندی کی لاج تیرے ہاتھ ہے اگر ہرن نہ آیا تو آج جان جائے گی دعا کے بعد اوس نے دو بول ہی گائے ہوں گے جو ہرن جست کر کے اندر آیا دلربا خانم نے کھانس کر میاں کو جتایا کہ خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے ہرن حاضر ہے۔ ہرن تین رات دن سے بیتاب ہو رہا تھا اور یار کے دیدار کو اوس کی آنکھیں ترستی تھیں۔ خدا کرے کہ کسی بدنصیب کا دل ایسی جگہ پھنسے جہاں معشوق کسی اور کے بس میں ہو۔ قیس عامری کیوں مجنوں بن گیا صرف اس وجہ سے کہ لیلیٰ کا شوہر اور تھا اور وہ اوسے بجبر باقیس عامری کی دلداری کرتی شیریں خسرو پرویز کی محبوبہ تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ

فرہاد میرا سچا عاشق ہے مگر خسرو پرویز کو چھوڑ کر فرہاد کی کیونکر ہو جاتی آخر اسی کشمکش میں فرہاد کی جان گئی اشارہ سمجھ کر میرزا تہور بیگ چلمن کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اوس نے دیکھا ایک بہت دبلا پتلا ہرن گھبرایا ہوا دلربا خانم کے پلنگ کے پاس آیا اور اوس نے ایک چمکتی ہوئی چیز اپنے منہ سے اوگل کر دلربا خانم کی جوتیوں کے پاس ڈال دی اور دیر تک وہ اپنے سر کو زمین پر اس طرح رکھے ہوئے کھڑا رہا جس طرح کوئی سجدہ کرتا ہے دلربا خانم رات کے ۲ بجے تک گاتی رہی اور ہرن تڑپتا رہا جب دلربا خانم نے گانا موقوف کیا تو ہرن جس راہ سے آیا تھا چلا گیا۔ دلربا خانم نے کھڑکی بند کر کے قفل لگایا اودھر تہور بیگ کو تاب نہ ہوئی چلمن اٹھا کر باہر آیا شمع کی روشنی میں سونے کو دیکھا تو آگ کی طرح دہک رہا تھا اس میں دلربا خانم بھی آن پہونچی۔

تہور بیگ :۔ خانم خدا کے واسطے میرا قصور معاف کرو مجھ سے خطا ہوئی میں نے تمہارا دل دکھایا بیشک تم سچی ہو میں نے دیکھ لیا میرے سامنے ہرن نے سونے کا ڈلا منہ سے نکال کر تمہاری جوتیوں میں ڈال دیا تھا یہ ایک اللہ کی قدرت کا تماشا ہے۔ یہ کہہ کر تہور بیگ نے بیوی کے گلے میں باہیں ڈالنے کا ارادہ کیا۔

دلربا خانم :۔ (منہ جھٹک کر) بس اپنے چوچلے کو رہنے دیجیے میں نے آپ کو اچھی طرح دیکھ لیا آپ بڑے وہمی بڑے طوطا چشم ہیں میں دیکھتی تھی جس دن سے آپ آئے ہیں آپ نے گھور گھونٹ رکھا تھا خدا نے میری سن لی اور ہرن آ گیا نہیں آپ میری ناک چوٹی کاٹے بغیر تھوڑے ہی چھوڑتے۔ ہائے ہائے آپ یہ سمجھے کہ میں نے کسی مالدار مرد سے آنکھ لگائی اور یہ دولت کمائی آپ کا میری طرف سے یہ گمان ہو اور میں جیتی رہوں تو سچ مچ میں ایسی ہی بے حیا ہوں جیسا آپ نے مجھے سمجھا ہے۔ ہیرہ کی کنی میرے پاس دہری ہوئی ہے اگر

اوسے سکھا کر اپنی جان بندی تو میں پٹھان کی جنی نہیں تہور بیگ نے دلربا خانم کی بہت خوشامد کی بہت بہلایا پھسلایا مگر وہ پرچانے میں نہ آئی صبح تک روتی پیٹتی رہی اور سارا دن اوس نے روتے کاٹا۔ رات کو اوس نے دم تھامنے کے لئے کچھ کھا لیا اور میاں سے کہا آپ چلمن ڈال کر کمرہ میں ہو بیٹھئے میں پھر ہرن کو بلاتی ہوں ایک دفعہ کے دیکھنے سے یہ تماشا آپ کی سمجھ میں اچھی طرح نہ آیا ہوگا شاید آپ یہی سمجھے ہوں کہ میں نے ڈھٹہ بندی کر دی ہو آج پھر آنکھیں کھول کر دیکھ لینا کہ ہرن کیونکر آتا ہے اور سونے کا ڈلا کس طرح لاتا ہے تہور بیگ نے دلربا خانم کے تیور بگڑے ہوئے دیکھ کر کچھ جواب نہ دیا اور کان دبائے کمرہ میں چلا گیا دلربا خانم نے کھڑکی کا دروازہ کھول دیا اور گانے ہو بیٹھی۔ ہرن آموجود ہوا اور دلربا خانم کے چاروں طرف صدقہ واری ہونے لگا۔ اور معمول کے موافق سونے کا ڈلا منہ سے اوگل کر اوس کے قدموں میں ڈال دیا دلربا خانم صبح تک گاتی رہی اور ہرن سنتا رہا۔ اور جس طرح آیا تھا چلا گیا۔ میرزا تہور بیگ حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا طلسم ہے کیسا ہرن ہے سونے کا ڈلا کہاں سے لاتا ہے آج اور کل کا سونا بازار میں لیکر گیا تو صرافوں نے اوسے کندن بتایا اور ہاتھوں ہاتھ لے لیا اِدھر تہور بیگ پریشان تھا اُدھر دلربا خانم رنجیدہ تھی تین دن اور تین راتیں صاف گذر گئی تھیں کھانے کے نام اوس کے منہ میں کھیل تک اوڑکر نہ گئی تھی اوس کا آنکھوں میں دم آگیا تھا مگر غصہ کے مارے وہ بیورہ بھی کھانا نہ چاہتی تھی رات کی سیاہی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی آسمان سے زمین تک اوداسی چھا رہی تھی دلربا خانم کی پریشان اور رنجیدہ صورت کو دیکھ کر آسمان پر ستارہ رو رہے تھے اور ان کے آنسو اوس بنکر ٹپک رہے تھے۔

دلربا خانم۔ میرزا صاحب آپ چلمن ڈال کر کمرہ میں جا بیٹھئے آج میرے دل کو دھڑکن بہت ہے جب تک میں گانا نہ گاؤنگی اور ہرن کو بلانا نہ بلاؤنگی میرا دل نہ ٹھیرے گا۔ درحقیقت دلربا خانم کا چہرہ زرد ہو گیا تھا کیونکہ چہ فاقہ کر چکی تھی اور صدمہ نے اوسے گھلا دیا تھا اوس کی آنکھوں پر دحشت برس رہی تھی اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتی تھی تہور بیگ نے دم نہ مارا اور چلمن اوٹھا کر کمرہ میں جا بیٹھا دلربا خانم کھڑکی کھول کر پلنگ پر آ بیٹھی اور دیر تک وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی جب اوس کا دل کسیقدر ہلکا ہوا تو اوس نے دردآمیز اور جانگداز سروں میں یہ غزل شروع کی۔

غزل

اور ہیں جو کہتے رہتے ہیں کلیجا جلگیا — سوز الفت سے ہمارا تو سراپا جلگیا
کیا تعجب ہے تمہیں بیس کا پردا جلگیا — میری آہ پر شرر سے سنگ خارا جلگیا
کون اوٹھاتے کون جھیلے کسکو ہو اسکی سہا — اے ستمگر تیری باتوں سے کلیجا جلگیا
جلوۂ محبوب کو موسیٰ بھلا کیا دیکھتے — طور ٹکرہ ہو گیا دامان صحرا جلگیا
آگ الفت کی بھڑکتی ہے زمیں سے تا فلک — داغ کھایا چاند نے گلشن میں لالہ جلگیا
گرمئ دل نے مجھے نیچا دکھایا بارہا — میں نے جب بوسہ دیا کعبہ کا پردا جلگیا
دوستوں کی دوستی یاروں کی یاری اٹھ گئی — دفتر مہر و وفا سارے کا سارا جلگیا
عشق میں غیرت بھی کچھ مطلوب ہے درکار ہے — دل میں کچھ ایسی لگی پروانہ زندہ جلگیا

دست بستہ عرض کرتا ہے ملازت بیفراق
آتش اندوہ سے میرا سراپا جلگیا

سات کا وقت غزل کا لفظ لفظ اثر میں ڈوبا ہوا دلربا خانم کا کلیجہ غم کی آگ سے جلا ہوا اوس کے منہ سے جو تان نکلی وہ شعلہ اور شرارہ بن کر نکلی جس نے بدنصیب

ہرن کو بیتاب کر دیا وہ تڑپ کر اوٹھا اور دلربا خانم کے گورے گورے تلوے چاٹنے لگا یہ کچھ نئی بات نہ تھی بلی۔ کتا۔ بکری۔ ہرن اکثر اپنے پالنے والے سے مانوس ہو جاتے ہیں تو اوس کا مُنہ ہاتھ۔ پاؤں چاٹ لیا کرتے ہیں چلتے ہیں تو اوس سے بھڑ کر چلتے ہیں مگر تہور بیگ نے اپنی نادانی سے اس حرکت کو بہت معیوب سمجھا اگلے زمانہ میں مسلمانوں کے دماغ کے اندر بھوت اور آسیب کے خیال بہت پھیلے ہوئے تھے اس بنا پر تہور بیگ کو قطعی یقین ہو گیا کہ ہرن کے بھیس میں کوئی جن ہے جس نے میری بیوی کو باولا بنایا ہے یہ بلا جب تک جیتی رہیگی دلربا خانم میرے قابو میں نہ آئے گی۔ اس کا قصہ پاک کر دینا مناسب ہو یہ سوچ کر اوس وہمی مغل نے چپکے سے اپنی بندوق دوہری دوہری گولی اور دوگنی بارود سے بھر کر کمرہ کے کونہ میں کھڑی کر دی اور اس موقع کا منتظر رہا کہ دلربا خانم کسی ضرورت سے دالان چھوڑ کر انگنائی میں جائے اور وہ ہرن کا کام تمام کر دے ہونی شدنی بات کچھ دیر کے بعد دلربا خانم کو پیشاب کی حاجت ہوئی اور وہ آفتابہ ہاتھ میں لیکر صحت خانہ کو گئی اور ہرن سے کہہ گئی خبردار جو یہاں سے ہلا میں ابھی آتی ہوں صحت خانہ میں پہونچکر اوس نے آفتابہ طاق میں رکھا اور وہ قدم چہ پر چڑھ کر کھڑی ہوئی تھی جو ایک سخت آواز اوس کے کان میں ایسی پہونچی کہ اوس کا سارا بدن کانپ گیا اور بدن کی بے تحاشا جنبش کے ساتھ تڑاق سے اوس کا آزار بند ٹوٹ گیا اور اسی آواز کے ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ تہور بیگ نے ہرن کو بندوق سے ہلاک کر دیا اتنا موقع کہاں تھا کہ جو وہ ٹوٹے ہوئے آزار بند کو درست کر کے باہر آتی۔ اس لئے اوس نے جوں توں اپنے پاجامہ کو سمیٹ کر ایک ہاتھ سے سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے پاجامہ کے ڈھیلے پائنچوں کو لے کر یہ کہتی ہوئی صحت خانہ

سے نکلی ہائے میرا پیارا ہرن اگلے زمانہ میں دہلی کی بیگمات کے سو سو کلی کے ڈھیلے پائینچے ہوا کرتے تھے دلربا خانم کا پیجامہ بھی ایسا ہی تھا اس ہول جول اور بولاہٹ میں اوس کا پاجامہ نہ سنبھلا اور اوس کا شغاف اور بلود وش پیٹ کھل گیا اوس نے دالان میں آکر دیکھا ہرن کے ایک شانہ پر دو گولیاں پڑی ہیں اور اوس کے دل اور جگر کو جھلستی ہوئی دوسرے شانہ کو توڑ کر دیوار میں گھس گئی ہیں ہرن بسمل ہو گیا ہے اور دم توڑ رہا ہے دالان میں خون کے نالہ بہ رہے ہیں یہ منظر دیکھ کر دلربا خانم نے ایک چیخ ماری اور اوس نے اپنے ڈھیلہ پائینچہ سیدھے ہاتھ سے چھوڑ کر ہرن کو سنبھالنا چاہا جو اوس کے پاؤں کی گھتیلا جوتی کا چکنا تلا خون لگ کر پھسلا اور دلربا خانم کے دونوں پاؤں ڈھیلہ پائینچو میں اولجھے اور وہ اوندھے منہ زمین پر گری مگر اس طرح کہ اوس کا نرم اور نازک پیٹ ہرن کے سینگوں پر آیا اوپر سے دلربا خانم کا گرنا اور نیچے سے بسمل ہرن کی بیقراری اور حرکت مذبوحی دونوں سینگ جو برچھی کی انی سے کہیں تیز تھے دلربا خانم کے پیٹ سے پار نکل گئے تہور بیگ نے چلمن کے پیچھے سے نکل کر دلربا خانم کو اوٹھایا جب ہرن کے سینگ اوس کے پیٹ سے الگ ہوئے تو اوس کی انتڑیاں اور جگر باہر نکل آیا اور ایک آن ایک وقت میں دلربا خانم اور ہرن کا خاتمہ ہو گیا میرزا تہور بیگ نے اپنی محبوب کو خاک اور خون میں ملا ہوا دیکھا تو اپنے دل سے کہا اب جینا عبث ہے اور اوس نے بندوق بھر کر اپنا بھی کام تمام کر لیا شاہ شجاع نے یہ داستان اس سوز و گداز کے ساتھ بیان کی کہ بادشاہ روم کے دربار میں کہرام مچ گیا اور حاضرین دربار ہرن اور دلربا خانم کے سوگ میں رونے پیٹنے لگے شاہزادہ فرخ فال کے دل پر اس کا ایسا اثر پڑا کہ اوس نے اپنی کمر سے رنجک دان کھول کر بجلی کی دو پڑیا بارود نکالی اور انگیٹھی

میں ڈال کر جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ انگیٹھی پر رکھ دئیے بارود نے شعلہ لیا اور نازنین شاہزادہ کے دونوں ہاتھ جلکر بھرتہ ہوگئے باپ نے گھبرا کر کہا میری جان تونے یہ کیا کیا. تو شاہزادہ نے کہا ابا جان یہ ہاتھ اسی قابل ہیں کہ جلا کر راکھ کر دئیے جائیں ان ظالم ہاتھوں نے ہزاروں بے گناہ جانور اور سینکڑوں ہرن شکار کر ڈالے ضرور ہے کہ ان میں دو چار ہرن ایسے بھی ہوں گے - جو معارف اور توحید میں آدمیوں پر شرف رکھتے ہوں گے میں توبہ کرتا ہوں کہ اب سے بھول کر بھی کبھی شکار کا نام نہ لوں گا کیوں میرے نوجوان دوستو کیا تمہارا بھی فرض ہے کہ تم ہیمرلیس گن ہاتھ میں لیکر سر بصحرا نکل جاؤ اور بیگناہ چرند اور پرند مار کر اپنا دل خوش کرو تمہیں کبھی یہ دھیان بھی آتا ہے کہ بندوق کی گولی گوشت میں گھس کر کیا جلن پیدا کرتی ہے اور زخمی شکار کی جان کسطرح نکلتی ہے ہماری پاک شریعت نے ہمیں شکار کی اجازت دی ہے مگر اوس کا یہ منشا نہیں ہے کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ کر ہم اپنا وقت شکار میں ہی ضایع کیا کریں اچھا تم شکار کھیلا کرو مگر کبھی کبھی یہ قطعہ بھی پڑھ لیا کرو ؎

شنیدہ ام کہ بقصاب گوسپندے گفت — در آن زمان کہ سرش را بہ تیغ تیز برید
سزائے ہر خس و خارے کہ خوردہ ام دیدم — ہر آنکہ پہلوے چربم خورد چہ خواہد دید

اے برکھارت کی ٹھنڈی ہوا اے ساحل بمبئی سے اُٹھنے والی مونسون اگر بادل کے اوڑن کھٹولے پر سوار تمہیں عجوبہ پری ملجائے تو کہنا فراق بندگی کے بعد عرض کرتا ہے کیوں جی ہماری نظم و نثر آپ شوق سے سنتی ہیں مگر اوسکے انعام میں کبھی گلستاں قاف کا ایک پھول بھی نہیں عنایت فرماتیں افسوس ؎

جس لب کے بوسہ غیر لیں اوس لب کی شیفتہ
کم بخت گالیاں بھی نہیں میرے واسطے

سید ناصر نذیر فراق دہلوی

عالمِ تخیل کی سیر

انجامِ عشق

اُمید کا آخری پیغام

اب کسی سے دل لگا کر ہم نہ ہوں گے پائمال
جو خطائیں ہوگئیں اے چرخِ گرداں ہوچکیں

توسنِ فکر کی بلند پروازی قیامت کی سبک سیر ہے اور بلا کی آزاد۔ کشمکشِ معاش کی وابستگی نے کچھ وقفہ کے لئے جان چھوڑی تو بے کل اور چلبلی طبعِ رواں کو خیالستان بے نمود کی گلگشت کی سوجھی۔ دماغی کارندوں نے اطمینان کے ڈراپ سین ڈال کر غور و فکر کے ایکٹروں کو میدانِ تخیل کے سٹیج پر لا کھڑا کیا۔ خوش باش فکر نے ایک مستانہ اور متجسسانہ نگاہ غیر محدود تماشاگاہ پر ڈالی اندازہ کیا کہ کون سا پارٹ ادا کیا جائے کہ مشتاق تماشائی دلچسپی سے ونس مور کے نعرے لگائیں۔ فکر کی باریک بین متوالی نگاہ بول اُٹھی ؎

جلوے میری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں

بیباب آسا طبیعت نے بیتابانہ کہا۔ خاموش نازکی چوٹی پر نہ چڑھ۔ پہلے نیاز کی وادی میں ٹھوکریں کھا۔ کم ظرف کا یہ شیوہ ہے تلون مزاجی کا یہ شعار ہے۔ عالی ظرف راز کو فاش نہیں کیا کرتے ؎

آنکھ سب کچھ دیکھتی ہے لب پہ لاتی ہی نہیں
گرچہ حیرت ہے کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

پر عمل کرتے ہیں۔ نمود کاری سے بیزاری گو اس زمانہ میں عاری ہے لیکن تمنائے گم کے شیدائی ایسے بھی ہیں جو اس نعمت لازوال کو تعزیہ نمود میں جلوہ گر نہیں ہونے دیتے۔

لا۔ اے بلند پرواز فکر کی مستانہ آنکھ اِ روحانیت کو کسی اور وقت کے لئے رکھ چھوڑ نفسانیت کی تعویہ کے کرشمے میرے سامنے لا۔ "ترتیبی بے ترتیبی" کا "غلط صحیح" کا "نتیجہ بے نتیجہ" کا۔ نقائص و محامد کا۔ موزوں یا غیر موزوں جامہ پیکری پہنا کر تیرے سامنے اور انکے سامنے رکھ دوں۔ جو شوق اور خلوص سے اس کا خیر مقدم کرینگے۔

میدان تخیل کی وسعت نے کمزور وجود کی ہمت پر ایسا رعب ڈالا کہ ہمت کی بھی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور فکر کے توسن عبار فتار کو بھی اپنی سبک روی بھول گئی۔ ممکن تھا اور بہت ممکن تھا کہ یہ سکون کا جما جمایا نقشہ درہم برہم ہو جائے اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے لیکن فوراً امید کا نورانی چہرہ سامنے آیا۔ آنکھوں میں خیرگی اور دل میں تر و تازگی آگئی۔ اُس نے کہا لے۔ ہاں لے اے پرستار نفس لے حقیقی تو کیا۔ مگر مجازی تو ضرور لے۔ دیکھ۔ سامنے کی پہاڑی پر جا جو برف سے ڈھکی ہوئی اور تاریکی کی چادر میں پنہاں ہے۔ سیدھا جا۔ ابھی جا۔ اور ناک کی سیدھ چلا جا جو تجھے ملے کہنا۔ دکھ سکھ کی ساتھی۔ یاس و ہراس میں ہمدرد درنج و کلفت کی رفیق۔ پریشانی و بدحواسی کی شفیق نے آخری پیغام دیا ہے لیکن بیب

اُس وقت کہنا کہ جب وہ مجھے اپنی بپتا ساری اور بالکل سنا دے۔

مگر دیوانہ یہ سن کر مستانہ وار پہاڑ کی چوٹی پر پہونچا۔ دیکھا۔ ایک ہستی۔ تباہ اور خستہ حال ہستی۔ پریشان صورت۔ غم کی مورت۔ چشم گریاں۔ سینہ بریاں۔ کپڑے چاک اور سر پر خاک۔ عجیب بدحواسی کی شان سے سر جھکائے نظر آئی۔ صبا رفتار اور تیز طرار مسافر نے شوخی سے کہا۔ سرنگون وجود! اس لق و دق صحرا۔ اور سنسان کوہسار میں کس گم گشتہ کی تلاش ہے۔ کونسا لعل بے بہا کھو یا گیا۔ تم کون ہو اور تمہارا یہاں کھڑے ہونے سے کیا مطلب ہے؟ رنجور ہستی نے پیغام سُنا۔ نظر اوٹھا کر دیکھا اور خاموش کھڑی رہی کچھ عرصہ کے بعد ایک آہ فلک دوز کھینچی اور بولا۔ خاکستان کے دماغی نگارستان جا! مجھے نہ چھیڑ۔ رنجور کی داستان ادھوری نہ سُن۔ مدتوں کے بعد آج طبیعت نے قرار پکڑا تھا لطف تصور اور سرور وصال دل و دماغ میں گشت کر رہے تھے کہ تو نے آ چھیڑا۔ آہ! کون سا دل لاؤں جس سے تجھے یہ سب ماجرا سناؤں لیکن نہیں تو غمخوار ہے۔ ہمدرد ہے۔ رحمدل ہے۔ سناؤں گا اور ضرور سناؤنگا۔

نگاہ ناز

غم نصیب کسی وقت دنیا کے ہشیاروں کیطرح ہشیار تھا۔ عقلمندوں کی طرح عقلمند تھا۔ سوسائٹی میری خاص عزت کرتی تھی کیونکہ میں ہمنشینوں سے کسی بات میں کم نہ تھا۔ علم میں علم کافی۔ عقل میں عقل بہتیری مال میں مال وافر۔ اور عزت میں عزت تو کروں۔ طبیعت چلبلی تھی۔ خوش مذاقی میرا وصف تھا اور رنگینی میرا جوہر تھا صبح سے شام عیش و مسرت میں اور شام سے صبح دل لگی اور قہقہہ بازی میں کٹتی تھی۔ مختصر یہ کہ دن عید اور رات شب برات کا

کا سماں تھا۔ جوانی کی راتیں اور مرادوں کے دن۔ سب کچھ تھا لیکن کوچۂ مصیبت سے بالکل ناآشنا تھا۔ اسکی خبر نہیں تھی کہ عشق کیا ہے۔ اور محبت کسے کہتے ہیں۔ اسی لطف وکیف میں دن گذر رہے تھے کہ ایک پری پیکر حسین صورت موہنی مورت۔ نازک بدن۔ غنچہ دہن سے آنکھیں چار ہوگئیں اوس نے ایک نگاہ بھر کر مجھے دیکھا۔ سچ کہتا ہوں اُس روز سے میرے دل میں اک آگ پیدا ہوگئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دل جو ان معاملات میں افسردہ اور پژمردہ اور بیگانۂ محض کہلایا جاتا تھا۔ وقفِ اضطراب بن گیا۔ بیتابیاں۔ بیباکیاں۔ سوز وگداز اور ہائے واۓ سب باتیں مجھ میں موجود ہوگئیں۔ منکر عشق ومحبت سے آخر قدرت نے منوا کر چھوڑا کہ عشق ہے اور ضرور ہے۔ اب مجھے رات دن اس کا خیال کہ جس طرح ہو اُس سے ملا چاہیے گردش آسمان کیطرح میرے پانوں میں بھی چکر آیا وہ تن آسانی وعیش پرستی سب کافور اور جانفشانی ومستعدی موجود۔ اوّل اوّل ضبط پھر ایسا کرنا ضبط۔ کیونکہ ایک شاعر نے مجھ سے کہہ دیا تھا ؎

ضبط کرنا دلِ حزیں نہ کہیں
چوٹ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں

ضبط وتحمل کو خیرباد کہا اور صبر وقرار کو پروانۂ راہداری دیا۔ اب کیا تھا جو بات مخفی تھی عیاں ہوگئی اور جسکو ایک راز بنایا تھا وہ زبان زدِ خلائق بن گئی ؎

ہمارے عشق کا چرچا ہوا ایسا زمانے میں
ہوئی ہیں زمرۂ عشاق میں یہ داستاں برسوں

رسوائی اور بدنامی جب حد سے گذرنے لگی تو پھر طبیعت نے پلٹا کھایا۔ شرم نے

آپیروں پر سر رکھا اور کہا خدا کے لئے میری شرم رکھو۔ ان بیہودہ افعال سے ناک کی بھی ناک کٹ جائے گی۔ مجھے اس دیوانگی میں کچھ احساس ہوا اور میں نے سوچا کہ واقعی یہ بات بہت بُری ہے دل کو سمجھایا اور جوں توں کر کے درست حالت کرنے کی ٹھان لی۔ بیقراری اور اضطرابی سے کہدیا اب معاف کرو۔ اور صبر سے کہا آؤ اب تمہارا دور دورہ ہوگا ؎

بے تابیاں جو مانگیں تو دینا نہ تو ہمیں

اے صبر اب ہم آئے ہیں تیری پناہ میں

ظاہری حالت تو قدرے ٹھیک ہو گئی لیکن دلی تڑپ بدستور بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوتی رہی۔ کیونکہ ستم گر کی ستمگاری کج ادائیوں کی لباس میں مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوتی تھیں۔ ہر روز ایک نیا تیر لگتا تھا اور کلیجہ کو چھید ڈالتا تھا۔ روز مرہ بدقسمتی رنگ لاتی اور ناکامی کے دھبے بخت ناسازگار کے دامن پر ڈال جاتی۔ اِدھر صبر و ضبط تھا۔ اُدھر غصہ و غرور تھا۔ اِدھر نیاز و انکساری تھی۔ اُدھر ناز و بر دباری۔ اِدھر خاموشی و سوز تھا۔ اُدھر لاپروائی اور بیگانگی تھی۔ غرض ایک عرصہ تک یہی حال رہا میں اکثر خیال کرتا تھا کہ تجھے تو اس قدر دھیان ہے اور وہ ہے کہ دھیان میں بھی نہیں لاتی بار ہا یہ ہوا کہ چلو اس قصہ کو پاک کریں کیسا عشق اور کس کی محبت۔ جب اوس کو ہی توجہ نہیں تو تجھے ہی کیا پڑی ہے کہ ناحق مُفت کا سودا مول لے رکھا ہے۔ بعض مرتبہ تو پختہ عزم کر لیا کہ اب تصور میں بھی تصویر نہ آئے لیکن یہ کیوں ہوتا اُس کی صورت تو کچھ ایسی دل میں کھُب گئی اور دل میں بس گئی تھی کہ کسی وقت۔ کسی لمحہ۔ اور کسی آن سامنے سے ہٹتی ہی نہ تھی۔ تاہم احتیاط کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ بیتابیاں سکون سے بدل گئیں اور

بے قراری نیم اطمینان کے پہلو میں جا سوئی۔ اب دیکھنے اور تاڑنے والوں نے گو سامنے اور منہ پر تو پھبتیاں اڑانی چھوڑ دی تھیں لیکن پیچھے اور صحبت خاص میں اس کا ضرور ورد کرتے تھے کہ عشق ہوا اور چلا جائے یہ ناممکن ہے۔ ہے اور ضرور ہے مگر اب عشق صادق کے درجہ میں آگیا ہے

جنہیں ہو عشق صادق وہ کہاں فریاد کرتے ہیں
زباں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

اپنی حالت یہ تھی کبھی یاس و ہراس کبھی اُمید اور نا اُمیدی۔ مجھے دورِ سکون میں جب کبھی اثناء تذکرہ میں کسی نے کہا کہ عشق ہوتا ہے اور ایسا ہوتا ہے یوں ہوتا ہے اور اس طرح ہوتا ہے میں نے ہمیشہ یہی کہا غلط بالکل غلط۔ سب فضول ڈھکوسلے اور بناوٹ ہوتے ہیں لیکن جب خود واسطہ پڑا تو انکار کرنا کیا معنی بڑے زور سے اثبات عشق کی تائید کرنے لگا۔ اور یہانتک کہا کہ عشق ہی ایسی چیز ہے جس پر دنیاوی طاقتوں کے علاوہ کوئی اور طاقت دباؤ یا جادو وغیرہ وغیرہ اثر نہیں کر سکتا۔ تب اُن لوگوں نے کہا کہ اب آپ کو بھگتنے اور لذت اُٹھانے سے معلوم ہوا تو سہی۔ غرض مطلب اس سے یہ ہے کہ جس طرح میں عشق کو فضولیات سمجھتا تھا اور وہ تجربہ سے سچ ثابت ہوا اسی طرح لوازمات عشق۔ تڑپ پھڑک۔ سوز و گداز بیتابیاں۔ بیقراریاں آہ و زاری آہ و زاری وغیرہ کو بھی اثر سے خالی نہ جانتا تھا اور کہتا تھا کہ جیسا میرے خیال میں عشق کوئی چیز نہیں تھی مختصر یہ کہ میں اس امید پر دن کاٹ رہا تھا اور یہ یقین گویا عین الیقین تھا کہ کبھی نہ کبھی وہ بے رحم نظر ترحم اور نگاہ شفقت سے مجھ نیم جان کو مجھ مردہ اور نیم بسمل کو ضرور اٹھا بٹھا دے گی۔ غرض یہ امید تھی اور میں تھا۔ ایک یہ آس اور صرف یہی

[illegible]

آس تھی جسکے سہارے گویا میں زندہ تھا۔
ایک روز حالت دیوانگی میں دل میں سمائی کہ چلو۔ جہاں تم نے ہزاروں پرچے اُس کے پرچانے کو بھیجے ایک آج اور بھی بھیجکے دیکھو اثر ہو یا نہ ہو۔ جواب دے یا نہ دے۔ امید تو مجھے تھی نہیں کیونکہ جواب اُس نے کبھی نہیں دیا تھا تاہم دِل کا اضطراب ذرا کم ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد میں نے خط لکھا۔

جانمن!

کم بولنا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے

القاب و آداب کی ڈکشنری ختم ہو گئی سچ پوچھو تو میرے پاس اظہار مطلب کا بھی مضمون نہیں رہا۔ خدا کے لئے رحم کرو۔ اور کچھ نہیں تو ایکمرتبہ صرف ایکمرتبہ میرے مضطر نامہ کا جواب ہی دے دو۔ زیادہ کہنا طبع نازک کو مبادا ناگوار گذرے فقط

زندہ درگور۔ تمہارا عاشق

میں نہیں کہہ سکتا کہ اس دو لفظی رقعہ میں کونسا اثر تھا کہ آج خلاف توقع اُس کا جواب آیا۔ آہ! میرے غمخوار! اُس وقت کی حالت نہ پوچھ خط کیا تھا میری زندگی کا پیام تھا۔ میری مسرتوں۔ کامیابیوں کا قبالہ تھا۔ میری آرزوں۔ ارمانوں اور تمناؤں کا دلخوش کُن .... تھا
غرض میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے دِل کی اُس وقت کیا حالت تھی بار بار اس شعر کو مزے لے لے کر پڑھتا تھا اور جھومتا تھا ؎

وہ نہ آئے نہ سہی نامہ تو قاصد لایا

جذب الفت تری تاثیر تو خالی نہ گئی

خط کو کھولنے سے پیشتر سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، جگر پر رکھا، مختصر یہ کہ میں نے اُس مسرت آمیز وارفتگی میں خدا جانے کیا کیا کیا؟

مجھے اور ایک دو حاضر باش ہمنشینوں کو یہ خطرہ ہو گیا تھا کہ کہیں شادی غم نہ ہو جائے۔ مگر آہ! یہ کہاں ہونا تھا کاش ایسا ہوتا؟

پیارے دلسوز! میں نے برقی عجلت کے ساتھ اُسکو کھولا پڑھا۔ لکھا تھا

"صاحب! آپکے نامعقول اور مہمل خطوط آج تک ہزاروں پہنچے ہیں میں نے اس خیال سے جواب نہیں دیا تھا کہ مختل حواس اور فاتر العقل ہمیشہ بے عقلی کی باتیں کیا کرتے ہیں اون سے ہم کلام ہونا سراسر بیوقوفی اور اون کے پاگل پن کیساتھ ایک قسم کا ظلم ہے کیونکہ وہ سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانہ کی مثل بن جایا کرتے ہیں۔ آج چونکہ آپ کی تحریر میں انسانیت سیدھا پن اور مجبوری کی جھلک پائی جاتی ہے میں نے مناسب سمجھا کہ آپکو اس نیم بیہوشی میں سمجھا دوں کہ اگر آیندہ اس کرم گسترانہ یادفرمائی سے باز رکھی جاؤں تو بہت احسان ہوگا۔"

خط پڑھنے کے بعد گو مجھے اتنی مسرت نہ ہوئی جتنا کہ میرا خیال تھا یعنے بظاہر اُس میں میرے درد کا درمان کوئی لفظ بھی نہیں تھا۔ تاہم یہی کیا کچھ کم کامیابی تھی کہ پتھر کے جونک لگی اور اُسکو کچھ خیال ہوا تو سہی ؎

وہ دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

میں نے اس کو صد ہزار غنیمت اور اپنی خوش بختی کی نیک فال خیال کیا۔ گو

اُس جفا شعار کیطرف سے یہ پرچہ میرے لئے بالکل جواب صاف تھا۔ مگر ضدی طبیعت ہٹی اور بے قابو طبیعت کیوں صبر کرنے لگی تھی۔ خیال آیا جب لاتعداد مراسلات کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا ہے تو کیا عجب متواتر یاد دہانی اور اظہار حال سنگدل کو موم بنانے کی باعث ہو آج اگر غصہ و نفرت کا اظہار ہے تو وہ وقت بھی آ ہی جائیگا کہ نرمی و ملاطفت عنایت و شفقت کرنے لگے۔ بہر حال پیارے عمگسارا میں نے خطوط کا تار باندہ دیا دو ایک خط روز بھیج دیتا۔ اور یہ امید بدستور لگی ہوئی تھی کہ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں۔ ہفتوں نہیں مہینوں مہینوں نہیں برسوں میں کبھی تو جواب آویگا (باقی دارد)

(سید عزیز الدین نصرتی جھنجھانوی دفتر عصر جدید میرٹھ)

بڑے دعوے کا اعلان

مندرجہ ذیل سنگلاخ کتابیں آجتک کوئی حل نہ کر سکا۔ جنے پتھروں کو پانی کرکے بہا دیا دو فایدے ہیں کامل حل فصیح بالکل برجیح (اردو لٹریچر دیکھنے سے جوہر کھلینگے) حل قصائد خاقانی کورس منشی عالم مع محصول ۱۲ (ایضاً کورس منشی فاضل دو حصے قیمت حصہ اول عہ ۱۲ حصہ دوم عمار سکندرنامہ دونوں جلدوں کے خریداروں سے مع محصول ؎ ایضاً کورس بی اے الہ آباد یونیورسٹی جس میں ستائی عرفی صائب۔ نظامی۔ بیدل کے قصائد کا حل بھی شامل ہے قیمت مع محصول عہ ۱۲ حل نکات بیدل (رموز تصوف وحدۃ الوجود) مع محصول عمار حل کلیات اردو مرزا غالب دہلوی مع محصول

اعلان عام:۔ جن حضرات کو عربی۔ فارسی۔ اردو۔ بھاشا میں کامل شاعر بننا یا ناول دیوان وغیرہ نظم و نثر میں اصلاح لینا ہو پہلے اپنا کچھ کلام بطور نمونہ اصلاح بھیجیں۔ پھر داخلہ اور ماہوار فیس کا فیصلہ کریں۔ مجدد السنہ مشرقیہ سید احمد حسن شوکت مشہر میرٹھ

قافیہ اور ردیف

شاعری میں علاوہ صنائع بدائع - فصاحت و بلاغت اور نزاکت کے بڑی بات یہ ہے کہ قافیہ میں ردیف کھپی ہوئی اور اس طرح پیوستہ اور منتظم ہو جیسے قوام میں اجزاء - یہ التزام کسی زبان کی شاعری میں بجز فارس کی شاعری کے نہیں پایا جاتا سنسکرت اور بھاشا کی شاعری میں تو ردیف کا کہیں نشان تک نہیں صرف قافیہ ہے یہی حال مغربی ممالک کی شاعری کا ہے وجہ یہ ہے کہ ردیف کا ثبوت اور اُس پر مختلف قوافی کا توارد مشکل کام ہے لہذا آسان پسندی نے اس قسم کی قیدیں اُٹھا دیں تاکہ اظہار مطلب میں آسانی ہو مگر ایشیائی شاعری ایسی تنگ مند شاعری کو محض تُک بندی قرار دیتی ہے اور کہتی ہے کہ در یں صورت شعر گفتن چہ ضرور ہے

شاعری کی قابلیت کا کھلا سب تار و پود
ایسے مضموں سے تو بہتر تھا کہ چھپر باندھتے

ایشیائی شعراء نے اپنے کمال فن سے دنیا کو گرداب حیرت میں ڈال دیا ہے - اب ایسے باکمال شعراء پیدا نہیں ہو سکتے وجہ یہ ہے کہ سلاطین سلف قدر کرتے تھے شعراء کا منہ جواہرات سے بھر دیتے تھے - ناظم شروانی حکیم خاقانی کے اکثر مدحیہ قصائد کے عنوان میں یہ عبارت درج ہے کہ "دوازدہ ہزار اشرفی انعام یافت" موجودہ زمانے کے نرخ سے فی قصیدہ ایک لاکھ ۸۰ ہزار روپیہ ہوتا ہے پیٹ پالنے والے چپاتی شکم دولتمند اگر سنیں تو پیٹ پھٹ جائے - اور بحر ہستی میں بُلبلے کی طرح بیٹھ جائیں -

یہ قاعدہ ہے کہ دنیا میں اسی فن کو ترقی ہوتی ہے جس میں معاش کو ترقی ہوتی ہے موجودہ زمانے میں جسے اپنی تہذیب اور علوم وفنون پر ناز ہے ویسے کامل شعراء کا پیدا ہونا تو کجا اُن کا کلام سمجھنے والے بھی شاذ ونادر ہیں دیکھ لو بی۔اے اور ایم۔اے کورسوں کی کیسی مٹی خراب ہو رہی ہے کہ نہ کوئی سمجھ سکتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے سررشتہ تعلیم کی بافندگی گھس رہی ہے۔ پبلک کی جیبیں کٹ رہی ہیں۔ طلبہ پریشان ہیں کسی کو کچھ حاصل وصول نہیں۔ ناقدردانی کی وجہ سے اہل کمال مفقود بلکہ معدوم ہو گئے۔ اگر قزل ارسلان۔ جلال الدین اخستان جیسے قدردان سلاطین و فرمانروا پیدا ہوں تو خاقانی و انوری جیسے شعراء کا پیدا ہونا کچھ مشکل نہیں کیونکہ نکلن ہمنیہ ممکن ہے جو کام ایک انسان کرے دوسرے انسان بھی کر سکتے ہیں ہم رجالٌ وہُم رجال جیسے وہ مرد تھے ویسے ہی مرد ہم ہیں صرف ہمت واولوالعزمی کا فرق ہے شوکت ؎

ہمت کہ تپایہ ززناں کار فحل
لحن ز داؤد بود نے زنجل

حضرت امیر خسرو دہلوی نے جو صنائع بدائع میں لاجواب تھے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے قافیوں میں یہ کمال دکھایا ہے کہ پہلے ایک فارسی لفظ ہے اور قافیہ لفظ اُس لفظ کا ہندی ترجمہ ہے گو ہے وہ بھی درحقیقت فارسی۔ اس قصیدے کے دو شعر یہ ہیں ؎

داریم آرزو کہ حکایت کنیم بات　　لالہ غلام روئے تو صد برگ زیر پات
ہر برہمن کہ دید رخ خوبت اے صنم　　زنار را گسستہ لگد زد بروئے لات

شعر اول کے پہلے مصرع میں حکایت کا ہندی ترجمہ بات ہے گو مراد با تو ہے جو فارسی ہے یعنی ہم تیرے ساتھ بات کرنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ دوسرے مصرع

میں برگ کا ترجمہ پات ہے گر مراد پائے تو ہے۔ دوسرے شعر میں لکد فارسی ہے جس کا ترجمہ لات ہے گر مراد بُت ہے کیونکہ لات ومنات بُتوں کے نام ہیں قصیدے کے ساتھ ستر اشعار میں یہی التزام ہے کس قدر کٹھن کام ہے اور ایک رباعی فرماتے ہیں جو نہایت پُر مذاق ہے اور اسی صنعت کی ہے

رفتم بہ تماشائے کنارِ جُوئے　　دیدم بلبِ آب زنے ہندوئے
گفتم کہ بہائے زلفت چہ بود　　فریاد برآورد کہ دُر دُر موئے

دُر دُر موئے یعنی زلف کے ایک ایک بال کی قیمت ایک ایک موتی ہے اور غصے یا ناراضی کی حالت میں ہندی عورتیں بولتی ہیں کہ دُر موئے یعنی موئے۔ مُجھلے۔ مرے دور ہو چل چخ۔ پرے ہٹ۔ چل بکھا۔ چنانچہ حضرت مومن مرحوم دہلوی فرماتے ہیں ہے

چل پرے دور ہو نہ دکھلا مُنہ
اے شبِ ہجر تیرا کالا مُنہ

امیر خسرو کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ کو شعر گوئی کا شوق ہوا تو خضر علیہ السلام کی خدمت میں گئے اور التجا کی کہ نظامی۔ جامی۔ سعدی وغیرہ سب نے آپ سے ہی فیض پایا ہے اور آپ کی ذات علوم وفنون کے فیض کا چشمہ ہے پس مجھے بھی کچھ مرحمت ہو خضر عم نے فرمایا کہ نمکینی سعدی بُرد۔ شیرینی جامی بُرد و سنگینی نظامی بُرد۔ حالا ہیچ ندارم ماں صنائع بدائع وغوامض شعری بتو می دہم" چنانچہ ان ابواب میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ مثنوی قِران السعدین کے شروع یعنی حمد میں فرماتے ہیں ہے

حمدِ خداوند سرایم نخست　　تا شود این نامہ بنامش درست
واجب اول بوجودِ قدم　　نے بوجودیکہ بود از عدم

نے کس ازوزادہ ونے اوزکس زادنِ نازادن ما زوستالبس

واہ۔ زائے معجمہ کو اخیر کے شعر میں کیسا نباہا ہے۔ حضرت امیر خسرو اصناف سخن پر قادر تھے۔ آپ کی پہیلیاں عجیب وغریب ہیں فرماتے ہیں ؎

سیام برن اور دانت دنتیلی پتلی دبلی ناری
دونو ہاتھ سے خسرو کھینچے یوں کہوے تو آری

بظاہر تو سیہ فام معشوقہ سے خطاب ہے مگر مراد آری ہے جس کو بتا بھی دیا ہے آری سیاہ بھی ہوتی ہے پتلی بھی اس میں دانتے بھی ہوتے ہیں اور دونو ہاتھوں سے کھینچتے ہیں جب لکڑی چیرتے ہیں۔ کیسی مزے کی پہیلی ہے اور فرماتے ہیں ؎

جب کاٹو جب۔ ڈھ ہا اور سینچت ہی مکلائے
واروں ایسے پھول کو جو پھول بیل کو کھائے

مراد شمع ہے جب گل کاٹ ڈالو تو روشنی بڑھ جائے جب سینچ دو (تیل نکال ڈالو) تو کملا جائے۔ ایسے پھول کو صدقے کرکے پھینک دو اس جو بیل کو کھاتا رہے شمع کا گل بتی کو کھاتا رہتا ہے یعنی بتی جلتی چلی جاتی ہے۔

عرصہ ہوا خواجہ احمد حسن صاحب مرحوم رئیس سہارنپور نے جو مشہور پولیس انسپکٹر اور اخیر میں تحصیلدار تھے اور رشتہ میں ہمارے چچا ہوتے تھے اپنے کتب خانے سے ہمیں ایک قلمی مثنوی دکھائی جو صنعتوں سے معموری ذوبحرین بھی تھی اور ذوقافیتین بھی اور باایں ہمہ صنعت تجنیس سے بھی آراستہ تھی اس کا پہلا شعر یاد رہ گیا ؎

ساقی ازاں بادۂ منصورودم
دررگ و در ریشۂ من صورودم

منصورودم اور من صورودم میں تجنیس کے ساتھ کیسا تبدل قوافی ہے اس کا وزن

ہو اسے

مفتعلن مفتعلن فاعلن

اور دوسرا وزن یہ ہوا سے

فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

ساقیا زاں بادۂ منصور دم

در رگ و در ریشۂ من صور دم

صرف یہ فرق ہے کہ پہلی بحر کی اضافتیں امالہ سے پاک ہیں اور دوسری بحر میں پڑھے گا تو امالہ ضرور ہوگا جسے ثقل مستلزم ہے پھر بھی کمال کیا ہے اور امالے کے سوا چارہ بھی نہ تھا اس صنعت میں دو چار شعر بھی کوئی کہے تو دماغ چکرا جائے چہ جائیکہ خود جزاء کی مثنوی۔ یہ ہے ایشیائی شعراء کے کمال کا نمونہ۔

(باقی آئندہ)

سید احمد حسن شوکت میرٹھ

نواب محمد حامد علی خان بہادر میں اب بالکل نواب محمد کلب علی خان بہادر خلد آشیان کی طرز زندگی کا رنگ غالب ہوتا جاتا ہے۔ اسلئے کہ تھوڑا زمانہ ہوا کہ حضور عالی کی خاص توجہ سے ایک بہت بڑا زبردست یادگار زمانہ مشاعرہ ریاست میں یکم دسمبر ۱۹۱۰ء میں قائم ہو چکا ہے جس میں تمام ہندوستان کے باکمال شعرا کا ایسا لاجواب مجمع تھا کہ اب شاید ہی ایسی بزم سخن دیکھنے میں آئے اور اسکی نسبت جو یہ کہا جائے تھا

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

بالکل صحیح ہے۔ مشاعرہ کے واسطے دو مصرع طرح مندرجہ ذیل تجویز ہوئے تھے جن میں ہر طرح کی خوبی طبع آزمائی کے لئے موجود ہے۔

(۱) محفل ہستی میں کیوں پیدا ہوئے آثار صبح۔
(۲) کھینچنے والے کی ادا کھینچ گئی تصویر کیسا ہوتا۔

ان سب غزلیات کا مجموعہ جو سو ہزار گلدستہ بیرنگ بہتر اسی زمانہ میں شائع ہو گیا تھا اور ہم کسی آئندہ موقع پر اس کا انتخاب نذر مخزن کریں گے) یہ نواب صاحب موصوف ہی کے مذاق شاعری کا جذبہ تھا۔ کہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی ایسے ادبا اور سخن سنج اصحاب کی کئی شبانہ روز ایسی مزیدار صحبت رہی کہ شاعرانہ تاریخی یادگار قائم کر تی ہے۔ مہمانوں کی جس کشادہ دلی و خندہ پیشانی سے مدارات ہوئی۔ اس کی یاد دلوں میں خدا جانے کب تک باقی رہے۔ اسی طرح ایک علمی جلسہ ۱۹۱۳ء میں قادیانی اور سنی علما کے مباحثہ کا آپ کی سعی مشکور سے ہو چکا ہے۔ اور اس میں بھی دور دست مقامات سے بڑے زبردست پایہ کے عالم و فاضل پاک سیرت و پاک صورت اشخاص تشریف لا کر شریک صحبت ہو چکے ہیں ہز ہائینس کو فقرا سے بھی بجد الفت اور ارادت ہے۔ چنانچہ نوشہ میاں جو ایک پاک باطن پرہیزگار اور فی زمانہ اپنے درویش خیال کئے جاتے ہیں منجی شریف ضلع مراد آباد سے اکثر و بیشتر بلوائے جاتے ہیں اور ہفتوں ان سے تصوفانہ گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور اسی طرح دیگر پاک نفس قدسی صفت بزرگوں کی تلاش و جستجو رہتی ہے۔

پھر اور۔ اور بہت سی باتیں محتاجوں اور بیواؤں کی تنخواہیں مساجد اور دیگر مقامات متبرکہ میں سالانہ ترسیل نذر۔ محمڈن کالج اور ندوۃ العلما پر خاص نظر عنایت وغیرہ وغیرہ ایسی ہیں کہ ہز ہائینس خیر مجسم کہے جا سکتے ہیں۔ اور آپ کی ذات کیا ہے بقول شخصے ع

چشمۂ فیض ہے کہ جاری ہے

عزیز الحسن یاد۔ سکندر آبادی

مری بات کا بھی تم کو نہیں اعتبار ہوتا

(از جناب حفیظ جونپوری)

کبھی دست ظلم اُس کا جو گلے کا ہار ہوتا — تو جفا سے کچھ پشیماں وہ ستم شعار ہوتا
کوئی لاکھ وعدے کرتا جو نہ اعتبار رہوتا — بنی جی پہ اپنے ہوتی نہ یہ انتظار رہوتا
گیا عرش سے بھی اونچا جو یہ نالہ اسکا حال — مرے دل سے تھا جو نکلا کسی دل کے پار ہوتا
ہوئی خیریت کہ سیدھی نہ ہوئی نگاہ اسکی — جو یہ تیر کج نہ پڑتا تو جگر کے پار رہوتا
مرے دل کی کچھ وفائیں ترے لمبے گر جو کرتیں — یہی جور لطف بنتا یہی غصہ پیار رہوتا
میں ہزار قسمیں لیتا جو وہ کہکے دم نہ دیتا — مری بات کا بھی تم کو نہیں اعتبار ہوتا
یہی وجہ ہے تڑپ کی کہ پڑا ہے تیر اوچھا — یہ تڑپ سکون بنتی جو جگر کے پار رہتا
یہ تو ہے عدو کی قسمت یہ کہاں نصیب میرے — پئے فاتحہ وہ آتے جو مرا مزار ہوتا

جو حفیظ مجھ پہ بیتا تو نہ ہوتا آج تائب
یہ شرع کہاں سے پاتا جو نہ بادہ خوار ہوتا

کارناموں سے ہمارے اک زمانہ دنگ ہے

(از جناب حفیظ جونپوری)

کیا علاج اس مرد کا بھی زندگی سے تنگ ہے — اے طبیب مہرباں اب تو یہ جینا ننگ ہے

ان ہی میں ہم ترقی جس کی تھی حیرت نما　　　کارناموں سے پہلے اک زمانہ دنگ ہے
صاحبِ مقدور جو کل تھے وہ ہیں محتاج آج　　　ہو گئی کا یا پلٹ دنیا کا بھی کیا رنگ ہے
آنکھیں لڑنے پر کسی سے دل ملا تو کیا ملا　　　صلح وہ اچھی نہیں آغاز جس کا جنگ ہے
ڈھونڈتے پھرتے تھے گھر گھر جسکو وہ دل ہی میں تھا　　　موزم بتخانے کا کعبے کا نہ اب آہنگ ہے
ہند کا تحفہ یہی شیخ حرم کو بھیج دوں　　　پی کے وہ بھی تو کہے کیا چیز آب گنگ ہے
ہم ادب سے لب نہ کھولیں اور دشمن منہ چڑھے　　　اپنا اپنا ہے طریقہ اپنا اپنا ڈھنگ ہے
میکدے سے کچھ فقیروں کی بھی کوئی کم نہیں　　　ہے جو ڈھلتی ہے اس میں یہاں بھی بنگ ہے
پھر جنوں اچھلا ہوا پھر جوش وحشت کا وہی　　　پھر بہار آئی ہے بدلا پھر ہوا کا رنگ ہے
دیکھنا اس کو جو ہو تو پہلے کر دل کی جلا　　　وہ نہ آئیگا نظر جب تک جما یہ زنگ ہے
صرف اتنی بات سے گل ہو گیا ہر دل عزیز　　　عارضِ گلرنگ سے اسکے ذرا ہم رنگ ہے
دیکھکر جیتے تھے جسکو چھپ گیا وہ چاند آہ　　　زوف ایسی زندگی پر اب یہ جینا ننگ ہے

مخزن اک سدو زباں کا ہے یہ دیوانِ حفیظ
دیجئے اسکی سند یہ مستند فرہنگ ہے

اس دھن میں لیڈروں کی بھی حالت کچھ اور ہے

(از جناب حفیظ جونپوری)

اے مہرباں طریقِ سخاوت کچھ اور ہے　　　کچھ دیکھئے پوچھئے کہ ضرورت کچھ اور ہے
لکچر بہت سُنے ہیں عروج و زوال پر　　　اے قوم مجکو تجھ سے شکایت کچھ اور ہے
کالج میں چھیڑ چھاڑ ہے مذہب کی ان دنوں　　　یاروں سے پوچھئے کہ جہالت کچھ اور ہے

ہر وقت ایک فکر ہے نام و نمود کی   اس دَور میں لیڈروں کی بھی حالت کچھ اور ہے
آپس کی پھوٹ کا جو نتیجہ ہے کیا کہوں   قسمت میں مسلموں کی ہزیمت کچھ اور ہے
اے کلمے کے شریک جواں زور آزماں — کہتے ہیں اتفاق میں طاقت کچھ اور ہے
آئی بہار رنگِ طبیعت کچھ اور ہے   توبہ کی خیر ہو مری نیت کچھ اور ہے
گھیرے ہے دل کو یاس گئیں بیقراریاں   اب لیجئے خبر مری حالت کچھ اور ہے
قانع ہوا جو نفس تو سب کچھ تھا اپنے پاس   اب یہ کھلا کہ فقر کی دولت کچھ اور ہے
کس نے چڑھائے پھول پڑھا کس نے فاتحہ   پہلے سے اب جو رونقِ تربت کچھ اور ہے
زندہ جو رہ گئے تو کسی سے ہے پوچھنا   کہئے تو امتحانِ محبت کچھ اور ہے
نرگس میں ہے ادا نہ گلوں میں ہے رنگِ حسن   وہ آنکھ دلفریب وہ صورت کچھ اور ہے
اک محویت سی دل کو کسی کی ہے یاد میں   طاعت کچھ اور ہے یہ عبادت کچھ اور ہے
مدت سے آرزو ہے کہ صبحِ شبِ وصال   یہ ہنس کے پوچھتا کوئی حسرت کچھ اور ہے

کرتا ہے فصلِ گل میں بھی توبہ کوئی حفیظ
سوچو تو اس سے بڑھ کے حماقت کچھ اور ہے

اِسی لئے تو سُناتے نہ تھے فسانۂ دل

(از جناب حفیظ جالندھری)

کہاں وہ وقت کہاں لُٹ گئے وہ زمانۂ دل   حسین چومتے تھے آ کے آستانۂ دل
حبیب۔ عزیز۔ وہی وقت پر جو کام آئے   رفیق داغ ہے ندیمِ جگر یگانۂ دل
چھپا کے دیکھ لیا تلملا کے دیکھ لیا   نگاہِ ناز سے بچتا نہیں نشانۂ دل

ملا کے خاک میں اب ہاتھ ملنے سے حاصل — اسی لئے تو سُنا لتے نہ تھے فسانۂ دل
ہزار شکر محبت نے گھر کیا اس میں — جمالِ یار سے روشن ہے شمع خانۂ دل
سخن یہ بابِ محبت میں کر نہ اے ناصح — تری سمجھ میں نہ آئیگا کارخانۂ دل
چہک رہی ہے چمن میں حضورِ گل بلبل — سنو تو ہم بھی سنائیں تمہیں ترانۂ دل
لہو رلائیگا آنکھوں سے حرف حرف اسکا — جگر خراش کچھ ایسا ہے یہ فسانۂ دل

حفیظ سینے میں جھگمٹ ہے آرزوؤں کا
بھرا پڑا ہے ابھی تک مرا خزانۂ دل

نظمِ وجاہت

(از لسان العصر خان بہادر مولانا مولوی سید اکبر حسین صاحب)

جناب مولوی وجاہت حسین داد پانے کے مستحق ہیں کہ باوجود مشاغل اسسٹنٹ اڈیٹری کے انہوں نے اپنے کلام بلاغت نظام کو مرتب کرکے طبع کرا دیا۔ افسوس کہ بسبب نادرستی مزاج میں نظمِ وجاہت کو بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا۔ تاہم سرسری نظر میں بہت اشعار دلکش و معنی خیز نظر آئے۔

دامِ ہستی سے خدا جانے رہائی کب ہو
نہیں معلوم مرے قید کی مدت کیا ہے

زندگی کے مصائب سے گھبرا کر یہ خیال انسان کے لئے نیچرل ہے۔

دل اگر صاف ہو پھر دیکھ لو سب کچھ ہے یہیں
یہی اعجاز ہے بس اور کرامت کیا ہے

ارباب سلوک کے لئے عمدہ ہدایت ہے۔ دل کی صفائی اصل چیز ہے وہ حاصل ہوجائے تو دل کی تاثیر بہت کچھ کر دکھاتی ہے۔

غم نہ کھایا گیا فرہاد نے سر پھوڑ لیا
خودکشی کہتے ہیں اسکو یہ محبت کیا ہے

خوب فرمایا ہے۔ عشق کو کافی ہونا چاہئے تھا کہ خاتمہ کر دیتا تیشے کی مداخلت کی کیا ضرورت تھی۔

گیا ماضی تو یونہی حال کا بھی حال ظاہر ہے
بس اب کچھ بہتری کی شکل مستقبل سے نکلیگی

قطع نظر رعایت لفظی کے یہ نکتہ ہے کہ ماضی و حال میں کیا ہے خدا پرستوں کی امیدیں روز جزا سے وابستہ ہیں۔

جس سے دنیا میں نہ کچھ کام کسی کا نکلے
ایسی دولت کا بہرحال زوال اچھا ہے

حدیث میں وارد ہے کہ بہترین مال تیرا وہ ہے جو تیرے کام آوے۔

کردیا قاتل نے میرا فیصلہ خون پر اب خاک ڈالی جائیگی
آج مسجد میں پئے افطار شیخ میکدے سے اک پیالی جائیگی

افطار سے اگر ڈنر مراد لیجئے اور خون پر خاک ڈالنے کو دیکھئے تو کیا بات پیدا ہوتی ہے

قومی اور سیاسی اور اخلاقی نظمیں بھی ہیں جن میں حالات موجودہ کے لحاظ سے ایک

ہسٹاریکل انٹرسیٹ یعنی تاریخی دلچسپی ہے۔

حضرت وجاہت کو ذوقِ سخن بہت ہے اور ایک مدت اُنھوں نے زبان اردو کی خدمت میں بسر کی ہے۔ بزم زبان وسخن میں اُن کی وقعت مسلم ہے۔ خدا اُنکو اعلیٰ کامیابی عطا فرمائے۔

رنگِ چمن

(از جناب صغیر تلمیذ جناب جلیل)

ہر ذرّے میں ہے ظہورِ خورشید — ہر قطرۂ مے ہے جامِ جمشید
ساقی کا ہے فیضِ عام جاری — ہر وقت ہے لطفِ میگساری
تاثیرِ شراب روح پرور — دکھلاتی ہے آج طرفہ منظر
دلکش سرِ شام کا سماں ہے — جامِ مئے ناب آسماں ہے

بالائے فلک شفق ہے رنگیں — گلگونہ روئے ماہ و پروین
کیا خوب ہے رنگِ چرخِ اخضر — لیکن ہے عجب زمیں کا منظر
گلزار جو اک کنارِ جُو ہے — کیا لالہ وگل میں رنگ و بُو ہے
ہے نہر میں بلبلوں پہ جوبن — نیرنگ نسیم سامریفن
پھولوں کی شمیم جانفزا ہے — ڈوبی ہوئی عطر میں ہوا ہے
سنبل ہے برنگِ دامِ گیسو — نرگس میں ہے کیفِ چشمِ آہو
تانے جو پھول میں کنول کے — روشن لبِ آبجو ہیں اِسکے

اک پھول ہے شمع ساں کنول کا | پروانہ صفت ہے گرد بھونرا
الفت کا شکار ہو رہا ہے | پھر پھر کے نثار ہو رہا ہے
منظور نظر جو نیلوفر ہے | مرہم پئے سوزشِ جگر ہے
دیدار کنول کا ہے میسر | منظور نہیں فراق دم بھر
پروانۂ جاں نثار ہے وہ | یعنی کہ وفا شعار ہے وہ
گلشن میں بہار یا خزاں ہے | ہر حال میں لطف بیکراں ہے
سبزی سے غرض نہ گُل سے مطلب | ہے مست کو جامِ مُل سے مطلب

تتلی ہے چمن میں اک رنگیلی | پیاری چنچل نئی نویلی
چلتے پھرتے چمن میں ہر سُو | اُڑتی ہوئی پہنچی تا لبِ جُو
چپہ چپہ چمن کا پامال | مانند شرار و برق تمثال
ہمدوش صبا رواں دواں ہے | شبنم کی طرح سے ضوفشاں ہے
منظور نظر کلی کلی ہے | ہر ایک روش پہ بیکلی ہے
سبزے پہ کبھی نہال پر ہے | گُل پر کبھی شاخ پر نظر ہے
غنچوں کی بنی کبھی تو دمساز | نکہت کی طرح کبھی ہے پرواز
قابو میں نہیں جو قلب مضطر | یکجا نہیں ہے قرار دم بھر

کچھ دیر تھا لطف سیر گلزار | آخر ہوا رنگ شب نمودار
تاریکئ شب کچھ ایسی پھیلی | بھونرا رہا باغ میں نہ تتلی
مفقود چمن کے ہیں نظارے | چھٹکے ہیں گر فلک پہ تارے
گلشن ہے جو زیر پردۂ شب | ہے تازہ بہار باغ کوکب

خالی نہیں لطف سے یہ ذرات
دنیا ہے سفیرِ اِک خرابات

غزل

(از جناب ابو ظفر صاحب واقف بھاگلپور کالج)

بہایا مقتلِ عشاق میں لہو میرا
فلک نے کچھ تو کیا پاسِ آبرو میرا

نہ دیکھ رحم سے مُنہ یارِ فتنہ خو میرا
مچل پڑیگا یہ شوقِ بہانہ جو میرا

فریب خوردۂ رنگینیٔ تمنا ہوں
ہے سبز باغ یہ گلزار آرزو میرا

سبب ہے زیست کا میری کشاکشِ امید
الٰہی ختم نہ ہو دورِ جستجو میرا

ہوا نے ذوقِ خلش ہے وہی جو زخموں کو
ہوا تھا کس لئے چاکِ جگر رفو میرا

ادا ہوئی نہ نمازِ تہِ خمِ ابرو
ہوا نہ خونِ جگر سے کبھی وضو میرا

برنگ لالۂ صحرا جدا ہوں گلشن سے
الگ تھلگ ہے زمانے سے رنگ و بو میرا

دکھا سکی نہ مجھے منہ بلائے ناداری
رفیقِ مستیٔ جاوید تھا سبو میرا

جہاں میں عزتِ ساغر ہے اسکی لبریزی
وفورِ گریہ ہے سامانِ آبرو میرا

خیال مجکو نہ تھا ترک رسم کا ہرگز
مگر زمانہ ہوا آپ ہی عدو میرا

کمی نہیں مجھے سمعِ قبول کی واقف
پسند سب کو ہے اندازِ گفتگو میرا

آنکھوں کا سچا علاج

نااہل اور جاہل دوا فروشوں نے ہزاروں سرمے اور انجن کے اشتہار دے رکھے ہیں۔ اور آنکھ کی تشریح سے اصلا واقف نہیں ہیں۔ انہیں خبر ہی نہیں۔ کہ آنکھ میں کس قدر طبقہ ہیں۔ کے رطوبتیں عصبہ مجوفہ کیا چیز ہے۔ نور آنکھ میں کہاں سے آتا ہے۔ کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ ثقبہ عنبیہ کیا ہے جس میں پانی اترتا ہے۔ نہ کتاب میں پڑھا نہ ہاتھ سے یہ کام کیا۔ اس سے مریضوں کی رہی سہی آنکھوں کی حالت بگڑ گئی۔ ایسے شہر آشوب اور طوفان بے تمیزی میں کسی دوا کا اشتہار دینا اپنا اور اپنی دوا کا وقار کھونا ہے مگر میں جانتا ہوں ابھی دنیا میں علم و ہنر کے قدردان باقی ہیں۔ اور زمانہ عقل سلیم سے خالی نہیں ہے اور سچی دواؤں کی حاجت ہے۔ اسلئے مختصر عرض کرتا ہوں کہ یہ دوا مجھے **حاذق الملک حکیم عبدالمجید خان صاحب** دہلوی مرحوم و مغفور نے بتائی تھی تیس برس سے میں اپنے مطب میں برابر آزما رہا ہوں۔ یہ آنکھوں میں پانی اترنے کو جسے نزول الماء کہتے ہیں۔ اور دھند۔ جالے۔ پڑبال رتوندے کو از بس مفید ہے۔ جب آنکھوں کے سامنے بھنگے اڑتے دکھائی دیں سمجھ لیجئے کہ پانی اترنے والا ہے۔ یہ دوا منگائیے اور استعمال کیجئے۔ پانی نہیں اترے گا۔ اترتا ہوگا تو رک جائے گا۔ اور آنکھ صاف ہو جائے گی قیمت دوا فی ماشہ عہ ایک مریض کو ایک ماشہ دوا کافی ہوگی۔ محصول بذمہ خریدار۔

ملنے کا پتہ

حکیم سید ناصر نذیر فراق محلہ ودگراں مدرسہ ارادتمند خان

دہلی مکان میر لطیف مرحوم